محمود الفتاویٰ

اوّل

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ

تقدیم وترتیب

مفتی عبدالقیوم راجکوٹی

ناشر

تفصیلات

نام کتاب: ....محمود الفتاویٰ جلد اوّل

ازقلم: ....حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مقدمہ وترتیب

ازقلم: ....مفتی عبدالقیوم راجکوٹی

معین مفتی دارالاِفتاء جامعہ ھذا

کمپیوٹر سٹینگ: ....مفتی محمد امین پنیلا

مدرس مدرسہ جامعہ محمودیہ دیتانی، باڑمیر

صفحات جلد اول: ۵۵۷

سن طباعت: ....   سنہ ۱۴۳۰ھ م سنہ ۲۰۰۹ء

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

از قلم عبد القیوم راجکوٹی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

حمد وستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبر ﷺ پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

فقہ اسلامی قرآن وسنت کا نچوڑ اور حضرات فقہائے کرام کی بہترین علمی اور نظری کاوشوں کا عطر ہے، اللہ تعالیٰ نے جن کو تفقہ کی نعمت عطا فرمائی ہے انہوں نے ہر دور میں امت کی رہنمائی کی، اور بدلتے ہوئے حالات ومسائل اور نئے مروج طریقوں میں انفرادی اور اجتماعی امور میں واضح ٹھوس ہدایات پیش کیں، چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ فقہا نے ہر دور میں اپنا خون جگر جلا کر اور قرآن وسنت کے بحر معانی میں ڈوب کر پیش آمدہ حوادث ونوازل کا حل پیش کیا، احکام کے استنباط میں زندگی کا قیمتی سرمایہ قربان کر دیا، اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کا پیش کردہ عظیم فقہی وعلمی سرمایہ- جسے علومِ اسلامیہ میں لُبِّ لُباب کا مقام حاصل ہے- امت کا بہت بیش قیمت اور قابل فخر سرمایہ ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک زرین کڑی بلکہ سنہری لڑی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دارالافتاء کا فیض ہے، پچھلے چوراسی سال سے یہاں فتاوی نویسی کا کام جاری ہے، اس کی زرین تاریخ ہے، جس کی ایک جھلک اسی کتاب کے مقدمہ میں موجود ہے، تقریباً تمام مفتیان کرام کے فتاوی بہت سے رجسٹروں میں بکھرے ہوئے ہیں، چوراسی سال کے فتاوی کا قیمتی ذخیرہ جو سیکڑوں کی تعداد میں محفوظ ہوتے ہوئے بھی غیر محفوظ ہے؛ کیوں کہ

بعض رجسٹر بوسیدہ ہو چکے ہیں، اوراق باہم ایسے چپک گئے ہیں کہ کھول کر پڑھنا مشکل ہے، اگر اس قیمتی سرمایہ کی طرف توجہ نہ کی گئی تو ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

جامعہ پر ایک دور ایسا گزرا ہے کہ نقلِ فتاوی کے لیے نہ کاغذ تھا، نہ ناقل فتاوی کا انتظام، اسی وجہ سے بعض پرانے رجسٹروں میں مستفتی کا اصل استفتاء والا کاغذ رجسٹر کے ساتھ چپکایا گیا ہے، بلکہ ۱۳۶۱ھ کی روئیداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ کی تنخواہ کے لیے بھی انتظام نہیں تھا، جامعہ کی تجوری میں صرف ساڑھے نو روپیہ سرمایہ تھا، ایسے عسرت کے دور میں اس قیمتی سرمایہ کی طرف توجہ نہ ہونا قرین قیاس ہے، موجودہ دور میں ہر طرح کی فراوانی ہے، جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ اس قیمتی سرمایہ کو محفوظ کرنا اور شائع کرنا آسان ہے، بس ارباب نظر کی ادنی توجہ ونظر کی دیر ہے۔: ؎

آنانکہ بنظر خاک را قصر کنند	آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(بتغیر لفظ)

....

زیرِنظر کتاب ''محمود الفتاویٰ'' حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم (صدر مفتی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) کے فتاوی کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل اور تقوی وطہارت کے بلند مقام پر فائز فرمایا ہے، آپ تصوف وارشاد میں شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۴۰۲ھ) کے ترجمان ومرید، علوم فقہ میں اپنے شیخ ثانی فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۴۱۷ھ) کے جانشین ومجاز، مفتیٔ گجرات، فقیہ عصر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۴۲۲ھ) کے معتمد، علم حدیث میں محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے شاگرد رشید ہیں، پچھلے ۴۳ رسال سے آپ کے فتاویٰ وتفقہ سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے، اہل علم میں آپ کے فتاوی کا خصوصی وزن

محسوس کیا جاتا ہے، آپ کے فتاوی کئی سال سے ماہناموں رسائل وجرائد میں چھپتے رہے ہیں۔

گجراتی فتاوی سب سے پہلے ۱۹۹۳ء میں ماہنامہ بیان مصطفیٰ (اکل کوا، مہار اشٹر) میں چھپنے شروع ہوئے، اور یہ سلسلہ ۲۰۰۹ء تک جاری رہا پھر بند کر دیا گیا۔

ماہنامہ الاصلاح (مجلس خدام الدین سملک) میں ۲۰۰۰ء میں جاری ہوئے، جو ہنوز جاری ہیں۔

ماہنامہ بیان مصطفیٰ میں بند ہونے کے فوراً بعد ہفتہ واری اخبار امّید (سورت) میں شروع ہوئے جو تادم تحریر جاری ہیں۔

۱۴۲۴ھ اردو فتاوی ماہنامہ اذان بلال (آگرہ یوپی) اور بمبئی کے مشہور اخبار اردو ٹائمز میں شروع ہوئے جو اب تک جاری ہیں۔

اخباری فتاوی کا یہ سلسلہ مقبول ہوا، اور یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ اس کے ذریعہ قارئین کو بے شمار دینی معلومات حاصل ہوئیں۔ اخبار اور رسائل کی زندگی محدود ہوتی ہے، اس کا ریکارڈ رکھنا اور اسے محفوظ کرنا مشکل ہوتا ہے، بعض متعلقین اور خود راقم الحروف کی دلی خواہش تھی کہ اس علمی ذخیرہ کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ یہاں کی قدیم روایات کے مطابق رجسٹروں میں محفوظ رہ کر دیمک کی نذر نہ ہو جائے، اور مستقبل کی نسلیں اس علمی ذخیرہ سے استفادہ کر سکیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس وقت سردست ''محمود الفتاویٰ'' کی تین جلدیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس مجموعہ میں بعض وہ فتاوی جو فائلوں میں محفوظ تھے، موقع کی مناسبت سے ان کو بھی ترتیب میں شامل کر لیا ہے۔

گجراتی فتاوی کی ترتیب کا کام جاری ہے، انشاء اللہ ان کو بھی عنقریب منصّہٴ شہود پر لایا جائے گا۔

واضح رہے کہ پچھلے کئی سال سے حضرت مفتی صاحب مدظلہ بذات خود فتاوی

نویسی سے معذور ہو چکے ہیں، محرر فتاوی مفتی روح الامین صاحب سورتی سلمہٗ کے ذریعہ املاء کرواتے ہیں، اس مجموعہ میں خودنوشتہ اور املاء کردہ دونوں طرح کے فتاوی شامل ہیں۔

جلد اول کے شروع میں مقدمہ راقم الحروف کے قلم سے ہے، حضرت کے شاگردوں اور متعلقین کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا جارہا ہے، آپ جہاں مفتی گر ہیں، وہیں علماء کی ایک بڑی جماعت کے لیے راہ سلوک طے کرانے میں شیخ بھی ہیں، آپ کے فیوض وبرکات کا ظنی سلسلہ ملک وبیرون ملک دور دور تک پھیل رہا ہے، عرصۂ دراز سے متعلقین کی خواہش تھی کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے احوالِ زندگی منظر عام پر آنے چاہئے تاکہ اصحاب توفیق انہیں پڑھ کر اپنی راہیں درست کریں، جہد وعمل کا حوصلہ پاویں، صبر واستقامت کی عزیمت سے سرفراز ہوں، نیز فتاوی کا وزن صاحب فتاوی کی علمی قابلیت ومہارت کے تناظر وتقابل میں کیا جاتا ہے، انہیں وجوہات کی بناء پر راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب کی تعلیم وتعلم یعنی طالب علمی اور تدریسی زندگی کے متعلق احوال پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ویسے بھی اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی سیرت وسوانح کئی لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۴۲۱ھ) نے اہمیت کی چار وجوہات تحریر فرمائی ہیں:

اولاً: ان کے احوال وسوانح ان کی صحبت کا بدل ہیں، اور جو لمحات ان کے مذاکرہ میں گزریں وہ گویا ان کی صحبت وہم نشینی میں گزرتے ہیں، جس طرح کسی مصنف کی کتاب کا مطالعہ اس کی صحبت کے قائم مقام ہے اور اس سے مصنف کے قلبی جذبات واحساسات قاری کی طرف شعوری وغیر شعوری طور پر منتقل ہوتے ہیں، اسی طرح کسی کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے صاحب سیرت کی قلبی کیفیات قاری کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

ثانیاً: حق تعالیٰ شانہ کی عنایت خاصہ ان اکابر کے شامل حال ہوتی ہے؛ اس لیے ان کا ذکر خیر رحمت خداوندی کے نزول کا سبب ہے، چنانچہ بزرگوں کا ارشاد ہے:

''عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة'' صالحین کے ذکر خیر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے، راز اس کا یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بھی محبوب ہوتا ہے، اس لیے عنایت خداوندی ان لوگوں کی طرف بھی متوجہ ہو جاتی ہے جو تعلق و محبت سے کسی مقبول و محبوب بندہ کا ذکر بالخیر کرتے ہیں۔ ''هم القوم لا یشقی بهم جلیسهم''.

ثالثاً: ان کے صبر و استقامت، اخلاص وللّٰہیت، ریاضت ومجاہدہ، عزیمت وتوکل کے حالات وواقعات شاہراہ انسانیت کی روشن قندیلیں ہیں، جن کی روشنی سے انسانیت کے گم گشتہ قافلے راہ پاتے ہیں، ان کا نقش پا آئندہ نسلوں کے لیے جادۂ منزل بن جاتا ہے، اور قافلۂ انسانیت ان کی پامال راہ پر چل کر فلاح وکامرانی کی منزل پالیتا ہے۔

رابعاً: ان مقبولان بارگاہ کا وجود ہر زمانے میں حقانیت اسلام کی دلیل وبرہان رہا ہے، اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر قائم ہوتی رہی ہے؛ اس لیے ان اکابر کا تذکرہ گویا اسلام کی سدابہاری کی داستان ہے، اور اس کے اس اعجازی پہلو کو اجاگر کرنا ہے۔ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی ان کے خلفاء کرام ۱/۲۳، ۲۴)

صاحب فتاوی کا تعلق ضلع بھروچ سے ہے، ضلع بھروچ گجرات کا قدیم ترین اور مشہور ترین ساحلی علاقہ ہے، اس کے ساتھ ماضی کی عظیم اسلامی یادگاریں وابستہ ہیں، ماضی میں سرزمین بھروچ سے متعدد تاریخ ساز شخصیتیں اٹھیں اور وہ آسمان شہر پر نیر اعظم بن کر چمکیں، اسی زرین سلسلہ کی ایک کڑی صاحب فتاوی ہیں، گجرات کے مشہور عالم دین- جن کی تاریخ گجرات پر گہری نظر اور وسیع مطالعہ ہے- حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودری دامت برکاتہم نے راقم الحروف کی درخواست پر تاریخ بھروچ کے متعلق صفحات ملاحظہ فرما کر اطمینان ومسرت کا اظہار فرمایا۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

مقدمہ شروع کرتے وقت خیال بھی نہیں تھا کہ اتنا طول پکڑے گا؛ مگر خوش

گوار یادوں اور لذیذ ترین احوال کے ذکر نے ایسا محو کیا کہ ضخامت کا اندازہ بھی نہیں ہوا، چونکہ موضوع دوسرا ہے اس لیے با دل ناخواستہ قلم روکنا پڑا: ؎

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش	حسن ایں قصۂ عشقت در دفتر نمی گنجد

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت سے امید ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے حالات وتجربات علوم دینیہ اور مدارس عربیہ کے اساتذہ وطلباء کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوں گے، وما ذلك على الله بعزيز.

اس مجموعہ کا نام ''محمود الفتاویٰ'' حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے منتخب فرمایا ہے، جس میں حضرت کے محبوب شیخ فقیہ الامت حضرت مولانا اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکت کی طرف مبارک انتساب ہے۔

جن لوگوں کو اپنے مرشد سے والہانہ تعلق ہوتا ہے، ان کو اپنے کاموں میں ان ہی کا جلوہ نظر آتا ہے، ہمارے اکابر میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ (م ۱۳۶۲ھ) کو اپنے شیخ سید الطائفہ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ (م ۱۳۱۷ھ) سے جو تعلق وشغف تھا اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ''عیاں را چہ بیاں'' اسی بناء پر حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنے سارے ہی کاموں کو شیخ کے نام سے موسوم فرمایا، خانقاہ کا نام ''خانقاہ امدادیہ'' مدرسہ کا نام ''امداد العلوم'' رکھا، اپنے فتاوی کا نام ''امداد الفتاوی'' رکھا، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے وہاں فتاوی کا کام شروع کیا تو اس کا نام ''امداد الاحکام'' رکھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ (م ۱۳۹۶ھ) کے فتاوی کا نام ''امداد المفتین'' رکھا۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب کو اپنے شیخ کے ساتھ کچھ ایسا ہی شغف ہے، اسی بناء پر اپنے کاموں کو شیخ کی طرف انتساب فرماتے ہیں، چنانچہ جامعہ کی خانقاہ کا نام

''خانقاہ محمودیہ'' زباں زد ہے، اپنا جدید رہائشی مکان جس قطعۂ زمین پر تعمیر کروایا اس کا نام ''محمودنگر'' رکھا، اپنے فتاوی کا نام ''محمود الفتاویٰ'' رکھا، سورت میں جس مکتبہ سے حضرت کی کتابیں نشر ہوتی ہیں اس کا نام ''شعبۂ فیض محمود'' رکھا، کئی اداروں کا نام ''جامعہ محمودیہ'' رکھا، اپنے متعلقین کے کئی نومولود کا نام ''محمود'' رکھا، مسترشد اور مرشد کے نام کا مادۂ اشتقاق بھی واحد ہے، خود اس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اخیر میں راقم الحروف ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنھوں نے اس مجموعہ کی تیاری میں کسی بھی جہت سے حصہ لیا، مفتی روح الامین سورتی صاحب، مفتی عرفان صاحب مالیگانوی، (استاذ عربی ادب جامعہ ھذا) مفتی محمد یوسف صاحب کولہاپوری سلمہم اور دارالافتاء کے طلبہ کا بطور خاص بے حد ممنون ہوں کہ ان حضرات نے عبارتوں کی مراجعت اور پروف ریڈنگ کے لیے وقت اور محنت کی قربانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، باری تعالیٰ ان تمام کی خدمت کو شرف قبولیت عطا فرما کر مزید خدمات علمیہ ودینیہ کے لیے موفّق فرمائے، آمین۔

سب سے اہم مرحلہ طباعت کا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ بھی ''مردے از غیب بروں آید وکارے بکند'' کی شکل میں حل ہو گیا۔

۱۴۲۹ھ کے اواخر میں حضرت مفتی صاحب کے سفر حج کے موقع پر راقم الحروف نے فتاوی کی طباعت کے سلسلہ میں کان میں بات ڈال دی تھی، حضرت نے اس سلسلہ میں دعا شروع فرما دی تھی، دعا کی قبولیت کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ یوم عرفہ میدان عرفات میں ایک شخص آتے ہیں اور از خود حضرت سے عرض کرتے ہیں ''میں آپ کے فتاوی کی طباعت میں حصہ لینا چاہتا ہوں'' مفتی صاحب نے فرمایا ''ٹھیک ہے''، حج

سے واپسی کے بعد بار بار ان کے فون آتے رہے، لہذا ان کی پیشکش کو من جانب اللہ سمجھ کر قبول کرلیا گیا، پیشکش کرنے والے سعادت مند صاحب مولانا محمد الیاس صاحب جنیدی زید مجدہم (امام مسجد الہدایہ، بلیک برن، برطانیہ) ہیں، واقعۃً مولانا محمد الیاس صاحب نے ہماری یاس کو آس سے بدل دیا، اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی وساطت سے جن حضرات نے طباعت کے کارِ خیر میں حصہ لیا ہے ان تمام کو دارین میں بہترین بدلہ عنایت فرمائے، ان کی مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ اور ہزار ہا ہزار احسان ہے کہ اس نے محض اپنے لطف وکرم سے اس مجموعہ کو مرتب کرنے کی مجھے توفیق بخشی، اور اس بہانہ حضرت مدظلہ کی خدمت کا ایک موقع میسر آیا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل	۞	نسیم سحر یہ سب تیری مہربانی
گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام	۞	در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

اللہ تعالیٰ فتاوی کے اس مجموعہ سے تمام مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

ربنا تقبل منا، إنك أنت السميع العليم؛ آمين بحرمة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وآله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

احقر العبد عبدالقیوم راجکوٹی غفر له الحی القیوم
معین مفتی دار الافتاء جامعہ ڈابھیل سملک
۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۴؍مئی ۲۰۰۹ء

مقدمہ

مقدمہ

از قلم عبدالقیوم راجکوٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

گجرات کے شہر بھروچ میں انفاسِ قدسیہ کی آمد

ہندوستان کا صوبۂ گجرات زمانۂ قدیم سے تاریخی اور دینی اہمیت کا حامل صوبہ ہے، اس کا اہم سبب سرزمینِ گجرات پر انفاسِ قدسیہ کی آمد ہے، مراد حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعینؒ، محدثینؒ، فقہاءؒ، صوفیاءؒ کی ذواتِ گرامی ہیں، گجرات کے تاریخی شہر بھروچ اور اس کے نواح کی خصوصیت وسعادت تو رشکِ فلک کہی جاسکتی ہے کہ اسے عرب سے آنے والے قافلۂ اہلِ حق کی اولین میزبانی کا شرف حاصل ہے۔

خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جب حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر فرمایا تو انہوں نے تھانہ (بمبئی) پر لشکر کشی کے لئے ۱۵ھ میں ایک فوج مقرر فرمائی جو سالم وغانم واپس آگئی، اس فوج کے افسران کے بھائی حکم بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ تھے، اور اس کے بعد حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بھروچ پر فوج کشی کے لئے بھیجا، حضرت حکم رضی اللہ عنہ اس فوج کے افسر تھے۔ ان کے صحابی ہونے کی تصریح علامہ ابنِ سعدؒ نے "طبقات ابن سعد" اور علامہ جزریؒ نے "أسد الغابة" میں فرمائی ہے۔ عبارت یہ ہے: "الحكم بن أبي العاص بن بشير بن دهمان الثقفي، يكنى أبا عثمان، وقيل أبو عبد الملك،

وهو أخو عثمان بن أبي العاص الثقفي له صحبة "(أسد الغابة في معرفة الصحابة،٣:٣٥)

الحكم بن أبي العاص بن بشير بن دهمان، وقد صحب النبي:ﷺ(طبقات ابن سعد،٥:٣٧٣)

''فتوح البلدان'' میں ہے: اخبرنا علي بن محمد بن عبد الله بن أبي سيف، قال: ولىّ عمر بن الخطاب رضي الله عنه عثمان بن أبي العاص الثقفي البحرين وعمان سنة خمسة عشر، فوجَّه أخاه الحكم إلى البحرين ومضى إلى العمان فأقطع جيشا إلى تانة فلما رجع الجيش كتب الى عمر يعلمه ذٰلك، فكتب إليه عمر يا أخا ثقيف! حملت دوداً على عودٍ وإني أحلف بالله لو أصيبوا لأخذت من قومك مثلهم ووجه الحكم أيضاًالى بروص إلخ (فتوح البلدان للإمام أحمد بن يحيى بن جابر البغدادي الشهير بالبلاذري تحت عنوان فتوح السند٤٣٨، ونحوه في أسد الغابة في معرفة الصحابة، ٣:٣٧٣. ومعجم البلدان: ٢/ ٤٢٦ .وتاريخ السلام للذهبي، ٣:٢٢٣)

عبارتِ بالا میں ''بروص'' سے مراد شہر بھروچ ہے، کتبِ عربی میں بھروچ کو ''بروج'' یا ''بروص'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحیؒ صاحبِ ''نزهة الخواطر'' اپنی کتاب ''یادِ ایام'' میں مذکورہ واقعہ نقل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس خدائے یکتا پر ایمان لانے والوں کا، اور اسی ایک ہستی کو وحدہ لاشریک لہ جاننے اور اسی کو قادرِ مطلق اور مُصرِّفُ الامور ماننے والوں کا پاک قدم پہلے اسی سرزمین پر پڑا، اور اسی سرزمین کے دشت وجبل ہندوستان میں سب سے پہلے اللہ اکبر کے نعروں سے گونجے، اس حملہ میں جن سعادت مندوں کو مرتبۂ شہادت نصیب ہوا ان میں غالبًا وہ انفاس قدسیہ بھی تھے جنہوں نے

رسول مقبول ﷺ کا جمال جہاں آرا دیکھا تھا اور آپ کی پاکیزہ صحبت وروحانی تعلیم سے بھی مستفید ہو چکے تھے، ان فدائیانِ اسلام کی قدسی صورتیں اسی سرزمین کے آغوش محبت میں گنج بے رنج کی طرح مدفون ہوئیں؛ اگر چہ ہم کو اس کنزمخفی کا پتہ نہیں ہے؛ مگر یہ یقینی ہے کہ بمبئی اور بھروچ کے گرد ونواح میں یہ خزانہ سپردِ خاک ہوا ہوگا۔ (یادِ ایام:۴۴/۴۵)

سنہ ۱۰۷ھ/سنہ ۷۲۶ء میں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے مقرر کردہ سندھ کے گورنر جنید بن عبدالرحمٰن مری نے زمینی راستہ سے گجرات میں آج کے ''ویرم گام'' کے قریب مانڈل شمالی گجرات کے دھنوج اور جنوبی گجرات میں ''بھروچ'' تک پیش قدمی کی تھی، اور معلومات حاصل کرنے کے لئے کھوجی دستے بھیجے تھے۔ (گجرات کے علمائے حدیث وتفسیر ص۲)

دِھینوج (دھنوج) نہروالا پٹن سے آگے رادھن پور کے قریب آباد تھا۔

سنہ ۱۴۰ھ/ سنہ ۷۵۷ء میں خلیفہ منصور عباسی کے دور میں دریافت حال کے لئے عمر بن جمل نامی عرب افسر نے جنوبی گجرات میں باربد (بھاڑ بھوت) اور ہشام بن عمر تغلبی نے بھروچ کے قریب گندھار تک مہم چلائی تھی، شاید اسی موقع پر باربد میں مسلمانوں نے پہلی مسجد تعمیر کی تھی (ایضاً)

مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے لکھا ہے:

سنہ ۱۳۲ھ کے بعد خلیفہ ابوجعفر منصور کے زمانہ میں سندھ کے گورنر ہشام بن عمرو تغلبی نے عمرو بن جمل کو گجرات کی مہم پر روانہ کیا، اور اس نے بھاڑ بھوت اور گندھار (بھروچ) پر بحری حملہ کیا، اور گندھار کے بت خانہ کی جگہ مسجد بنائی، گجرات میں اسلام کی یہ پہلی تعمیری نشانی ہے جو مسجد کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۶۴)

نیز قاضی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: ہندوستان میں بلادِ چیمور ہی سے اسلام

اور مسلمانوں کا سب سے پہلا علاقہ یوں قائم ہوا، کہ عہدِ فاروقی میں ۱۵ھ میں مجاہدینِ اسلام کی ایک غیر سرکاری رضا کارانہ جماعت نے تھانہ میں قدم رکھا اور ۱۹۸ھ و ۲۲۷ھ کے درمیان سندان میں ایک خود مختار مسلم ریاست قائم ہوئی جسے ہم دولتِ ماہانیہ سندان سے تعبیر کرتے ہیں۔ (ایضاً)

قاضی اطہر صاحب کی مذکورہ دونوں تصریحات سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی مسجد اور پہلی اسلامی ریاست قائم کرنے کا شرف سرزمین گجرات کو حاصل ہے۔

۱۵۹ھ/ ۷۷۵ء میں خلیفہ المہدی باللہ عباسی کے دور میں عبد الملک شہاب مسمعی بڑی جماعت کے ساتھ باربد آئے، وہاں قیام کا ارادہ بھی کیا؛ لیکن ایک مہلک وبا پھیل جانے کے نتیجہ میں ایک ہزار کے قریب افراد فوت ہو گئے، ان سب کی قبریں باربد میں بنی، جن میں ابو بکر ربیع بن صبیح السعدی البصریؒ بھی تھے جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا، اور یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حدیث شریف میں کتاب تصنیف کی تھی۔

یہ دوسرا شرف اس سرزمین کو حاصل ہے کہ ایسا شخص اس کی آغوش میں سو رہا ہے جو فن حدیث کا پہلا مصنف ہے؛ بلکہ فاضل چلپی صاحبِ کشف الظنون کی رائے میں "هو أول من صنَّف في الإسلام" مسلمانوں میں پہلا شخص ہے جس نے کتاب تصنیف کی ہے۔

(گجرات کے علمائے حدیث وتفسیر ۲، یادِ ایام ۴۶، ملخصاً)

''باربد'' (اب بھاڑ بھوت) بحرِ عرب دریائے ''نربدا'' کے کنارے ایک قصبہ ہے جو شہر بھروچ سے ۴۸ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، حضرت ربیع بن صبیح کا مزار کچھ عرصہ تک لبِ دریا موجود تھا، بعد میں موجوں کی زد میں آکر دریا میں غائب ہو گیا، اور اب اس کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں؛ البتہ بعض اہلِ کشف نے دریائے ''نربدا'' میں اس کی

نشان دہی کی ہے۔ (سوانح منشی عیسی بھائی کاوی:۱)

اس کے تقریباً چالیس سال بعد مامون کے دورِ خلافت میں فضل بن ماہان نے بمبئی اور سورت کے درمیان سندان (سنجان) نامی ساحلی شہر فتح کیا، سندان کی حکومت کا حلقہ ایک روایت کے مطابق دھینوج، پالی اور بھروچ تک پھیل گیا تھا، پالی گھوگہ بندرگاہ کے قریب واقع ہے۔ (مشائخ احمد آباد، ۱:۱۱)

آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہونے کے فوراً بعد جس سرعت سے علوم دینیہ کی ترقی وترویج عمل میں آئی اس کا ایک اہم سبب سلاطین اور امرائے گجرات کی علم دوستی ہے، شاہانِ گجرات نے اپنی ڈیڑھ دوسو سالہ زمانۂ فرماں روائی میں جس قدر علوم وفنون کی سرپرستی کی ہے دہلی کی چھ سو سالہ تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی، یہ صرف ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ گجرات کے چند بڑے شہر مثلاً: احمد آباد، پٹن، بھروچ اور سورت تو ملکِ حجاز کا حصہ معلوم ہونے لگے تھے، شیراز ویمن اور دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ وبرگزیدہ علماء نے گجرات میں آکر بودوباش اختیار فرمائی جن کے فیوض سے چند دنوں میں گجرات مالا مال ہوگیا، اور خود گجرات میں اس پایہ کے علماء پیدا ہوئے جن کے فیوض علم کی آبیاری سے اب تک ہندوستان کی درس گاہیں سیراب ہورہی ہیں۔ (یادِ ایام بحوالہ مؤمن قوم ۴۲)

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ بھروچ اور اس کے قرب وجوار میں محدثین عظام، صوفیائے کرام، فقہاء وغیرہ کا ورودِ مسعود ہوا ہے، ان انفاس قدسیہ کی صحبت رشد وہدایت اور تعلیم وتلقین سے عوام وخواص میں جو جلا پیدا ہوئی اس کے شواہد اور ان کے علمی کارناموں کی تفصیل تاریخ کے اوراق میں موجود ہے۔

راقم الحروف ''مشتے نمونۂ خروارے'' کے طور پر ان کے تعارف کی فہرست پیش کرتا ہے۔

بھروچ کے صوفیاء، محدثین، فقہاء، قضاۃ، اور مشاہیر پر ایک نظر

(۱): حضرت سید علی (بابا ریحان) بھروچی (متوفی ۴۳۰ھ)

بابا ریحان ماوراء النہر کے باشندے تھے، چالیس درویشوں کو لے کر گجرات ۴۰۰ھ میں آئے، بھروچ میں سکونت اختیار کی، لوگوں کی خدمت میں مشغول رہتے، ان کو علم سکھاتے ان کے اخلاق کی اصلاح فرماتے، کسی سے کوئی معاوضہ نہ لیتے، آہستہ آہستہ حاجت مندوں کا ہجوم بڑھنے لگا، تو درباریوں نے ''بھیل راجہ'' سے جو اس وقت حکمران تھا شکایت کی کہ یہ فقیر اپنا اثر بڑھا رہا ہے، اس کا وجود آپ کے لئے مضر ثابت ہوگا؛ چنانچہ ''بھیل راجہ'' نے ایک وفد دریافت حالات کے لئے مقرر کیا جس کا صدر ''بھیل راجہ'' کا لڑکا ''کرن'' تھا، اس وفد نے بابا صاحب کے پاس جا کر ان کے حالات معلوم کئے، اس کے بعد ارکان وفد حضرت اور ان کے ساتھیوں سے ملے، ان پر حضرت کے اخلاق اور شخصیت کا اتنا اثر ہوا کہ ''راج کمار کرن'' تو وہیں ٹھہر گیا، وفد کے دوسرے ارکان واپس آئے اور راجہ سے واقعات بیان کئے کہ بابا صاحب کی شخصیت بڑی زبردست ہے، بہر صورت حکومت کو خطرہ ہے ان کو نکال دینا ہی مناسب ہے، اس پر راجہ صاحب نے حکم دیا کہ بابا صاحب بھروچ سے نکل جائیں؛ مگر بابا صاحب نے انکار کیا، آخر فوج بھیجی گئی، درویشوں سے لڑائی ہوئی، طرفین سے لوگ مارے گئے، بابا صاحب کے بھائی ''سید احمد'' اور دوسرے ساتھی ''سید مکی نقیب، سید حسین'' اور بہت سارے ساتھی شہید ہوئے؛ مگر راجہ کی فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا، اس پر راجہ نے مرعوب ہو کر صلح کر لی، بابا صاحب کو رہنے کی اجازت دے دی، بابا صاحب نے پھر خدمتِ خلق شروع کر دی، ''بھیل راجہ'' کی بیٹی ''رانی بھاگا'' بھی مسلمان ہوگئی، اس کا نام ''زیب النساء'' رکھا گیا ''کرن'' کا نام ''ملک محمد'' رکھا گیا، یہ دونوں بابا صاحب کے احاطے ہی میں مدفون ہیں۔

صاحب تذکرۂ قاریانِ ہند عماد القراء جناب بسم اللہ مرزا بیگ صاحب مذکورہ واقعہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

میں بھروچ دو مرتبہ گیا پہلی بار ۱۹۵۲ء میں اور دوبارہ ۱۹۵۷ء میں، یہ واقعات جو میں نے تاریخ میں پڑھے تھے ان کی تصدیق قاضی نورالدین صاحب سے ہوئی جو بھروچ کے قدیم گھرانے شیرازیہ کی یادگار ہیں، آپ بھروچ کی تاریخ سے بخوبی واقف ہیں، ان کے ساتھ مجھے یہ سب آثار دیکھنے کا موقع ملا، جہاں بابا ریحان کے ساتھی جنگ میں شہید ہوکر دفن ہوئے تھے، وہیں بابا ریحان کو دفن کیا گیا، یہ مقام بھروچ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک خوبصورت ٹیلے پر واقع ہے، عماد الملک نے قبروں کو پختہ بنوا کر اپنے لئے ایک گنبد حضرت کی مزار سے نچلے حصے میں تعمیر کرایا تھا وہیں دفن ہوئے۔

بابا صاحب کی ایک زندہ کرامت یہ ہے کہ جو کنواں حضرت کی قبر سے قریب ہے اس کا پانی نہایت شیریں وصحت بخش ہے؛ ورنہ عام طور سے بھروچ کی باؤلیوں میں کھارا پانی آتا ہے، اس کنویں کے پانی کی شہرت بہت عرصہ سے ہے، انگریزوں نے اس کنویں کا نام ہیروز ویل HEROES WELL رکھا تھا، اب بھی متمول حضرات اپنے پینے کے لئے اسی کنویں سے پانی منگواتے ہیں، گو حمل ونقل میں دشواری ہے؛ مگر بعض غریب عورتیں تھوڑے سے پیسے لے کر یہ کام کر دیتی ہیں۔ (تذکرہ قاریانِ ہند ۹۰/۹۱ مع حاشیہ)

(۲): شیخ شرف الدین المشہدی بھروچی (متوفی ۸۰۸ھ)

مشائخِ سہروردیہ میں شیخ جلال الدین حسین ابن احمد حسینی بخاری کے داماد اور خلیفہ ہیں، امام موسیٰ کاظم کی نسل سے ہیں، ایران کے شہر ''مشہد'' سے تشریف لائے تھے، پٹن کے ہندو راجہ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، ان کے متعلق لکھا ہے: ''أخذ عنه

خلق کثیر من العلماء والمشائخ" علماء ومشائخ کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا، بھروچ میں ''نربدا'' کے کنارے مدفون ہیں۔ (نزہۃ الخواطر،۳:۸۲)

(۳): پیر بابا رستم (متوفی ۸۲۵ھ)

مجذوب، عابد وزاہد تھے، بابا حیدر بھروچی، اور بابا رستم کا مزار پر یئز گاؤں میں ہے۔

(اکابرینِ گجرات،۱:۳۹۴)

(۴): شیخ احمد بھروچی (متوفی ۸۶۸ھ)

حضرت خواجہ نصیر الدین چشتی دہلوی کے خلیفہ تھے، آپ کی کرامات اور خرقِ عادات امور کی شہرت تھی، سلطان محمود بیگڑہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ (اکابرین گجرات،۲:۴۷)

(۵): شیخ کمال الدین قزوینی ثم بھروچی (متوفی ۸۸۱ھ)

حضرت سید محمد گیسودراز سے نسبت تھی، بڑے عالم وفاضل ماہر تجوید وقرأت تھے۔

أحد العلماء الراسخين في العلم والمعرفة، وحصل له القبول العظيم، أخذ عنه خلق كثير من العلماء والمشائخ. (نزهة الخواطر، ۳:۱۲۳)

''علم ومعرفت میں انتہائی پختہ کار عالم، آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور علماء ومشائخ کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا''۔

بھروچ میں آپ کی خانقاہ تھی، اس میں احمد آباد کے بادشاہ ''شاہ عالم'' نے چلہ کشی کی تھی، خانقاہ ہمیشہ طالبانِ خدا سے بھری رہتی تھی۔ (مؤمن قوم۴۴)

(۶): خواجہ نصیر الدین بھروچی (متوفی ۸۱ھ)

''نانا میاں'' سے معروف تھے، آپ کے دادا ''کمال'' بڑے بزرگ تھے، ان کی خانقاہ میں فارسی وعربی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (اکابرینِ گجرات،۲:۴۹۲)

(۷): مولانا ابوبکر بھروچی

گجرات کے بلند پایہ عالم سلطان محمود بیگڑہ کے دوست، عظیم مصنف، مزید تفصیل ص ۴۰ پر ملاحظہ کیجئے۔

(۸): مخدوم سید علی بغدادی بھروچی (متوفی ۹۰۰ھ)

بھروچ میں دفن ہیں۔ (اکابرینِ گجرات، ۱: ۵۴۷)

(۹): شیخ حسین بن محمد بھروچی

نویں صدی کے بزرگ ہیں ان کا تعارف صاحبِ "نزهة الخواطر" نے ان الفاظ میں کیا ہے: "الشيخ العالم الصالح حسين بن محمد البروجي الگجراتي أحد العلماء المبرزين في الفقه والتصوف، أخذ عنه خلق كثير من العلماء والمشائخ. (نزهة الخواطر ٣/٥٦)

"فقہ وتصوف میں بہت ممتاز عالم، علماء ومشائخ کی بڑی تعداد نے آپ سے کسبِ فیض کیا"

(۱۰): خطیب کالا نیری بھروچی (متوفی ۹۰۵ھ)

شیخ سالار چشتی بھروچی کے مرید ہیں، بھروچ میں دفن ہیں۔ (اکابرینِ گجرات ۲/۲۵۳)

(۱۱): شیخ ابراہیم بھروچی (متوفی ۹۰۹ھ)

شطاری سلسلہ کے صاحبِ وجد وحال اور مقبولیت یافتہ بزرگ ہیں، شیخ محمد غوث گوالیری کے خلیفہ اور صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے، ان کے متعلق لکھا ہے: "أحد المشائخ المرزوقين قبولا. (نزهة الخواطر ٤/٦)

(۱۲): شیخ مبارک چشتی بھروچی (متوفی ۹۸۰ھ)

شیخ بہاء الدین جونپوری کے مرید تھے۔ (اکابرین گجرات ۳۱۳)

(۱۳): شیخ پیارہ چشتی بھروچی (متوفی ۹۸۶ھ)

شیخ سلیم چشتی کے خلیفہ ومرجع الخلائق تھے، ''نربدا'' کے کنارے پر قیام تھا، اکبر بادشاہ اپنے صاحب زادے جہانگیر کو لے کر آپ کی خدمت میں دعا کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ (اکابرین گجرات ۲/۳۳۴)

(۱۴): سید شیخ عبداللہ العیدروس (متوفی ۹۹۰ھ)

ہندوستان میں عیدروسیہ سلسلہ کے بانی ہیں، ۹۶۰ھ میں بھروچ کا سفر کیا تھا، ان کے خلف رشید سید احمد بن شیخ عالم، عارف، وقت کے قطب تھے، بھروچ بندر میں اقامت تھی، وہاں مسجد وروضہ بنایا تھا ۱۰۲۴ھ میں انتقال ہوا، بھروچ مین دفن ہیں۔ (حقیقت السورہ مترجم قاریان ہند دورِ ششم ۱/۱۶۶، اضواء علی تاریخ الحرکة العلمیه في غجرات ٤٤)

(۱۵): میاں غیاث الدین بھروچی (متوفی ۹۹۸ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''أخبار الأخيار'' میں ان کے متعلق لکھا ہے: سیدی شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ بحالتِ خواب میں نے ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا، یارسول اللہ! اس زمانہ میں سب سے اچھا شخص کون ہے؟ جواب مرحمت فرمایا ''میاں غیاث'' پھر تمہارے شیخ علی متقی اور پھر محمد طاہر اس زمانہ کے بہترین آدمی ہیں۔

(أخبار الأخيار مترجم ۴۶۷، ۴۶۸)

''نزهة الخواطر'' میں میاں غیاث الدین کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے:

"أحد العلماء الربانيين، كان له يد بيضاء في إيصال النفع إلى الناس والإحسان إليهم، إلخ (نزهة الخواطر ٤/٢٥٣)

''ایک عالم ربانی تھے، لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور ان کے ساتھ احسان کرنے کے لئے آپ کا دستِ سخاوت دراز رہتا تھا''۔

بھروچ میں چکلہ کالا پہاڑ کی املی کے پاس مسجد میں مزار ہے۔

(۱۶): شیخ فتح اللہ بھروچی (متوفی ۱۰۰۴ھ)

شطاریہ سلسلہ کے صاحبِ وجد وحال بزرگ تھے۔ (نزهة الخواطر ٥/٣٠٤)

(۱۷): مولانا صبغۃ اللہ بن روح اللہ بھروچی ثم مدنی (متوفی ۱۰۱۵ھ/ ۱۶۰۶ء)

گجرات میں بھروچ کے باشندے اور احمد آباد کے حضرت شاہ وجیہ الدین علویؒ کے شاگرد، ایک بلند درجہ کے عالم اور اہلِ طریقت کی حیثیت سے گجرات، جنوبی ہند اور حجاز میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ آپ نے بیضاوی کی تفسیر "أنوار التنزيل" پر جو حاشیہ لکھا تھا اس کی قدر ارض روم (ترکی) تک کے عالموں نے کی تھی (حاشیہ کے متعلق تفصیل ص ۵۱ پر آرہی ہے) مولانا صبغۃ اللہ نے گجرات میں ہر طرح کی تعلیم حاصل کی اور مختلف علوم میں مہارت بہم پہنچائی، حضرت شاہ وجیہ الدین کے وصال کے بعد آپ کے خلیفہ بھی بنے اور جنوبی ہند میں بیجا پور جیسے عظیم شہر میں علوم وفنون کی اشاعت کی۔ ہندوستان میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے اور آپ سے تعلیم حاصل کی۔

آپ پہلی بار ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور گجرات واپس آئے؛ لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد دوبارہ حجاز کا سفر کیا، اور اب کی بار مدینہ منورہ میں قیام کرلیا، اسی نبوت کے شہر میں گھر اور خانقاہ بنالی۔

کہا جاتا ہے کہ حرمین شریفین کے عوام وخواص، علماء اور شرفاء نے آپ کے فضل وکمال سے خوب فائدہ اٹھایا۔ (گجرات کے علماءِ حدیث وتفسیر ۱۰۴)

صبغۃ اللہ ہمارا فرزندِ ارجمند ہے

غوثی نے نقل کیا ہے کہ کہتے ہیں کہ ایک رات خاتم الأنبیا ﷺ نے اپنے خدام حرم کو اجازت فرمائی کہ سید صبغۃ اللہ ہمارا فرزندِ ارجمند ہے، عرب اور عجم کے دیگر تمام زائروں کی طرح سمجھ کر اسے ہمارے حرم سے باہر نہ چھوڑ دینا کہ شبِ جمعہ کو ہماری خدمت میں رہ کر صلوٰۃ اور صلوات صبح کی سفیدی نمودار ہونے تک ادا کرتا رہے، یہ بھی ہم نے اجازت دی ہے کہ اپنے یاروں میں سے جس کو چاہے اپنے ہمراہ حرم شریف میں رکھے، آج تک کسی فردِ بشر کو ایسی خاص عنایت کا خلعت عطا فرما کر سرفراز نہیں فرمایا گیا۔ آپ کے کمالات، حالات،، اور خرق عادات احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتے، ۱۰۱۵ھ/ ۱۶۰۶ء کے کسی مہینہ میں مدینہ منورہ کی زمین امین کے اندر دفن کئے گئے۔ (مشائخ احمد آباد ۲/ ۲۹۸)

(۱۸): شیخ محمد بن عبداللہ حضرمی (متوفی ۱۰۳۰ھ)

عیدروسیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں، علم وعمل، زہد وورع، حال ومقال، تحقیق وتدقیق کے امام تھے۔ مشائخ کی ایک جماعت سے آپ نے تصوف میں اجازت پائی۔ اسی طرح مشائخ کی ایک جماعت سے آپ نے حدیث پڑھی، ۹۹۸ھ میں بھروچ آئے اور کئی مہینے مقیم رہے۔ (مشائخ احمد آباد ۲/ ۳۱۱)

(۱۹): مولانا محمد اسحاق بھروچی

گیارہویں صدی ہجری میں اپنے دور کے عالم متبحر، قاریٔ بے بدل فقیہ لاثانی تھے، ان کے متعلق مزید تفصیل آگے ص ۵۶ پر ہے۔ (قاریانِ ہند ۱۸۴)

(۲۰): حکیم عبد اللطیف صاحب (متوفی ۱۲۳۵ھ)

اپنے وقت کے مشہور طبیب، عالم اور عارف تھے، اجیّن سے بھروچ وسورت چلے آئے تھے۔ (حقیقت السورۃ مترجم ۱۳۶)

(۲۱): سید تھن شاہ (متوفی ۱۲۵۸ھ)

مجذوب بزرگ تھے، بھروچ بندر میں رہتے تھے، بعد میں سورت منتقل ہو گئے۔

(حقیقت السورۃ ۲۰۶)

(۲۲): شیخ محمد بھروچی

اپنے دور کے شیخ المشائخ تھے، شیخ سید کمال بھروچی کے مرید تھے۔ (اکابرین گجرات ۲/۱۷۱)

(۲۳): ساداتِ عیدروسیہ میں سید شریف شیخ

انتہائی درجہ کے متواضع بزرگ تھے، ان کے صاحب زادے سید عبد اللہ بھروچ میں مدفون ہیں۔ (مشائخ احمد آباد ۲/۱۸۰)

(۲۴): شیخ عبد الوہاب بھروچی (شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے استاذ)

گجرات کے شہر پٹن (نہر والہ) احمد آباد، بھروچ اور سورت میں نویں صدی میں علم حدیث کا چرچا عام ہو چکا تھا، بھروچ کے صوفیاء کی فہرست میں جہاں لفظ "أخذ عنه خلق كثير" جیسے الفاظ آئے ہیں وہاں دیگر علوم کے ساتھ علم الحدیث کا حصول بھی مراد ہے، اس لئے صوفیاء کی فہرست میں ذکر کردہ ناموں میں بہت سے حضرات اپنے دور کے شیخ المشائخ فی التصوف ہونے کے ساتھ شیوخ حدیث بھی ہیں، ان کے علاوہ محدثینِ کرام میں ایک نام دستیاب ہوا شیخ عبد الوہاب بن فتح اللہ بھروچی جو شیخ علی متقی کے شاگرد اور شیخ

عبدالحق محدث دہلوی کے استاذ ہیں۔مولانا عبدالحی حسنی صاحبِ "نزھۃُ الخواطر" رقمطراز ہیں: الشيخ العالم الصالح عبد الوهاب بن فتح الله البروجي الگجراتي أحد أصحاب الشيخ علي المتقي، سافر إلى مكة المباركة، ولازم الشيخ المذكور ملازمة طويلة، وأخذ الحديث عنه .....وأخذ منه الشيخ عبد الحق الدهلوي وخلق آخرون. (نزهة الخواطر ٥/٢٦٦)

شیخ عبدالوہاب بھروچی گجراتی شیخ علی متقی کے شاگرد ہیں، انہوں نے مکہ مکرمہ کا سفر کیا تھا اور ایک لمبی مدت شیخ علی کی صحبت اختیار کی تھی، اور انہی سے حدیث پڑھی پھر ان سے شیخ عبدالحق دہلوی اور دوسرے لوگوں نے یہ علم پڑھا۔

بھروچ کے قاضی

(۱): قاضی علی بن عبدالملک بھروچی (متوفی ۸۹۴ھ)

بھروچ شہر میں منصبِ قضاء پر فائز تھے، شیخ کمال الدین قزوینی ثم بھروچی کے مرید وخلیفہ تھے، قاضی علی کے متعلق صاحبِ نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے: أحد العلماء المبرزين في العلم والمعرفة. (۳/۱۰۷، اکابرینِ گجرات ۱/۵۳۴)

(۲): قاضی صدرالدین لاہوری ثم بھروچی (متوفی ۹۹۰ھ)

فقیہِ وقت، تمام علوم وفنون کے ماہر تھے، اکبر بادشاہ نے ان کو بھروچ میں منصبِ قضاء سپرد کیا تھا، بھروچ کی سرزمین میں مدفون ہیں۔نزہۃ الخواطر میں ان الفاظ میں تعارف ہے: الشيخ العالم الفقيه .... كان من العلماء المبرزين في الفقه والكلام والأصول والعربية ....وكان حلو المذاكرة، مليح البحث، كثير المطالعة

لفنون العلم والأدب، يديم البحث والاشتغال. (١٥٧:٤)

فقہ، کلام، اصول، اور علومِ عربیت میں ممتاز علماء میں سے تھے۔ آپ کا اندازِ گفتگو بڑا شیریں، تحقیقات بڑی عمدہ تھی، علم وادب کے موضوع پر آپ کا مطالعہ بھر پور تھا، ہمہ وقت بحث وتحقیق میں مصروف رہا کرتے تھے۔

(۳): مولانا عبداللطیف بن محمد المعروف بالدبیر (متوفی دسویں صدی ہجری)

بھروچ کے محاصرہ کے وقت رستم کے ساتھ تھے۔ (مشائخِ احمد آباد ۲/ ۲۴۱)

(۴): قاضی عبدالاحمد (اصل نام احمد تھا) سورتی (متوفی ۱۲۲۵ھ)

قبیلۂ باعکظہ سے تھے، شیخ عبداللہ حسینی لاہوری ثم سورتی کے شاگرد تھے۔ علمِ ادب وبلاغت اور فنِ شعر کے ماہر تھے، بھروچ کے قاضی تھے۔ ثم ولى القضاء بمدينة بهروچ من أرض گجرات. (نزهة الخواطر ٧/ ٢٣٠، حقيقت السورة ١٢٦)

پھر سرزمینِ گجرات پر شہر بھروچ میں عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے۔

(۵): ترکی امیر البحر سیدی علی چلپی

''محیط'' (جوان کا سفر نامہ ہے) اور ''مراۃ الممالك'' کے مصنف نے ۱۵۵۴ء میں بھروچ کا سفر کیا، اسی سفر میں سلطان احمد ثانی نے انہیں بھروچ کی گورنری پیش کی تھی، لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔ (مشائخِ احمد آباد ۲/ ۲۳۷)

مشاہیر کی آمد

(۱): سیدی سعید سلطانی حبشی حنفی (متوفی ۹۸۴ھ)

بڑے فقیہ اور جملہ علوم کے ماہر تھے، ابنِ حجر ہیثمی کے شاگرد تھے، سلطان محمود

کے مقربین میں بڑے بہادر آدمی تھے اور مختلف جنگوں میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے ناصر جنگ نے ان کی ذاتی قابلیت ہی کی بناء پر چنگیز خاں حاکم بھروچ کے پاس انہیں بطورِ سفیر کے بھیجا تھا۔ (مشائخ احمد آباد ۲/ ۱۵۸)

(۲) شیخ عبد القادر حضرمی (متوفی ۱۰۳۸ھ)

معاصر نور الدین الحلبی (صاحب السيرة الحلبية) "النور السافر عن اخبار القرن العاشر" کے مصنف (اس کے علاوہ بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں) نے بھروچ میں ایک سال دو ماہ قیام کیا، ان کے صاحب زادے "شیخ" کی ولادت بھروچ میں ہوئی۔

(مشائخ احمد آباد ۲/ ۳۲۵)

(۳) کوکب بن قمر خان بن میر عبد اللطیف قزوینی

(مصنف مجمع المضامین) ساداتِ سیفی میں سے تھے، پہلے دکن کے لشکر میں تھے، بھروچ سیر کرتے ہوئے احمد آباد آئے تھے، کوکب کے دادا میر عبد اللطیف اکبر بادشاہ کے استاذ اور بڑے پکے سنی تھے۔ (۲/ ۳۸۰)

(۴) حکیم روح اللہ بھروچی (متوفی ۱۰۳۲ھ)

شاہ وجیہ الدین علوی کے شاگرد و خلیفہ تھے، ان کے متعلق لکھا ہے: أحد العلماء المبرزين في المنطق والحكمة والطب و سائر الفنون۔ (نزهة الخواطر ۵/ ۱۵۱)

"فن منطق و حکمت اور طب کے ساتھ بہت سارے علوم و فنون میں ماہر و سر کردہ عالم تھے" محمد پورہ بھروچ میں مدفون ہیں۔

علمائے بھروچ کے آثارِ علمیہ

سطورِ بالا میں لکھے گئے علوم و فنون کے ماہرین علماء کے نام سے اندازہ لگایا

جا سکتا ہے کہ بھروچ میں ایک دور میں علومِ دینیہ کی ترقی وترویج خوب ہوئی ہے، جس جگہ اہلِ علم ہوں وہاں مدارس وتصانیف کا وجود میں آنا ایک لازمی امر ہے۔ صدیاں گزرنے کے بعد تاریخ کے اوراق میں ان علماء کی تصانیف اور قائم کردہ مدارس وخانقاہ وآثار میں سے جو کچھ ملا مختصراً پیشِ خدمت ہے۔

فتحِ مبین ترجمۂ حصنِ حصین

(۱) ''حصنِ حصین'' مسنون دعاؤں کی مشہور کتاب ہے۔ اسے شمس الدین ابوالخیر محمد الجزری نے عربی میں لکھا تھا، مولانا ابوبکر بھروچی نے اس کا پہلی بار فارسی میں ترجمہ کیا تھا، مولانا ابوبکر بن محمد بھروچی کے تفصیلی حالات تو ملتے نہیں؛ البتہ اتنا یقینی ہے کہ آپ گجرات کے ایک بلند مرتبہ عالم تھے، اور سلطان محمود بیگڑہ جیسے علم دوست بادشاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔

خود مولانا ابوبکر نے ''حصنِ حصین'' کے فارسی ترجمہ میں یہ دلچسپ معلومات بہم پہنچائی ہیں: علامہ شمس الدین ابوالخیر محمد الجزری (متوفی ۸۳۳ھ ۱۴۲۹ء) نے احادیثِ نبوی پر مبنی ''حصن حصين من كلام سيد المرسلين'' عربی میں لکھی اور گجرات کے سلطان احمد شاہ اول کی علم دوستی کی شہرت سن کر اپنی کتاب کا ایک نسخہ ایک شافعی عالم مولانا نجیب کی معرفت سلطان کی خدمت میں بھی ارسال فرمایا۔

سلطان احمد شاہ کے بعد ان کے پوتے سلطان محمود بیگڑہ کا دور آیا، یہ سلطان بھی عبادت گزار تھا، اور ذکر ودعا میں مشغول رہتا تھا، جب اس نے الجزری کی عربی تصنیف ''حصنِ حصین'' کو سنا تو اپنے دیرینہ خادم مولانا ابوبکر بھروچی کو حکم دیا کہ ''حصنِ حصین'' کا فارسی میں ترجمہ کیا جائے۔ چنانچہ مولانا بھروچی نے اس کی فارسی شرح اور ترجمہ لکھا اور

اس کا نام ''فتحِ مبین ترجمۂ حصنِ حصین'' رکھا۔

مولانا ابوبکر بھروچی نے حصنِ حصین کے ترجمہ کے علاوہ ایک اہم خدمت یہ انجام دی کہ کتاب میں منقول ہر حدیث کے راوی کا نام بھی تلاش کر کے لکھ دیا جو کہ اصل عربی کتاب میں نہیں تھا۔ حصنِ حصین کا یہ فارسی ترجمہ ۲۴/ ذی الحجہ ۹۱۰ھ ۲۸ مئی ۱۵۰۵ء کو مکمل کر کے سلطان محمود بیگڑہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔

عین الوفاء ترجمۂ شفاء

(۲) مولانا ابوبکر نے قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ ۱۱۴۹ء) کی مشہور کتاب ''کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی'' کا بھی فارسی ترجمہ ''عین الوفاء ترجمۂ شفا'' کے عنوان سے کیا تھا۔[۱] (گجرات کے علماء حدیث وتفسیر ۲۷، ۲۸)

---

[۱] مولانا سید ابوظفر ندوی نے مولانا ابوبکر بن احمد بھروچی کو قاضی عیاض (شفا کے مصنف) کا ہم عصر بتلایا ہے جو بالکل درست نہیں۔

چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں ''عین الوفاء فی ترجمۃ الشفاء'' شفا قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ کی سیرتِ نبوی میں مشہور اور مستند کتاب ہے، عین الوفاء کے نام سے ابوبکر بن احمد (والد کا نام محمد ہے) بھروچی نے خود مصنف کے اشارہ سے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی عیاض اور ابوبکر بھروچی دونوں ہم عصر ہیں۔ (گجرات کی تمدنی تاریخ ۲۳۲، ۲۳۳)

سید ابوظفر صاحب کی تحریر کے مطابق ابوبکر بھروچی چھٹی صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، اس لئے کہ قاضی عیاض کا سن وفات ۵۴۴ھ ہے حالانکہ ابوبکر بن محمد بھروچی نویں یا دسویں صدی ہجری کے عالم ہیں اس کی دو دلیلیں ہیں۔

(۱) مولانا ابوبکر بھروچی نے ''حصنِ حصین'' کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے، حصنِ حصین کے مصنف علامہ شمس الدین ابوالخیر محمد الجزری کا سنِ وفات ۸۳۴ھ ہے۔

کاتب چلپی نے لکھا ہے: شیخ شمس الدین محمد بن محمد الجزری الشافعی المتوفی سنة ٧٣٤ اربع و ثلاثین وسبع مأة. (كشف الظنون ١/ ٤٣٩)

(۲) ابوبکر بھروچی نے سلطان محمود بیگڑہ کے حکم سے حصنِ حصین کا ترجمہ کیا ہے اور سلطان محمود بیگڑہ کا سنِ ولادت ۸۴۹ھ اور سنِ وفات ۹۱۷ھ ہے۔=

حاشیہ تفسیرِ بیضاوی

(۳) مولانا صبغۃ اللہ نے تفسیرِ بیضاوی پر اپنا حاشیہ مدینہ میں تصنیف کیا تھا، اس حاشیہ کا واحد قلمی نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

ڈاکٹر سالم قدوائی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حاشیہ صرف سورۂ فاتحہ تک کی تفسیر پر منحصر ہے اور بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ مولانا بھروچی اسے مکمل نہیں کر سکے تھے۔ البتہ اس کا مقدمہ بڑی اہمیت رکھتا ہے جس میں فاضل مصنف نے علمِ تفسیر کے معنی و مفہوم اور اس کی شرائط بیان کی ہیں۔ مولانا بھروچی کے اس حاشیہ میں ۹۵ اوراق ہیں جس میں سورۂ فاتحہ کو چھوڑ کر دیگر تمام اوراق مقدمہ پر مشتمل ہیں۔ حاشیۂ بیضاوی کے علاوہ آپ کی چند اور کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں۔

(٤) إرادة الدقائق فی مراة الحقائق

(٥) کتاب الوحدة

(٦) مالا یسع للمرید ترکه کل یوم من سنن القوم

تعریب الجواهر الخمسة

(۷) حضرت شیخ محمد غوث گوالیریؒ (متوفی ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء) کی فارسی میں لکھی گئی تصوف کی کتاب جواہر خمسہ کا مولانا صبغۃ اللہ نے جو عربی ترجمہ کیا تھا اور جس کا نام ''تعریب الجواہر الخمسۃ لمحمد خطیر الدین المعروف بہ غوث گوالیری'' ہے، اس کے قلمی نسخے

= مولانا عبدالحی حسنیؒ تحریر فرماتے ہیں: السلطان العادل المجاهد أبو الفتح سیف الدین محمود بن محمد بن أحمد بن محمد بن المظفر الگجراتی المشهور بمحمود بیگره، کان من خیار السلاطین ولد بگجرات في عاشر رمضان سنة تسع وأربعین و ثمان مأة ....وکان وفاته عصر یوم الاثنین ثانی شهر رمضان سنة سبع عشرة وتسع مأة. (نزهة الخواطر ٤/٣٤١تا ٣٤٧)

ہندوستان میں رام پور اور کلکتہ کے علاوہ بیرونِ ہند، لندن، پیرس، برلن اور قاہرہ میں بھی ملتے ہیں۔ (گجرات کے علماءِ حدیث وتفسیر ۱۰۴، نزہۃ الخواطر ۵/۱۷۶)

(۸) مولانا محمد اسحاق بھروچی کے قلم سے ایک تصنیف "تحریم شرب الدخان" (تمباکو پینے کی حرمت) پر ہے جس کا ایک نسخہ مولانا قاری نور الدین بھروچی کے کتب خانہ میں، دوسرا اسماعیل کالج بمبئی میں ہے۔ (قاریانِ ہند ۲/۱۸۵)

مظہر الحق

(۹) شیخ کمال الدین قزوینی بھروچی کی ایک تصنیف ''مظہر الحق'' جامع مسجد بمبئی کے کتب خانہ میں ہے۔

جواہرِ مشہدی

(۱۰) جواہرِ مشہدی از قلم سید شرف الدین مشہدی بھروچی۔ یہ کتاب مصنف کے خاندانی احوال اور تصوف کے امور پر مشتمل ہے۔ (اکابرینِ گجرات)

نصاب الاحتساب کا کاتب

(۱۱) فقہ کی مشہور کتاب ''نصاب الاحتساب'' جو شیخ عمر بن محمد بن عوض کی تصنیف ہے، ۱۰۸۲ھ میں عبد الملک ولد کریم محمد بن راجی محمد بن حسن محمد بھروچی نے اس کی کتابت کی ہے۔ (گجرات کی تمدنی تاریخ ۲۳۱)

حاشیۂ قرآن مجید

(۱۲) حاشیۂ قرآن مجید۔ مصنف ''قاریانِ ہند'' تحریر کرتے ہیں: حاجی شیخ کرمانی بھروچی مجاہدینِ وقت میں سے تھے، سمندر کے راستے سے ۵۹۶ھ میں بھروچ پہنچے ایک عرصہ تک خدمتِ

خلق میں مصروف رہے، قرآن مجید کا ایک نسخہ اپنے ساتھ لائے تھے جس پر تفسیر کا ایک حاشیہ تھا حال میں جو جلد بندی کی گئی تو حاشیہ کاٹ ڈالا گیا اس نسخہ کی موجودہ تقطیع ۱۸×۱۲/ انچ ہے، بین السطور فارسی ترجمہ ہے، خط کوفی اور بحر کے بین بین ہے۔ حاجی شیخ کرمانی کا مزار بھروچ میں ''نربدا'' کے کنارے ایک پرفضا مقام پر واقع ہے، یہ قرآن مجید ان کے مجاور کے پاس اب بھی دیکھا جاسکتا ہے، میں نے بھی دیکھا ہے۔ (تذکرہ قاریانِ ہند۲/ ۶۷-۶۸)

فوائد الانسان

(۱۳) ''فوائد الانسان'' طب میں اکبر بادشاہ کے حکم سے حکیم روح اللہ بھروچی نے لکھی ہے، اس میں ادویہ کے نام، ان کے خواص، مفردات و مرکبات وغیرہ فارسی میں منظوم ہیں۔

چند رسائل

(۱۴) منشی سید امیر علی مشہدی کاظمی حسینی بھروچی (متوفی ۱۳۱۵ھ) اپنے زمانہ میں علمِ فارسی کے ایک مسلم استاذ و مصنف تھے، جن کی فارسی انگریزی گرامر مدتوں سرکاری مدارس میں چلتی رہی۔ کئی مفید رسائل اردو و گجراتی میں تالیف فرمائے۔ (اکابرینِ گجرات ۴/ ۱۲۵)

تجوید مشہدی دلنواز مبتدی

(۱۵) ''تجوید مشہدی دلنواز مبتدی'' مؤلفہ مولانا سید تجمل حسین مشہدی بھروچی۔ تعلیم الاسلام کی طرح سوال جواب کے پیرائے میں فنِ تجوید کو سمجھایا ہے اس پر فنِ تجوید وعلمِ قرأت کے استاذ الہند علامہ قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادی کی تقریظ ہے۔ کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اور بھی علمی رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ مصنف کے الفاظ ہیں ''یہ ناکارہ بہ عزمِ سفر جنوبی افریقہ بہ سال تیرہ سو چونتیس ہجری نبوی گھر سے

چلا ہے اس وقت سے اب تک کہ آغاز ۱۳۳۶ھ ہے اپنی ناچیز تالیفات سے علاوہ دیگر متفرقات کے یہ رسالہ چھٹا نمبر ہے‘‘۔

ہندوستان کی سب سے پرانی مسجدیں بھروچ میں

بھروچ میں عہدِ عالمگیری کی ایک یادگار وہ خاندان ہے جو یہاں مسندِ قضاء پر متمکن تھا، اسی خاندان کی عمارتوں کے سلسلہ میں ایک چھوٹی قدیم مسجد ہے، اسی طرح پتھروں سے بنی ہوئی جامع مسجد بھی بہت قدیم ہے۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ’’ان کی عمارت کے سلسلہ میں ایک چھوٹی سی معمولی مسجد ہے جس پر ۴۳۰ھ کا یہ کتبہ لگا ہوا ہے: هـذه العمارة القديمة في شهور سنہ ٤٣٠۔ اس کتبہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ بعد کو لگایا گیا ہے، بہر حال اس کی کوئی تاریخی سند اگر موجود ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس صوبہ کے اسلامی فتوحات سے پہلے کی یادگار ہے۔ یا یوں کہئے کہ محمود غزنوی کے حملۂ گجرات سے چند سال بعد کی ہے، جو بہر حال کوئی مستقل فتح نہ تھی، اس کے بعد اس شہر میں اسلام کی ایک اور قدیم یادگار وہاں کی سنگی جامع مسجد ہے، اس جامع مسجد کی اصل تعمیر کا کتبہ ۴۵۸ھ ہے، بعد کو محمد تغلق کے عہد میں ۷۲۱ھ میں دروازہ کے اوپر ایک گنبد کا اضافہ کیا گیا ہے، گنبد سنگِ خارا سے بنایا گیا ہے، اور اس پر حسبِ ذیل کتبہ لگا ہے ’’در عہدِ دولتِ سلطان عالم غیاث الدین والدنیا محمد تغلق ہفت وصد و بست و یک‘‘ غالباً ان مسجدوں سے زیادہ پرانی کوئی دوسری مسجد ہندوستان میں نہ ہوگی‘‘۔ (مقالاتِ سلیمان ۲/۳۸۴)

انکلیشور کی خانقاہ، مسجد، کتابیں

بھروچ ضلع میں قصبہ انکلیشور بھی تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں ’’یہاں بھی عہدِ شاہی کی یادگار ایک خاندان آباد ہے۔ خاندان کے بانی

شاہ عبدالحلیم بھنڈاری صاحب ہیں، جو اکبر کے معاصر تھے، ۱۰۰۵ھ میں انہوں نے وفات پائی ہے، ان کی خانقاہ و مسجد یہیں واقع ہے، خاندان کے موجودہ جانشین کا نام سید حیدر علی غلام علی انعام دار ہے موصوف کے پاس خاندان کی پرانی آبرو کی سند، پرانی کتابوں کی ایک الماری ہے اس میں چند عربی کی اور باقی فارسی تصوف کی کتابیں ہیں، گجراتی اردو میں بھی بعض کتابیں نظر آئیں۔

اس خاندان کے چند نوادر کتب:- عربی کتابوں میں سب سے نادر چیز یہاں قدیم طب کی ایک کتاب تقویم الادویہ ہے اس کا سال کتابت ۵۸۸ھ ہے نسخہ بخطِ عرب شیرۂ خرما سے لکھا ہوا ہے اور اب تک اچھی حالت میں ہے''۔ (مقالاتِ سلیمان ۲/۳۸۴)

بھروچ کے کتب خانے

مولانا سید ابوظفر ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) بھروچ گجرات کا بڑا قدیم شہر ہے یونان کی فوجیں جب ہندوستان میں داخل ہوئی تھیں تو اس وقت بھی یہ شہر موجود تھا۔ یہاں ہمیشہ قضاء کا محکمہ رہا، آخری عہد میں یہ مولانا سید احمد شیرازی کے خاندان میں آ گیا ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس کا بچا کھچا حصہ ان کے اخلاف میں اب تک موجود ہے۔

(۲) حکیم روح اللہ بھروچی کا کتب خانہ ''فوائد الانسان'' کے مصنف۔ حکیم سید روح اللہ بھروچ کے باشندے تھے حاذق حکیم اور نامور عالم تھے اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں تینوں شہنشاہوں کا زمانہ دیکھا، جہانگیر اور نور جہاں کے معالج تھے، جہانگیر نے حکیم روح اللہ کو ایک سند لکھ کر دی تھی اس کو انہوں نے عیدروس خاندان کے ایک شخص کے پاس رکھا تھا، حکیم روح اللہ کا ایک کتب خانہ تھا جو برباد ہو گیا البتہ ان کے وارثوں کے پاس اس کی

تھوڑی سی کتابیں ہیں۔

(۳) مولانا محمد اسحاق بھروچی کا بھی ایک کتب خانہ تھا جو برباد ہوگیا۔ کچھ کتابیں اب تک رہ گئی ہیں۔ (گجرات کی تمدنی تاریخ ۲۲۹ تا ۲۳۵)

بھروچ کے مدارس

شہر بھروچ علماء ومشائخ کا مسکن رہا ہے تو کئی مدارس تعمیر کئے گئے ہوں گے مگر افسوس کہ تاریخوں سے اس کا پتہ چلانا مشکل ہے، میری ناقص جستجو کے مطابق چند مدارس کا ذکر ملا جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) بابا ریحان (جن کا ذکر گزر چکا) نے ۴۳۰ھ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں قرآنی علوم پڑھائے جاتے تھے اس عمارت پر کندہ ہے: ھذہ العمارۃ القدیمۃ فی شھور ثلاثین واربع مأۃ۔ درمیان میں یہ مدرسہ چندروز کے لئے جینیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا نواب مرتضیٰ خان نے پھر مرمت کرائی اس کا سنِ مرمت (۹۱۱ھ) ''مسجدِ قاضیؒ'' سے نکلتا ہے اس میں صندل کے موٹے موٹے چار ستون ہیں، اور فرش سنگِ مرمر کا ہے، مغلیہ بادشاہوں نے اس کی سرپرستی کی، مولانا محمد اسحاق بھروچی نے ۱۰۳۲ھ میں اس مدرسہ کی صدارت قبول کی، چالیس سال اس مدرسہ کی خدمت کرکے ۱۰۷۲ھ میں وفات پائی مدرسہ کے احاطہ میں دفن ہوئے ''رکنِ دین رحلت نمودہ'' (۱۰۷۲ھ) مادۂ تاریخ ہے۔ آپ کے دو فرزند مولانا محمد مصطفیٰ ومولانا محمد تھے والد کے انتقال کے بعد مولانا محمد نے مدرسہ سنبھالا اور تیس سال تک اس مدرسہ کی خدمت انجام دی ان کا انتقال ۱۱۰۳ھ میں ہوا، اس کے بعد مولانا محمد اسحاق ثانی نے مدرسہ سنبھالا۔ اس کے بعد مولانا محمد اسحاق کے شاگرد سید خطیب نے اس مدرسہ کی خدمت کی۔ (تذکرہ قاریانِ ہند ۱/ ۹۰-۹۱، حصۂ دوم ۱۸۴، ۱۸۵)

مولانا ابوظفر صاحب ندویؒ تحریر فرماتے ہیں ۱۹۲۱ء میں راقم اپنی تاریخی تحقیقات کے سلسلہ میں بھروچ گیا تھا تو اس وقت یہ مدرسہ بند ہو چکا تھا، مکانات خالی پڑے تھے۔

(گجرات کی تمدنی تاریخ ۲۰۰)

لیکن ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۷ء میں صاحبِ ''تذکرہ قاریانِ ہند'' نے بھروچ کا سفر کیا تھا اس وقت اس مدرسہ میں تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ ملاحظہ کیجئے تذکرہ قاریانِ ہند ۱۹۱۔

(۲) شیخ کمال الدین قزوینی (جن کا ذکر گزر چکا) جو ماہر تجوید تھے انہوں نے اپنے مرشد سید محمد گیسو دراز کی اجازت سے بھروچ میں ایک مدرسہ قائم کیا، عمر کا بڑا حصہ درس وتدریس میں گزرا، وفات ۸۸۹ھ میں ہوئی ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند امین الرحمٰن نے مدرسہ جاری رکھا ان کی وفات کے بعد شیخ کمال الدین کے پوتے نصیر الدین عرف ننھے میاں خلیفہ ہوئے اور مدرسہ جاری رکھا شیخ کمال الدین کے نواسے صبغۃ اللہ نے بھی اس مدرسہ میں درس دیا ہے۔ سید صبغۃ اللہ کی وفات ۱۰۱۵ھ میں ہوئی پہلے تین بزرگوں کے مزار شہر کے باہر ایک ٹیلے پر ہیں اور مدرسہ کے کھنڈر بھی پاس ہی ہیں جہاں اس خاندان کے تین بزرگوں نے ڈیڑھ سو سال تک خدمت انجام دی، ان کی اولاد اب بھی بھروچ میں موجود ہے۔ (تذکرہ قاریانِ ہند ۲/۱۱۲)

(۳) ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ تعلیم المسلمین واقع بندرگاہ بھروچ کا افتتاح مولانا سید ابوالفضل تجمل حسین صاحب فضلی مشہدی نے فرمایا۔ جس کے پہلے سالانہ اجلاس میں مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ (بانی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) نے شرکت فرمائی اور پر اثر وعظ بیان کیا۔ اس مدرسہ میں فارسی تک کی تعلیم کا نظم تھا۔ مدرسہ تعلیم المسلمین کی روئداد میں ممتحن صاحبان کے ناموں میں صوفی عابد میاں عثمانی ڈابھیلی، مولانا احمد حسن بھام سملکی، مولانا

محمد اسحاق صاحب ڈابھیلی اور مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری کے نام لکھے ہیں۔اور ان حضرات نے امتحان کی کیفیت تحریر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کا خاص تعلق ڈابھیل کے علماء سے رہا ہے۔

مضمون کی مناسبت سے مدرسہ کی روئداد کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

’’واضح رہے کہ شہر بھروچ میں علمِ دین کا عروج آج سے پچاس سال پہلے کس درجہ تھا اور اب کس حالت میں ہے؟ اس کا موازنہ آپ حضرات روایۃً ودرایۃً کر سکتے ہیں اُس حالت کو دیکھنے والے حضرات اب بھی موجود ہیں جو علمی ترقی ملاحظہ فرما چکے ہیں اور حالتِ موجودہ تنزل کو بقیدِ حیات ملاحظہ فرمارہے ہیں، جہاں تک میں نے سنا دینیات کے مدارس ومکاتب ہر جگہ محلّہ بمحلہ نظر آتے تھے جیسے کہ برعکس اس کے نظر آرہا ہے۔(روئداد نمبر ایک مدرسہ تعلیم المسلمین واقع بندرگاہ بھروچ ۱۴)

بھروچ کے اہلِ علم وفن اور ان کی علمی یادگاروں پر ایک نظر ڈالنے سے عیاں ہوتا ہے کہ احمد آباد وسورت کی طرح بھروچ بھی علمی مرکز رہا، اہلِ کمال کا مجمع اس کی سرزمین پر آباد رہا، صرف علومِ ظاہری کے ماہرین ہی نہیں بلکہ اہل اللہ اور خدارسیدہ بزرگوں کا ایک بڑا طبقہ اس کی آغوش میں مدفون ہے۔تاریخی اعتبار سے نربدا دریا کے اطراف واکناف کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل اللہ نے سالہا سال یہاں ذکر اللہ کی ضربیں لگائیں، ان کی خانقاہیں آباد رہیں، کئی بزرگوں کے مزار ’’نربدا‘‘ کے قرب وجوار میں واقع ہیں۔

’’نربدا‘‘ پر ترانہ　از قلم سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

جولائی ۱۹۳۳ء میں گجرات کے مشہور شہر بڑودہ کی مجلسِ سیرت کے سلسلہ میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے گجرات کا سفر فرمایا تھا۔دورانِ سفر جب ’’بھروچ نربدا‘‘ کے

کنارے پہنچے تو انہوں نے فی البدیہہ چند اشعار کہے تھے جو اس زمین کی تاریخی و علمی حیثیت کی غمازی کررہے ہیں۔ چنانچہ سید صاحب رقمطراز ہیں:

''سفر کے اثناء میں جب میں بھروچ پہنچا اور نربدا کے کنارے آکر کھڑا ہوا تو تخیل کی آنکھوں نے تیرہ سو چھتیس برس پہلے کی تصویریں نگاہوں کے سامنے کردیں اور گو میں شاعر نہیں، تاہم جذبات کے تلاطم نے موزوں ترانہ کی شکل اختیار کرلی۔

نربدا !اے نربدا !اے جادۂ بحرِ عرب	۞	گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادۂ بحرِ عرب
جانتا ہے تو مری تاریخ کا پوشیدہ راز	۞	تیرے دروازہ پر ٹھہرا تھا مرا پہلا جہاز
تو گذشتہ کاروانوں کا نشانِ راہ ہے	۞	ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے
رشتۂ ہندوعرب تجھ سے ہوا تھا استوار	۞	تیرے ساحل کا ہراک ذرہ ہے اس کی یادگار
ہند میں اسلام کے انجام کا آغاز تو	۞	چار صدیوں تک رہا اسلام کا دم ساز تو
آج کس کو یاد ہے وہ داستانِ پاستان	۞	تیرے ساحل پر جب اترا تھا عرب کا کارواں
تو ہے دریائی پری یا شاہدِ عالم ہے تو	۞	اس سمندر کے گلے کی شہ رگِ اعظم ہے تو
تیرا ہر قطرہ حیاتِ نو کا اک سرشار جام	۞	اس تنِ آبی میں تیرا خون دوڑانا ہے کام
اے بھروچ !اے خاتمِ انگشتِ رودِ نربدا	۞	عہدِ ماضی کی تری عزت رہے باقی سدا
توتیائے چشمِ ظاہر آج تیری خاک ہے	۞	ذرہ ذرہ پرتوِ خورشید ذی لولاک ہے
یادگار عہد خیر القرن ہے تیری زمین	۞	مطلعِ انوار ذی النورین ؓ ہے تیری جبیں
چشمِ عبرت کی نگاہیں جب تری جانب اٹھیں	۞	تیری موجیں کہنہ افسانوں کی سطریں بن گئیں

(مقالات سلیمانی ۲/۳۸۱)

پھر گردشِ زمانہ سے بھروچ اور اس کے اطراف میں جہالت کا دور دورہ ہوا، لوگ

جہالت کے سبب رسوم و بدعات میں کھو گئے، دین کے نام پر خرافات انجام دی جانے لگیں، محرم کے دس دن سوگ منایا جاتا، راتوں کو نقارہ بجتا، یادِ حسین میں تعزیہ بنتا وغیرہ، کسی کے مرنے پر قرآن خوانی، تیجہ، برسی اور نہ جانے کتنی خرافات و بدعات تھیں جو اسلام کے نام پر چل پڑی تھیں، شادی بیاہ کے موقع پر ڈھول دھماکہ کے ساتھ بارات آتی جاتی، دولہے کو گھوڑے پر بٹھا کر گاؤں بھر میں گھمایا جاتا وغیرہ۔

یہی بھروچ جہاں ١٢٧٦ھ میں محلّہ محلّہ مکتب آباد تھا اب پورے ضلع میں ایک بھی عالم نہیں، مکتب کی دینی تعلیم اور امامت کے لئے صحیح قرآن پڑھنے پڑھانے والے کا ملنا کارے دارد۔

خزاں کے بعد بہار یعنی بھروچ کی نشأۃِ ثانیہ

جس سرزمین پر انفاسِ قدسیہ کا ورودِ مسعود ہوا ہو، اہل اللہ کے مسکن و مستقر ہونے کا اسے شرف حاصل ہوا ہو، مہمانِ رسول ﷺ اور راہِ سلوک طے کرنے والوں کا وہاں ورودِ مسعود ہوا ہو، اہلِ دل کی آہِ سحر گاہی سے جس کی فضا منور و معمور ہوئی ہو، قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں گونجی ہوں، ذکر اللہ کی ضربیں لگائی گئی ہوں، دیر سویر اس کا اثر اور بزرگان کے قدوم میمنت کی برکات کا ظہور ہو کر رہتا ہے۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے فیوض و برکات

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ١٩٢٣ء میں احمد آباد سابرمتی جیل سے رہا ہوئے تو سیدھے اپنے ایک عقیدت مند منشی عیسی صاحب (متوفی ١٩٨٢ء) کے گاؤں ''کاوی'' تشریف لائے۔ منشی صاحب نے اپنے اس نیاز مندانہ تعلق سے ضلع بھروچ کی اصلاح کے لئے خوب خوب استفادہ کیا۔ بار بار حضرت شیخ الاسلام کو دعوت دے کر بلاتے؛ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام بار بار بھروچ اور اس کے اطراف میں تشریف لائے اور اپنے

فیوض و برکات سے بھروچ ہی نہیں بلکہ اہلِ گجرات کو خوب مستفید فرمایا۔

مولانا عبدالرحیم صاحب حوالدار کٹھور ضلع سورت - جو سفر گجرات میں اکثر حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ ہوتے - تحریر فرماتے ہیں:

''۱۹۴۷ء کی تقسیم سے قبل حضرت والا نے گجرات کا کوئی خاص دورہ نہیں فرمایا گاہے گاہے بعض مخصوص اور مانوس مقامات ڈابھیل، راندیر وغیرہ تشریف لے گئے۔ ایک بار احمد آباد جیل سے رہا ہونے کے بعد کٹھور بھی حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ کی معیت میں ورودِ مسعود فرمایا تھا۔ یہ زمانہ میرا گلاوٹھی یا دیوبند کا زمانہ تھا البتہ ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد گجرات حضرت مسیح الامت (مراد حضرت مدنیؒ) کی توجہِ خاص کا مرکز بن گیا، اس کے بعد پے در پے دورے گجرات کے ہونے لگے اور ہزارہا ارادت مندوں کو اپنے سلسلہ غلامی میں منسلک فرمالیا''۔ (شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ دہلی ۹۷)

حضرت شیخ الاسلام کے قدوم میمنت سے عوام وخواص میں دینی رجحان پیدا ہوا، عقائد واعمال درست ہوئے، بلکہ اہلِ بصیرت کا کہنا ہے کہ ضلع بھروچ میں جہاں حضرت شیخ الاسلام تشریف لے گئے اور ان کے بیانات وتقریریں ہوئیں وہاں لوگوں میں خوب دینی ترقی ہوئی، عقائد صحیح ہوئے اور بدعات کا خاتمہ ہوا۔

پھر ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۴ء میں ''کاوی'' میں بہت ہی کامیاب تبلیغی اجتماع ہوا، جماعتیں اللہ کی راہ میں کثیر تعداد میں نکلیں۔ جماعتوں میں قریب اور دور نقل وحرکت کرنے کی وجہ سے عام افراد میں علمِ دین کی عظمت پیدا ہونی شروع ہوگئی، اور بتدریج مکاتب ومدارس کا نظام ترقی پذیر ہوا اور ہر گاؤں کے افراد فارغ التحصیل ہونے شروع ہوگئے، اور رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ ہر گاؤں میں کئی عالم پیدا ہوگئے، بلا مبالغہ آج صورتِ حال یہ

ہے کہ ملک و بیرونِ ملک علمائے بھروچ خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔ گجرات کے مدارسِ عربیہ اور مراکزِ دینیہ ہی میں نہیں بلکہ دور دراز جنگلوں میں واقع دیہاتوں کے مکاتب ومساجد میں بھروچ یا پھر پالنپور کے علماء ضرور نظر آئیں گے۔ درحقیقت یہ برکت ہے ان مشائخ اور انفاسِ قدسیہ کی جو سرزمینِ بھروچ میں آرام فرما ہیں۔

اسی سرزمینِ بھروچ میں چودھویں صدی ہجری میں متعدد شخصیتیں اٹھیں، ان کی انفرادیت اور امتیاز کو علمی دنیا نے تسلیم کیا، وہ آسمانِ دنیا پر ستارہ بن کر چمکیں ان کی روشنی دور تک پھیلی اور خوب پھیل رہی ہے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی ہیں، اللہ تعالی نے انہیں علم وفضل، تقوی وطہارت کے جس مرتبۂ بلند پر فائز فرمایا اسے ایک دنیا جانتی ہے۔ پچھلے تیئیس سال سے آپ جامعہ ڈابھیل کے صدر مفتی کے منصب پر فائز ہیں، آپ کے فتاوی کو اعتبار کا مقام حاصل ہے، فتاوی اردو زبان میں ہوں یا گجراتی زبان میں جچے تلے الفاظ اور جامع مانع ہوتے ہیں۔ آپ کے فتاوی کا مجموعہ ''محمود الفتاوی'' منصۂ شہود پر لاتے وقت داعیہ پیدا ہوا کہ آپ کی مختصر سوانح تحریر کر کے قدردانوں کی خدمت میں پیش کی جائے۔ احباب اور متعلقین کی خواہش تھی۔ بعض بار بار پوچھتے بھی ہیں کہ سوانح کب طبع ہوگی؟ اس تحریر سے ان حضرات کی تمنا پورا کرنا بھی مقصود ہے۔

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے حالاتِ زندگی

ولادت

آپ کی پیدائش ۲۷/شوال المکرّم ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۴/ستمبر ۱۹۴۶ء بروزِ منگل رات کو دس بجے ہوئی۔ جائے پیدائش خانپور جو جمبوسر سے آٹھ کلومیٹر پر ضلع بھروچ میں واقع ہے، خانپور کو خانپوردہ بھی کہا جاتا ہے۔

والد صاحب

آپ کے دادا صاحب اصلاً ''سارود'' (ضلع بھروچ) کے باشندے تھے، خانپور میں انھوں نے شادی کی تھی، مفتی صاحب کے والد صاحب مدتِ رضاعت میں تھے اسی دوران ان کے والد یعنی مفتی صاحب کے دادا صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، بعض مصالح کی بناپر مفتی صاحب کی دادی صاحبہ اپنے بچوں سمیت اپنے میکہ خانپور میں اپنے بھائیوں کے پاس آگئیں اور باقی زندگی خانپور ہی میں گزارنا طے کرلیا، مفتی صاحب کے والد صاحب جب کچھ بڑے ہوئے اور تعلیم وتربیت قبول کرنے کی عمر کو پہنچے تو دادی صاحبہ نے اپنے لڑکے (مفتی صاحب کے والد صاحب) کو تعلیم وتربیت کی خاطر احمد آباد کے مشہور ''سلطان احمد'' نامی یتیم خانہ میں بھیج دیا۔

والد صاحب کا نام محمد تھا عالم نہیں تھے مگر صوم وصلاۃ وتہجد کے پابند ایک دیندار انسان تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ سے بیعت تھے۔

۱۹۵۶ء میں جمعیت علماءِ ہند کا انیسواں اجلاسِ عام سورت گجرات میں منعقد ہوا جس کی مسندِ صدارت کو حضرت مدنیؒ نے رونق بخشی تھی۔ پھر حضرت مدنیؒ نے ضلع بھروچ کے گاؤں گاؤں کا دورہ فرمایا تھا، اس وقت ایک موقع پر مفتی صاحب کے والدین حضرت مدنیؒ کے دستِ بابرکت پر بیعت سے مشرف ہوئے، بچپن میں خود مفتی صاحب نے بھی حضرت مدنیؒ کی زیارت کی ہے۔

فنِ حساب اور گجراتی زبان میں مہارت حاصل تھی، متعدد جگہوں میں اسکول میں ٹیچر کی حیثیت سے خدمت کرتے رہے اخیر میں خانپور میں لڑکیوں کے اسکول (کنیا شاڑہ) میں ماسٹر تھے مدتِ خدمت پوری ہونے کے بعد ریٹائرڈ ہوگئے، تربیت کے معاملہ میں سخت تھے، اپنے بچوں کی تربیت کا یہ حال تھا کہ شام کے کھانے کے وقت سب بچوں کو دسترخوان پر بٹھلاتے، کھانا نکالنے سے پہلے مسنون دعائیں اور نماز کا طریقہ سنتے پھر کھانا نکالنے کا حکم فرماتے، ان کی تربیت کی وجہ سے بچپن ہی سے مفتی صاحب تہجد کے عادی ہوگئے۔

تربیت کے معاملہ میں سخت تھے، مفتی صاحب کی تربیت اور دینی ذہن بنانے میں ان کی سختی کے عجیب قصے ہیں۔

ناجائز چپل - جوتے پہننے میں احتیاط

بچپن ہی سے والد صاحب نے نماز کا پابند بنادیا تھا، ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے باہر نکلے تو دیکھا کہ چپل ندارد، آپ تھوڑی دیر ٹھہر گئے کہ شاید کوئی بھول سے چپل پہن گیا ہوگا، احساس ہوگا تو واپس آکر رکھ دے گا؛ البتہ ایک جوڑ چپل رکھا ہوا تھا جو آپ کے چپل کے مشابہ تھا، جس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید اسی کا مالک پہن گیا ہوگا، پھر بھی آپ نے مزید احتیاط یہ کی کہ جب تمام مصلی مسجد سے باہر نکل جائیں پھر کوئی بات طے کروں، چنانچہ تمام مصلی کے نکلنے تک انتظار میں بیٹھے رہے، جب پوری مسجد خالی ہوچکی، ایک بھی مصلی باقی نہ رہا، تو سابق شبہ میں پختگی پیدا ہوئی، اور یقین کرلیا کہ جو چپل رکھا ہوا ہے اسی کا مالک میرا چپل پہن گیا ہے، اسی بنیاد پر آپ نے وہ چپل پہن لئے۔ جب گھر پہنچے اور والد صاحب کو پیش آمدہ واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا کہ جب اس کا مالک آئے گا اپنا چپل تلاش کرے گا، نہ پاکر پریشان ہوگا، اس کی کیا گارنٹی کہ تمہارا چپل وہی شخص پہن

گیا ہے۔ بہر حال پہنے چپل واپس کیا اور مسجد جا کر چپل چھوڑ آنے کا حکم صادر فرمایا۔

تجربہ ہے کہ بچپن کی تعلیم و تربیت کا اثر زندگی بھر رہتا ہے، بچپن کی اس تعلیم و تربیت کا اثر کہنا چاہئے کہ ایک مرتبہ ڈابھیل سے دیوبند جاتے ہوئے مفتی صاحب دہلی میں حاجی منصور صاحب کے مکان میں مقیم تھے، حاجی منصور صاحب فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خصوصی میزبان ہیں، حضرت فقیہ الأمت کی خدمت میں آنے جانے والے مہمانوں کے لئے ان کا مکان آرام دہ ثابت ہوتا، اور وہ خوب خدمت کرتے۔

چند روز کے بعد راقم الحروف کو دیوبند کے سفر میں ان کے مکان پر قیام کی نوبت آئی اس وقت حاجی منصور صاحب نے سنایا کہ ”مفتی صاحب کے جوتے سُوّر کے چمڑے سے بنائے گئے تھے، ان کو پتہ نہیں تھا، بتایا کہ یہ تو سور کے چمڑے سے بنے ہیں تو فوراً نکال دیے اور دوسرے جوتے یا چپل پہن لئے۔ حالاں کہ وہ جوتے بہت قیمتی اور باہر کے کسی ملک کے بنے ہوئے تھے، لیکن جب علم ہوا تو ایک گھڑی بھی ایسے ناجائز جوتے پہننے کو گوارہ نہیں کیا۔“

رات بھر گھر کے چوکھٹ میں

آپ کے والد صاحب کی سختی کا ایک واقعہ سن لیجئے، بچوں کو آوارہ گردی سے بچانے کے لئے والد صاحب نے اس کا پابند بنادیا تھا کہ عشاء کے بعد جلد گھر آنا ہر چھوٹے بڑے کے لئے لازم تھا، مقررہ وقت پر گھر کا دروازہ بند کر دیتے۔ بچپن میں اتفاق سے ایک روز رات کو مفتی صاحب دیر سے پہنچے، دیکھا کہ دروازہ بند ہو چکا ہے، دروازہ پر دستک دی، کسی نے نہیں کھولا، آپ کی والدہ اور دیگر بھائی بہنوں میں سے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ والد صاحب کے اشارہ کے بغیر کھولے، بار بار دستک دی مگر کسی نے نہیں کھولا؛ چنانچہ پوری رات گھر کے چوکھٹ پر بادلِ ناخواستہ پڑے رہنا پڑا، صبح کی نماز کے بعد گھر میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔

آپ کے والد صاحب کی معاشی حالت متوسط درجہ کی تھی، اسکول ٹیچر جب تک رہے اسکول کی تنخواہ اور بعد میں پینشن پر گزارہ تھا، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے حالات میں حجِ بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی۔

۱۳۸۷ھ م ۱۹۶۷ء میں بذریعہ آبی جہاز حج کا سفر کیا، اس سفر میں انہوں نے اپنی اولاد کے لئے خوب دعا کا اہتمام کیا، اور اس کا اظہار بذریعۂ خطوط کرتے رہتے تھے۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا جو بیت اللہ کے روبرو یا بیت اللہ شریف کے سایہ میں کی یہ تھی کہ ''یا اللہ میری تمام اولاد کو حج کی سعادت نصیب فرما'' ان کی دعا الحمد للہ قبول ہوئی اور تمام اولاد کو حج کی توفیق ہوئی، حالانکہ جس وقت دعا کی گئی تھی اس وقت ان کی مالی حالت کے اعتبار سے دور دور کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اولاد میں سے کوئی حج کا سفر کر سکے، لیکن یہ سفر بندہ کے دست و بازو اور ان کی تدبیروں کا نہیں بلکہ توفیقِ خداوندی کا رہینِ منت ہوتا ہے، جس کی التجا سن لی اس کو بے بضاعتی کے باوجود توفیق بخشی جاتی ہے، جبکہ حویلیوں اور محلوں میں رہنے والوں کو وسائل اور ذرائع مواصلات کے باوجود ربِ کریم کے دربار میں حاضری نصیب نہیں ہوتی۔

مفتی صاحب کے حق میں والد صاحب کی دعا تو ایسی قبول ہوئی کہ انہیں حج کی سعادت سب بھائی بہنوں سے زیادہ حاصل ہوئی۔

بلکہ ۱۴۲۷ھ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ بیت اللہ شریف میں سنت طریقہ کے مطابق جن ستونوں کے مابین حضور ﷺ نے فتحِ مکہ کے موقع پر نماز پڑھی تھی اسی جگہ بیت اللہ شریف کے اندر نماز کی سعادت و توفیق ہوئی۔

؎ کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

والد صاحب کا انتقال ۱۹۶۸ء میں خانپور میں ہوا۔ انتقال جمعہ کے روز ہوا جس کی وہ

تمنا اور اوروں سے گذارشِ دعا کیا کرتے تھے، ان کے انتقال کے بعد تعزیت کے طور پر مولوی اسماعیل احمد بھائی جی صاحب نے ایک خط مفتی صاحب کے نام لکھا جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

''والد صاحب کی موت یقیناً ایک ایسی موت ہے کہ رشک کیا جائے، کیونکہ ایک تو جمعہ کا دن کہ جس دن کے انتقال پر مغفرت کا وعدہ، ثانیاً صبح کا سنہرا وقت، اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ موت تک ایک بھی نماز قضا نہیں ہوئی، عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے اور فجر کی اذان سنتے سنتے اس فانی دنیا سے تشریف لے گئے نہ گھر والوں کو کوئی تکلیف، نہ پرایوں کو، بلکہ صبح میں نیند سے اٹھ کر سب نے جانا کہ انتقال ہو گیا ہے۔ الخ

احقر اسماعیل احمد بھائی جی

ابتدائی تعلیم

مفتی صاحب نے ابتدائی دینی و دنیوی تعلیم وطنِ مالوف خانپور کے مکتب میں مذکورۂ ذیل اساتذہ سے حاصل کی:

تختی، قاعدہ - حافظ ابراہیم قاضی صاحب

پارۂ عم اور کچھ ناظرہ - حافظ حسن شاہ خانپوری

قرآن شریف ناظرہ اور اردو کی ابتدائی کتابیں - مولانا محمد امین اسماعیل قاضی ٹنکاروی جو دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت کے فارغ التحصیل عالم تھے۔

آپ کے والد صاحب کا شروع ہی سے دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ تھا۔ جس روز ناظرہ قرآن شریف ختم ہوا اس روز گھر میں بہارِ مسرت چھا گئی، اور باقاعدہ کھیر و حلوا پکانے کا حکم دیا جس سے آپ کی حوصلہ افزائی مقصود تھی۔

اسکول کی پوری تعلیم ابتداء سے سات کلاس تک خانپور میں حاصل کی، آپ کے

والد صاحب خود ایک ماہر ماسٹر تھے، کئی سال تک لڑکیوں کی اسکول میں پڑھانے کا تجربہ تھا، اسکول کا لیسَن خود اپنی نگرانی میں کراتے، پہاڑے زبانی سنتے، بعض مرتبہ اسی مشغولی میں اسکول جانے میں دیر ہو جاتی تو اس زمانے کے قدرداں ماسٹر صاحبان آپ کو بلانے کے لئے دیگر طلبۂ اسکول کو آپ کے گھر بھیجتے وہ طلبہ جب آکر دیکھتے کہ آپ اپنے والد صاحب کے پاس سیکھ رہے ہیں، والد صاحب کے نرالے انداز وشگفتہ بیانی سے آنے والے متأثر ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کو لینے آنے والے طلبہ خود ان اسباق میں شریک ہو جاتے۔

اسکول میں جن ماسٹر صاحبان سے پڑھا ان کے نام یہ ہیں:

(۱) ماسٹر حسن صاحب جو رشتہ میں آپ کے خالو بھی ہیں۔

(۲) ماسٹر محمد موسی خانپوری ثم آچھودی۔

(۳) ماسٹر اسماعیل احمد پٹیل معروف بہ جناب۔

آپ ساتوں کلاس میں معیاری نمبرات سے کامیاب ہوئے، ساتویں کلاس کا امتحان جمبوسر اسکول میں دیا، اس دور میں ساتویں کا امتحان فائنل کا درجہ رکھتا تھا اس امتحان کے بعد سرکاری ملازمت بھی مل سکتی تھی۔

خانپور میں قاعدہ، قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد جب اسکول کی تعلیم کی تکمیل کا مرحلہ آیا تو مفتی صاحب کے بڑے بھائی جناب ابراہیم صاحب نے آپ کو احمد آباد لے جانا چاہا، بڑے بھائی دنیوی تعلیم یافتہ تھے وہ احمد آباد میں مقیم تھے اور ایک ٹھیکیدار ہونے کی حیثیت سے مکانات بنوانے کا کام کرتے تھے۔ بڑے بھائی کا ارادہ دنیوی تعلیم میں آگے بڑھانے کا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے والد صاحب سے باصرار کہا کہ احمد کو احمد آباد بھیج دیجئے، میں وہاں اس کو انگریزی پڑھانا چاہتا ہوں۔

ایک متشرع اور دینی ذہن رکھنے والے والد کا وہی جواب تھا جو حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب کے والد ماجد نے ایک انگریزی کلکٹر کو دیا تھا، اس کلکٹر نے اصرار سے کہا تھا کہ اس بچہ (مولانا نعمانی) کو مقامی ہائی اسکول میں بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی میں تحصیل دار اور پھر ڈپٹی کلکٹر بننے کے خواب دکھلائے تھے۔

مولانا نعمانی کے والد صاحب کا آخری جواب یہ تھا کہ ''میں اس کو دینی تعلیم دلانے کی کوشش کروں گا جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے''۔

چنانچہ مفتی صاحب کے والد ماجد نے آپ کے بڑے بھائی کو جواب دیا ''میں نے احمد کو اپنی آخرت کے لئے رکھا ہے اس لئے بھیج نہیں سکتا''۔

والد صاحب کا یہ فیصلہ تو شاید بڑے بھائی کے لئے ناگواری کا باعث ہوا ہو مگر آج اس کی قدر بیان کرنے کے لئے کوئی لفظ کافی نہیں ہے۔ ان کا یہ فیصلہ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام اور موجبِ ثمراتِ اخروی ثابت ہو ہی چکا، اور بعد والوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب کو خلقِ عظیم کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا ؎

روح پدرم شاد کہ باستاد مرا گفت	کہ فرزندِ مرا عشق بیاموز دگر ہیچ

(اللہ تعالیٰ میرے والد کی روح پر رحمت کرے کہ انہوں نے میرے استاد سے فرمایا تھا کہ میرے بیٹے کو بس عشق سکھا دیجئے باقی کچھ نہیں چاہئے)

مفتی صاحب راندیر میں

خانپور میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے دار العلوم اشرفیہ راندیر کا رخ

کیا۔ گجرات میں اس وقت چار مشہور درس گاہیں تھیں (۱) دار العلوم اشرفیہ راندیر۔ (۲) جامعہ حسینیہ۔ (۳) جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۔ (۴) مدرسہ تعلیم الاسلام آنند۔

مکتب میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد عموماً مزید تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ان ہی اداروں میں آکر طلبِ علم کی پیاس بجھاتے، اور اپنی زندگی کے سنہری ایام وہاں کی روح پرور اور ایمان افروز فضاء میں گزارتے، اور وہاں کے علمی سوتوں سے بقدرِ توفیقِ الٰہی اپنی روح کو سیراب کرتے، جذبۂ شوق نے مفتی صاحب کو بھی کھینچا۔ راندیر کا ہی انتخاب اس لئے کیا کہ وہاں آپ کی بڑی بہن کی شادی ''منشی بیکار'' صاحب کے بڑے صاحب زادہ سے ہوئی تھی۔ ''منشی بے کار'' صاحب وطناً خانپور کے تھے، راندیر کو وطن بنالیا تھا مفتی صاحب کے والد کے جگری دوست تھے۔

آپ کے بہنوئی کے والد جن کا نام منشی ابراہیم دادا بھائی، تخلص ''بیکار'' ہے، گجراتی زبان کے صاحبِ طرز ادیب وانشاء پرداز ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھے، مزاحیہ ادیب تھے، وہ صاف وسادہ، رواں دواں اور شگفتہ نثر لکھتے تھے، انہوں نے گجراتی زبان میں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں، مولانا عبدالرحیم غلام محمد صادق کے مشہور ترجمۂ قرآن کی نوک و پلک اور اس میں ادیبانہ چاشنی پیدا کرنے کی خدمت ''منشی بیکار'' صاحب نے انجام دی ہے۔

اس دور میں گجراتی زبان میں نکلنے والے مشہور اخبار ''پٹیل متر'' کے ایڈیٹر تھے، نیز ایک دوسرے اخبار ''صادق'' کے نائب ایڈیٹر رہے، ایک خاص طرز کی انشائیہ نگاری میں بڑی شہرت حاصل کی، واقعہ یہ ہے کہ ''بے کار'' صاحب بڑے کام ونام والے شخص تھے، اصلاً ان کا سرنیم ''پٹیل'' ہے مگر انہوں نے شاعر ہونے کی حیثیت سے اپنا تخلص ''بے کار'' رکھا تھا اور اسی تخلص سے مشہور تھے۔ ''بے کار'' صاحب کے مولانا احمد اشرف مہتمم دار العلوم

اشرفیہ سے اچھے روابط تھے۔اسی بنیاد پر مفتی صاحب کے والد صاحب نے آپ کو دار العلوم اشرفیہ راندیر بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، دستور کے مطابق آپ کے والد صاحب نے مہتمم صاحب کی خدمت میں درخواست کے طور پر خانپور سے راندیر خط روانہ کیا اس کا مضمون یہ ہے:

''مہربان مہتمم صاحب دار العلوم اشرفیہ آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ میرا لڑکا احمد محمد اکوجی نامی، عمر تقریباً بارہ سال ہے، اس سال گجراتی میں سات کلاس تک تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ فائنل کا امتحان دے چکا ہے، اردو اچھی طرح پڑھنے پر قدرت حاصل ہے، تعلیم الاسلام ''دینی تعلیم'' کے دو حصے اور قرآن شریف ناظرہ مکمل کیا ہے، عالم کورس میں داخل کرنے کے لئے آپ کے مدرسہ میں داخلہ کی درخواست ہے۔لڑکا محنتی ہے توجہ ولگن کے ساتھ پڑھنے کا کام کرے گا۔

لہذا اس سال آپ کے ہاں داخلہ فرما کر ممنون کریں۔ہمارے احوال سے ''منشی بیکار صاحب'' راندیر میں بخوبی واقف ہیں۔ان کا مشورہ (عندیہ) معلوم فرمالیں۔جواب دے کر احسان فرماویں۔بفضلہٖ تعالیٰ اس علاقہ میں علم کا شوق وذوق بڑھ رہا ہے، اس کی ترقی ہونی چاہئے، آپ جیسے بڑے عالم کی زیر تربیت لڑکا اچھی تعلیم وتربیت پائے گا ایسی توقع ہے۔''بیکار صاحب'' کی فرمائش پر ہم نے یہ درخواست تحریر کی ہے اسے منظور فرمالیجئے۔۲۶/اپریل ۱۹۵۸ء

درخواست منظور ہوگئی آپ رختِ سفر باندھ کر والد صاحب کی معیت میں راندیر پہنچے اور ۸/مئی ۱۹۵۸ء میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا۔فارسی اول سے دورۂ حدیث تک مکمل درسِ نظامی کی تعلیم دار العلوم اشرفیہ میں حاصل کی، خوب محنت سے پڑھا، امتحانات میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، امتحان کے بعد نتیجۂ امتحان والد صاحب کو بتلانا ضروری ہوتا، تاخیر ہونے پر وہ خط تحریر فرماتے۔

درجات میں حاصل کردہ نمبرات

درجۂ فارسی اول کے نمبرات:

سہ ماہی امتحان (سہ شنبہ، چہار شنبہ ۱۳۷۸ھ)

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	چہل سبق	۴۸
۲	صفوۃ المصادر	۵۰
۳	رہبرِ فارسی	۴۷
۴	تحریر	۵۰

ششماہی ۵۔۶۔۷ جمادی الاول ۱۳۷۸ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	گلزارِ دبستاں	۴۷
۲	کریما	۵۰
۳	پندنامہ	۵۰
۴	مصدرِ فیوض	۴۹
۵	تحریر	۴۹

آپ کے والد صاحب کے خط کے جواب میں اہلِ مدرسہ نے سالانہ امتحان کے حاصل کردہ نمبرات کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا۔

''خط ملا پڑھ کر حقیقتِ حال سے واقفیت ہوئی۔ آپ کے لڑکے نے عمدہ نمبرات سے کامیابی حاصل کی ہے، فکر نہ کریں، اپنی جماعت کے اٹھارہ طلبہ میں چوتھے نمبر پر کامیاب ہوا۔ نمبرات حسبِ ذیل ہیں:

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	چہل سبق	۵۰
۲	آمد نامہ	۴۸
۳	رہبرِ فارسی	۴۹
۴	کریما	۵۰
۵	پندنامہ	۵۰
۶	نامِ حق	۵۰
۷	گلزار دبستاں	۵۰
۸	مصدر فیوض	۵۰
۹	لغاتِ فارسی	۴۸
۱۰	تحریر	۵۰

اخلاق اچھے ہیں، پڑھنے میں بہت محنت کرتا ہے، اور محنت سے پڑھتا رہتا ہے، فکر نہ کریں، آئندہ سال درخواست دینے کی ضرورت نہیں۔ خانپور میں ملاقات کے وقت مزید حقیقتِ حال سے واقف کروں گا۔ فکر نہ کریں بعد جلسہ دو ماہ کی تعطیل رہے گی۔ سب کو سلام

از قلم محمد رجب ترکیسری جمعرات ۱۲/فروری ۱۹۵۹ء

درجۂ فارسی دوم کے نمبرات

امتحان سہ ماہی میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	بوستاں	۴۸

۲	گلستاں	۵۰
۳	چہار باب	۴۸
۴	تحریر	۵۰

کل نمبر ۲۰۰ (میں سے) ۱۹۶

امتحان ششماہی میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	مالابدمنہ	۵۰
۲	بوستاں	۵۰
۳	گلستاں	۵۰
۴	اخلاقِ محسنی	۵۰
۵	تحریر	۵۰

امتحانِ سالانہ میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	مالابدمنہ	۵۰
۲	گلستاں	۴۹
۳	چہار باب	۵۰
۴	اخلاقِ محسنی	۵۰
۵	بوستاں	۵۰
۶	مصدرِ فیوض	۵۰

۷	تحریر	۵۰

۳۵۰ میں سے حاصل کردہ کل نمبرات ۳۴۹

نوٹ: احمد کا نصابِ فارسی مکمل ہوا۔

کتبہ: احقر سید احمد بخاری (بمبوی) تاریخ ۱۷/۲/ ۱۹۶۰ء

درجۂ عربی اول کے نمبرات (امتحان سالانہ) پہلے نمبر پر کامیابی حاصل کی

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	معلم الانشاء	۴۹
۲	تحریر	۴۹
۳	صرف میر	۵۰
۴	میزان منشعب	۵۰
۵	عربی زبان کا قاعدہ	۵۰
۶	مفید الطالبین	۴۵
۷	علم النحو	۴۵
۸	روضۃ الادب	۵۰
۹	عربی کا معلم	۵۰

۴۵۰ میں سے حاصل کردہ نمبرات ۴۳۸

درجۂ عربی دوم کے نمبرات

اپنے والد صاحب کو بعد امتحان سہ ماہی نمبرات کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

بعد سلام اطلاعاً عرض ہے کہ ہمارا سہ ماہی امتحان ہو چکا ہے اس میں میں نے نمبر اول پر کامیابی حاصل کی۔ نمبرات حسبِ ذیل ہیں:

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	قلیوبی	۵۰ میں سے ۴۶
۲	نور الإیضاح	// ۴۹
۳	علم الصیغہ	// ۵۰
۴	شرح مأۃ عامل	// ۵۰
۵	معلم الإنشاء	// ۵۰
۶	تیسیر المنطق	// ۴۶
۷	صغری	// ۴۵
۸	تحریر	// ۴۴

کل ۴۰۰ میں سے حاصل کردہ نمبرات ۳۸۰

فقط تحریر کنندہ احمد - اسماعیل ماموں اور اہلِ خانہ کو سلام۔ ماہِ صفر ۱۳۸۱ھ

درجۂ عربی سوم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبراتِ مقررہ	امتحانِ سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
۱	کنز الدقائق	۵۰	۵۱	۴۸	۵۰
۲	شرح جامی	۵۰	۵۰	۴۵	۴۹
۳	اصول الشاشی	۵۰	۵۰	۴۸	۵۰
۴	نفحۃ العرب	۵۰	-	۵۰	۵۰
۵	دروس التاریخ	۵۰	-	-	۴۶

۶	شرحِ تہذیب	۵۰	–	–	۵۱
۷	مرقاۃ	۵۰	–	–	۵۰
۸	تحریر	۵۰	۵۰	۴۸	۴۸

کل نمبرات:۴۰۰۔حاصل کردہ نمبرات ۲۰۱ ۲۳۹ ۳۹۴

درجۂ عربی چہارم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	امتحان سہ ہی	ششماہی	سالانہ
۱	نورالأنوار	۵۰	۵۱	۵۰
۲	شرح وقایہ	۵۰	۵۰	۵۰
۳	مقاماتِ حریری	۴۸	۴۸	۴۵
۴	قطبی	۵۱	۴۳	۴۹
۵	ترجمۂ قرآن مجید	–	۵۰	۴۹
۶	املاء	۵۰	۵۰	۴۳
۷	میزان الطب	–	–	۴۳

تمام امتحانات میں اول نمبر حاصل کیا۔احمد محمد منشی

درجۂ عربی پنجم کے نمبرات

آپ کے والد صاحب نے مہتمم صاحب کے نام کارڈ لکھا ہوگا،اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا۔

از راندیر۔محترم جناب منشی محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنونہ آپ کا کارڈ موصول ہوا،آپ کا لڑکا ذہین ہوشیار ہے محنتی

ہے، اس کو ہم بھی یہاں آفس میں کام کے لئے بلاتے ہیں .... باقی سالانہ امتحان کے نمبرات حسبِ ذیل ہیں۔ ہمارے یہاں پچاس نمبرات میں سے نمبرات دئے جاتے ہیں۔ احمد کی جماعت میں کل نو طالبِ علم ہیں جس میں احمد اول نمبر کامیاب ہوا ہے۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	ترجمۂ قرآن مجید	۵۰
۲	متنبّی	۵۱
۳	ہدیہ سعیدیہ	۴۶
۴	فلسفہ	۴۹
۵	تحریر	۴۹
۶	ہدایہ اولین	۴۸
۷	مختصر المعانی	۴۸
۸	شرحِ عقائد	۵۰
۹	حسامی	۵۰
۱۰	کتاب تجوید (فنِ قراءت)	۵۰
۱۱	مشق قراءت	۴۸

فقط والسلام۔ احقر احمد عارف اشرف راندیری غفرلہ مدیر دار العلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت

درجۂ عربی ششم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	سہ ماہی	شش ماہی	سالانہ
۱	جلالین شریف	۵۱	۴۵	۴۸

۲	مشکوٰۃ شریف	۵۱	۵۱	۴۸
۳	ہدایہ اخیرین	۵۰	۴۵	۵۱
۴	سراجی	۴۵	۵۱	۴۹
۵	الفوزالکبیر	۴۹	–	۵۰
۶	نخبۃ الفکر	۴۷	–	۵۰
۷	املاء	–	–	۴۹

درجۂ قراءت میں سالانہ امتحان کے نمبرات:

تجوید............۵۰

قراءت........۴۷

متعلق:-احمدمحمد خانپوری

۷/شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ.....یکم دسمبر ۱۹۶۵ء

امتحان سالانہ درجۂ عربی ہفتم کے نمبرات دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت)

۲۸/رجب سے لے کر ۳/شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۳ سے لے کر ۱۸/نومبر ۱۹۶۶ء تک

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	بخاری شریف	۵۱
۲	ترمذی شریف	۵۱
۳	مسلم شریف	۴۷
۴	نسائی شریف	۵۰
۵	ابوداؤد شریف	۵۱

۶	طحاوی شریف	۵۰
۷	مؤطا شریف	۴۵
۸	مؤطا امام محمد	۵۰
۹	ابن ماجہ شریف	۵۰
۱۰	بیضاوی شریف	۵۰

(کل نمبرات ۵۰۰ میں سے ۴۹۵ حاصل ہوئے)

احمد خانپوری درجہ عربی ہفتم۔

دارالعلوم اشرفیہ کے دورِ طالب علمی میں کس لگن اور محنت سے پڑھا اس کا اندازہ امتحان کے حاصل کردہ نمبرات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے، اللہ تعالی نے آپ کو ذہانت و فطانت کی نعمت سے نوازا، دوسرے اوصاف کی طرح اس وصف میں بھی اپنے ساتھیوں سے ممتاز خیال کئے جاتے تھے، قوتِ حافظہ بھی زبردست تھی، ایک بار کوئی چیز پڑھ لی یا کسی سے سن لی تو سالہا سال تک یاد رہتی، صلاح اور تقوی زمانۂ طالب علمی سے طبیعت میں رچا بسا تھا، نماز با جماعت کی پابندی، درس کی حاضری اور درس کی تقریر بغور سن کر تکرار میں بعینہ نقل کرنا، وغیرہ وغیرہ ایک شریف و ذہین طالبِ علم کے اوصاف کے حامل تھے۔ آپ کی ان خوبیوں کی شہادت ہم عصروں ہی نے نہیں آپ کے اساتذہ نے بھی دی ہے، اور تعریف کی ہے، یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کو اپنے وقت کے گراں مایہ علمی شخصیتوں اور اصحابِ فضل و کمال سے اکتسابِ علم کا شرف حاصل ہوا۔ راقم الحروف نے آج سے پانچ سال پہلے آپ کے ایک استاذ حضرت مولانا مصلح الدین احمد بڑودوی قاسمی (شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری یو-کے) سے بذریعۂ خط معلوم کیا تھا کہ زمانۂ طالب علمی میں مفتی صاحب

اپنے اساتذہ کی نظر میں کیسے تھے؟ انہوں نے راقم الحروف کے نام از راہِ کرم ایک تحریر ارسال فرمائی جو انہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب بہ زمانۂ طالبِ علمی اپنے اساتذہ کی نظر میں

استاذِ محترم مولانا مصلح الدین صاحب کی تحریر

بیشک حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب اپنے دور کے گجرات (ہند) کے علماء حق میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے ان کو ظاہری و باطنی علوم، علمی و عملی کمالات وصفات سے مزین وآراستہ کیا ہے، گجرات و بیرونِ گجرات بلکہ بیرونِ ہند مفتی صاحب کے ظاہری و باطنی علوم کا مختلف النوع فیضان جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازکر تادیران کے اس سلسلۂ فیض کو قائم ودائم رکھے آمین۔

مفتی احمد خانپوری صاحب زید مجدہ نے فارسی وعربی کی تعلیم از اول تا آخر دورۂ حدیث تک دارالعلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر-سورت، گجرات میں حاصل کی ہے (یہاں سے فراغت کے بعد دیوبند یا سہارنپور مزید اکتسابِ فیض کے لئے جانا ہوا ہے) دارالعلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر تحصیلِ علم کے زمانہ میں حضرت مولانا احمد اشرف راندیری صاحب، حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالغنی کاوی صاحب، حکیم ابو الشفاء حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب (دارالعلوم دیوبند میں تقرر سے پہلے وہ مدرسہ اشرفیہ راندیر میں تدریسی خدمت انجام دیتے تھے) وغیرہ حضرات سے تعلیم حاصل کی ہے۔ یہ سب حضرات علمی، عملی واخلاقی کمالات وصفات کے حامل تھے۔ اور جب کسی شاگرد میں حق تعالیٰ نے اہلیت وصلاحیت رکھی ہو تو وہ بڑی قوت

وتیزی کے ساتھ اپنے اساتذہ کی خوبیوں کو اخذ کرتا چلا جاتا ہے، حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب کا یہی حال تھا لہذا ان میں اپنے اساتذہ کی خصوصیات وصفات کی ایک نمایاں جھلک آج بھی محسوس ہوتی ہے۔

ہندی کی ایک مثل مشہور ہے ''پوت کے پیر پالنے سے نظر آتے ہیں''یعنی گھوارہ ہی میں سے بچہ کی حرکات وسکنات اس کے تابناک وروشن مستقبل کی غمازی کیا کرتی ہیں: ے

بالائے سرش ز ہوش مندی	۞	می تافت ستارۂ سر بلندی

ذہانت، ذکاوت، قوتِ حافظہ کے ساتھ ساتھ صلاح وتقوی، مطالعہ وتکرار، نماز با جماعت کی پابندی، اسباق میں بلاناغہ شرکت اور استاذ کی تقریر کو بغور سننا، اساتذہ کا ادب و احترام، ان کی خدمت، تواضع وانکساری وغیرہ امور واوصاف جو حصولِ علم کے لئے نہایت ضروری، اور کسی بھی علمی وعملی کمال کے حصول کی اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، مفتی احمد خانپوری صاحب کی ذاتِ گرامی بچپن اور طالبِ علمی کے زمانہ ہی سے اس کی حامل تھی جس کی بناء پر حضرات اساتذۂ کرام کی خصوصی نظران پر رہی۔ اور طالبِ علمی کے زمانہ میں نیز فراغت کے بعد بھی تمام اساتذہ کی نگاہ میں ان کو وقعت وعظمت ومحبت حاصل رہی۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست	۞	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۷۸ھ میں احقر نے دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد والے سال میں سبعہ وعشرہ کی تکمیل کے ساتھ شعبۂ تدریب الافتاء میں داخل ہو کر حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ سے افتاء سے متعلق کتابیں پڑھیں، نیز فتوی نویسی کی مشق کی۔ آخری سال ہی میں دار العلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر میں عربی مدرس کی حیثیت سے احقر کا تقرر ہو چکا تھا۔ شعبان ورمضان کی تعطیل بڑودہ گزار کر ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء

ماہِ شوال میں احقر مدرسہ اشرفیہ راندیر حاضر ہو گیا۔ حضرت مولانا احمد اشرف راندیریؒ نے ہدایہ اخیرین وغیرہ اوپر کی کتابیں تجویز کیں۔ احقر نے عرض کیا کہ اگر آپ کا حکم واصرار ہو تو پڑھا دوں گا ورنہ یہ میرے مزاج وطبیعت کے بالکل برخلاف ہے۔ میں تو تمام علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھاتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ درجۂ عربی اول تو حضرت مولانا سید محی الدین راندیری مرحوم کے پاس تھا اور تا آخرِ حیات انہی کے پاس رہا۔ لہذا حضرت مہتمم صاحب نے درجۂ عربی دوم مکمل اور اس کے علاوہ شرحِ وقایۃ، نفحۃ العرب، مرقاۃ وشرحِ تہذیب یہ کتابیں میرے لئے تجویز کیں۔ دوسال تک یہی کتابیں زیر تدریس رہیں۔

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب نے عربی درجۂ دوم کی سب کتابیں مجھ سے پڑھی ہیں ان کے علاوہ اور کسی کتاب کا مجھ سے پڑھنا تو مجھے یاد نہیں۔

(۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ نے بہ اصرار مجھے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تدریس کے لئے بلالیا اور میں ڈابھیل منتقل ہو گیا)۔

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب بچپن ہی سے سلیم الفطرت، فہیم، ذکی وذہین، قوی الحافظہ تھے علاوہ ازیں صلاح وتقوی اور طبیعت میں سلامت روی وغیرہ خوبیوں کی بناء پر مجھے ان سے بڑا خاطر تعلق تھا۔ (میں نے کچھ کتابیں اپنے والد صاحبؒ سے پڑھی تھیں ان کا طرزِ تعلیم وتدریس یہ تھا کہ کتاب کا مطالعہ کر کے اگلے دن کا سبق حل کرنے کے ہم ہی مکلّف تھے۔ عبارت صحیح طریقہ سے پڑھ کر عبارت کا مطلب ومفہوم بیان کرنا ہمارے ہی ذمہ تھا، اگر مزید توضیح وتشریح ضروری سمجھتے تو والد صاحبؒ کچھ بولتے تھے ورنہ فرما دیتے کہ ٹھیک ہے آگے چلو۔ اور اگر کسی دن مفہوم ومطلب بیان کرنے میں کمی وکوتاہی ہوتی تو بڑی سخت پٹائی ہوتی تھی کہ تم نے آج صحیح طور پر مطالعہ نہیں کیا اور کما حقہ عبارت حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ظاہر ہے کہ اس تعلیم وتربیت کا اثر بھی طبیعت پر لازم تھا، نیز اس زمانہ میں احقر نو فارغ شدہ بالکل نوجوان تھا، اس لئے میں روزانہ طلبہ سے بالالتزام سبق سنتا تھا اور یاد نہ ہونے پر سخت باز پرس کے ساتھ پٹائی بھی کر دیتا تھا۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب روزانہ بالالتزام وقت کی پابندی کے ساتھ اسباق میں حاضری دیتے تھے، اور سبق یاد کر کے بہت اچھی طرح سنا بھی دیتے تھے، جس سے مجھے بڑی مسرت ہوتی تھی، اور فطری طور پر میری طبیعت کا میلان ورجحان ان کی طرف ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے ایک دن مفتی صاحب کو سبق یاد نہ تھا مجھے خیال ہوا کہ یہ تو بحمد اللہ بڑے ذہین وفہیم قوی الحافظہ ہیں، یہ چاہتے تو بآسانی یاد کر سکتے تھے، چنانچہ میں نے ان کے سبق یاد نہ ہونے کو تغافل اور تساہل پر محمول کیا، جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا، اور میرے ہاتھ میں بید کی چھڑی تھی، اس دن اس چھڑی سے میں نے ان کی سخت پٹائی کر دی۔ غصہ فرو ہونے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے تیرا اس یاد نہ ہونے کو تغافل وتساہل قرار دینا غلط اور خلافِ نفس الامر ہو، اور اس صورت میں تو یہ زیادتی ہے۔ بہرحال ابتک مجھے جب کبھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو مجھے اپنے دل میں بڑی ندامت وشرمندگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے اور مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے، لیکن اس واقعہ کے بعد مفتی صاحب نے میرے ساتھ کے برتاؤ میں کوئی فرق نہیں کیا۔

اس زمانہ میں دار العلوم مدرسہ اشرفیہ کی حالیہ عمارت تعمیر نہ ہوئی تھی، اس زمانہ میں مختلف بلڈنگیں مدرسہ نے کرایہ پر لے رکھی تھیں، اور طلبہ کو حسبِ درجات ان میں ٹھہرایا جاتا تھا، طلبہ کی رہائش کا یکجا انتظام نہ ہونے کی بناء پر وہ کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے پابند نہ تھے بلکہ ہر ایک اپنی رہائش گاہ کے قریب واقع مسجد میں نمازِ پنج گانہ باجماعت

پڑھنے کا مکلّف تھا۔ احقر اس زمانہ میں طائی واڑہ میں قیام پذیر تھا، اور پنج وقتہ نماز اسی طائی واڑہ کی جامع مسجد میں پڑھا کرتا تھا، مفتی احمد خانپوری صاحب اس زمانہ میں پندرہ سولہ سال کی عمر کے طالبِ علم تھے یہ اکثر عشاء کی نماز اسی مسجد میں پڑھتے تھے، نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے، اور عشاء کی جماعت کے بعد جامع مسجد کے بائیں گوشہ میں جس کھڑکی کے پاس یہ سنت ونفل پڑھتے تھے وہ گوشہ اب تک میرے حاشیۂ خیال میں محفوظ ہے، میں بغور ان کو دیکھتا رہتا تھا، یہ سنت ونفل اطمینان سے پڑھنے کے بعد دعاء میں اہتمام کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور اچھی طرح دعاء کرتے تھے۔ مجھے اسی وقت سے ان کی یہ ادا اور روش بڑی پسند تھی۔

مفتی صاحب کے ساتھ مختلف اسفار میں رفاقت ومعیت رہی، رفقائے سفر کی راحت رسانی کا بڑا خیال فرماتے، بسا اوقات ساتھیوں کا سامان بلا تکلف خود اٹھا لیتے تھے، اور ان کی ایذاء رسانی سے بچنے کا اہتمام کرتے۔ تواضع، عاجزی، انکساری، بے نفسی، خوش اخلاقی وملنساری، دوسروں کے کام آنے کا جذبہ، وغیرہ بہت سی خوبیوں اور صفاتِ حمیدہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے۔ ہر وارد وصادر سے مفتی صاحب کی خیریت مزاج وحالات معلوم کرتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ موجودہ حالات کو دور فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ تادیر ان کو صحیح وسالم قائم ودائم رکھے آمین۔ یہ مختصر طور پر چند پرانی یادیں اور معلومات جو ذہن میں آئیں حوالۂ قلم کر کے ارسال ہیں۔ والسلام خیر ختام

سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی

خادمِ حدیث جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوزبری مرکزیوکے انگلینڈ

۲۰/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰/ ۵/ ۲۰۰۴ء بروزِ دوشنبہ

لکھنے والوں نے اپنے بڑوں کے متعلق بہت کچھ لکھا، اور پڑھنے والوں نے بھی خوب پڑھا ہوگا؛ لیکن اپنے شاگرد کے متعلق علومرتبت، فہم وفراست اور ذہانت، صلاح وتقوی اور خداداد صلاحیت کی شہادت اس پُر عصبیت اور ناقدری کے دور میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔

حضرت مولانا سید مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم نے اپنی مذکورہ تحریر کے ذریعہ اسلاف اور اکابرِ دیو بند کی اپنے شاگردوں پر مہربانی وشفقت اور حوصلہ افزائی پر مشتمل واقعات کی مثال پیش فرمادی۔ حضرت مولانا کے دل میں اپنے اس شاگرد کے علم و فتوی پر اعتماد اور حقیقت پسندی کا اعتراف اس سے کیجئے کہ:

۱۴۲۱ھ میں جب ان کی جامع مستند کتاب ''انمول حج'' طبع ہوئی، طباعت سے پہلے مسودہ چند اہلِ علم کی خدمت میں تقریظ اور اظہارِ رائے کے لئے بھیجا گیا۔ کتاب پر جن علماء نے تقاریظ لکھیں ان میں سرِفہرست اپنے اس محبوب شاگرد کی تقریظ رکھی۔

چنانچہ مفتی صاحب اپنی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں ''استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سید مصلح الدین احمد صاحب دامت برکاتہم نے بھی ان نئے حالات وضرورتوں کے پیشِ نظر (انمول حج نامی کتاب لکھ کر) اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے'' (انمول حج ۴)

کتابوں پر بڑے بڑے اصحابِ فضل وکمال کی تقاریظ تحریر کروانے کے اس پر آشوب دور میں استاذ کی کتاب پر شاگرد کی تقریظ کی یہ نادر مثال ہے۔

اس سلسلہ کو یہیں چھوڑتے ہوئے عنانِ قلم کو راقم مفتی صاحب کے اساتذہ کے تعارف کی طرف موڑتا ہے۔ آپ نے دار العلوم اشرفیہ میں جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور جن سے آپ کو باقاعدہ تلمذ حاصل رہا ان کا مختصراً تعارف حسبِ ذیل ہے:

(۱) مولانا یوسف صاحب بودھانیہ (کینیڈا)

مفتی صاحب کے درجۂ فارسی کے استاذ مولانا یوسف صاحب بودھانیہ مدظلہم - جو اس وقت کینیڈا (ٹورنٹو) میں بقید حیات ہیں - سے راقم الحروف نے ان کے احوال کے متعلق ان کے نام عریضہ لکھا تھا جس کا جواب موصوف نے تحریر فرمایا۔ جوان کے شکریہ کے ساتھ بجنسہ ان کے الفاظ میں بطور تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ (ع۔ر)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترمی مفتی صاحب زید مجدہ

بعد از سلام وخیریت، آپ نے میرے اور عزیزم مفتی احمد خانپوری صاحب کے متعلق معلومات طلب کی ہیں، احقر کے ذہن میں چند باتیں ہیں وہ سپرد قلم ہیں معاف فرمائیں۔

احقر کا نام یوسف اسماعیل بودھانیا۔ گاؤں، عمرواڈا، تعلقہ انکلیشور، ضلع بھروچ (گجرات) تاریخ پیدائش ۱/ مئی ۱۹۳۴ء ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب نور العلوم میں ہوئی۔

اساتذہ: (۱) حافظ اسماعیل چاند شاہ آلونجوی

(۲) حافظ اسماعیل پانچ بھایا لوہاروی

(۳) مولانا موسیٰ کرودیا عمراڈی صاحب

گاؤں میں گجراتی اسکول میں گجراتی پانچویں کلاس تک تعلیم حاصل کی، دس سال کی عمر ۴۴ء میں دار العلوم اشرفیہ راندیر میں داخل ہوا۔ ۴۴ء کا زمانہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا، اناج وغیرہ راشننگ (راشن کارڈ) میں ملتا تھا، مکئی لال جواری کی روٹی کھاتے تھے،

تمام اشیاء بہت کم ملتی تھیں، ہفتہ میں ایک دن چاول آتے تھے، آج طلبہ کو جو راحت ہے، وہ ہمارے وقت میں نہ تھی، مگر بحمد للہ طلبہ بڑی محنت سے پڑھتے تھے، طلبہ کی تعداد فقط اسی یا نوے تھی، ایسا کھانا کھا کر بغیر شکایت کے تعلیم حاصل کی۔ اپریل/۱۹۵۳ء میں دارالعلوم اشرفیہ سے فراغت ہوئی۔ جون ۵۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا، دورۂ حدیث مکمل کر کے وطن مالوف عمرواڑا رمضان میں پہونچا۔

دارالعلوم اشرفیہ کے اساتذہ: (۱) مولانا اشرف احمد صاحب راندیری نوراللہ مرقدہ

(۲) شیخ الحدیث مولانا محمد رضا صاحب اجمیری نوراللہ مرقدہ

(۳) مفتی عبدالغنی صاحب کاوی نوراللہ مرقدہ

(۴) مولانا عبدالصمد صاحب کالا کاچھوی نوراللہ مرقدہ

(۵) مولانا شیر محمد صاحب خراسانی نوراللہ مرقدہ (ایران)

(۶) قاری عبدالرحمٰن صاحب رنگونی نوراللہ مرقدہ

(۷) مولانا یوسف صاحب پٹیل تراجوی نوراللہ مرقدہ

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ: (۱) شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ

(۲) شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نوراللہ مرقدہ

(۳) علامہ ابراہیم بلیاوی صاحب نوراللہ مرقدہ

(۴) قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ

(۵) مولانا فخرالحسن صاحب نوراللہ مرقدہ

(۶) مولانا ظہورالحسن صاحب نوراللہ مرقدہ

۱۳۷۴ھ ۱۹۵۳ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد وطن پہنچا۔

مکاتب ۱۹۵۴ء میں مہتمم مولانا احمد اشرف صاحب کے ماتحت دیہاتوں میں چلتے تھے، ویزٹ کے لیے بھیجا احقر کے کام سے نیز اردو گجراتی خوش خطی پسند آنے سے فارسی اول ودوم پڑھانے کے لیے مدرس رکھا، بعدازاں عربی اول ودوم وسوم کی کتب درسیہ سونپیں، مہتمم صاحب مرحوم نے اپنی بیماری کے دنوں میں امتحانات اور تعلیمات کی ذمہ داری سونپی، سالانہ جلسہ کی تیاری وغیرہ بحمداللہ بخوبی انجام دیا ۱۹۵۴ء سے ۱۹۸۷ء تک ایک ہی مدرسہ میں رہا، کوئی مدرسہ نہیں بدلا اسی طرح پڑھنے کے زمانہ میں فارسی اول تا دورۂ حدیث اشرفیہ ہی میں رہا یک در گیر محکم گیر۔

۱۹۸۷ء میں کینیڈا پہنچا، یہاں مکتب میں دوسال پڑھایا، مگر سخت سردی وبرف باری کے سبب مدرسہ چھوڑ دیا بعدازاں فراغت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ تمام فیملی یہاں ہے، لہٰذا کینیڈا کو ہی وطن بنالیا۔

مولانا احمد صاحب خانپوری: موصوف نے احقر سے فارسی اول ودوم پڑھا۔ بڑے محنتی وذہین تھے۔ جہاں تک یاد ہے فارسی اول سے تا دورۂ حدیث بہت اچھے اعلیٰ نمبرات سے اول نمبر ہی سے کامیاب ہوتے رہے، اخلاق شریفانہ تھے۔ لڑائی جھگڑا بدکلامی وغیرہ آپ کی نوسالہ زندگی میں نہیں دیکھی، اساتذہ آپ سے بہت خوش تھے، اساتذہ کی عزت وتکریم برابر کرتے تھے، مدرسہ کے قوانین کی پابندی برابر کرتے، غیر حاضری بہت کم رہی، فی الحال علم وعزت وعمل کے جس درجہ پر فائز ہیں بندہ اپنے لیے کافی مسرت وخوشی محسوس کرتا ہے۔

کینیڈا کے سفر میں موصوف نے نہ دنیا کی چاہت نہ مال کی چاہت کی، بلکہ صاف انکار کردیا کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ یہی اخلاق حضرت شیخ الحدیث مولانا اجمیریؒ کے تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعزت میں خوب خوب برکت دیوے، اور خلق خدا کو مزید فیض پہونچا کر قبول فرمائے، مزید تزکیۂ قلب، تصفیۂ قلب، تخلیۂ قلب نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین فقط۔ والسلام یوسف بودھانیا غفرلہ کینیڈا

۲۵/ ذی القعدہ ۱۴۲۹ھ ۲۴/نومبر ۲۰۰۸ء

(۲) مولانا سید محی الدین قاضی

آپ راندیر کے مشہور عالم، اور کئی کتابوں کے مصنف، قاضی رحمت اللہ صاحبؒ کے پوتے اور مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کے داماد ہیں۔

۱۹۲۴ء میں راندیر میں پیدا ہوئے، ناظرہ انجمن اسلام راندیر میں حضرت اقدس مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ سے پڑھا بعدہ مکمل درس نظامی دارالعلوم اشرفیہ میں پڑھا۔ ۱۹۴۹ء میں فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔

اوصاف:- نہایت ہی منکسر المزاج اور متواضع تھے، طلبہ کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے، مزاحی طبیعت کے حامل تھے، اپنے اساتذہ ہی کا نہیں بلکہ اپنے شاگردوں کا احترام کرتے تھے، شاگردوں کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب سے محبت اور اپنے اس باصلاحیت شاگرد پر ناز کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ پوچھیں گے محی الدین کیا لایا تو جواباً کہوں گا ’’دو محدث اور تین داعی چھوڑ کر آیا ہوں‘‘

دو محدث سے مراد (۱) حضرت مفتی خانپوری صاحب جو عرصۂ دراز سے کتبِ حدیث اور بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ (۲) حضرت مولانا یعقوب صاحب سارودی دامت برکاتہم۔ شیخ الحدیث دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ۔

اور تین داعی سے مراد (۱) مبلغِ کبیر حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب دامت برکاتہم۔ (۲) حضرت مولانا ابراہیم دیولوی صاحب دامت برکاتہم۔ (۳) مولانا سلیمان جھانجیؒ یہ پانچوں حضرات قاضی صاحب کے شاگرد ہیں۔

وفات:- ۱۴/ستمبر بروزِ منگل ۱۹۹۹ء فجر کی اذان کے وقت راندیر میں انتقال ہوا مشہور قبرستان ''گورِ غریباں'' راندیر میں اپنے ہم زلف مولانا سید ابرار احمد دھلیویؒ کے پہلو میں محوِ خواب ہیں۔

(۳) حضرت مولانا سید مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم

موصوف حضرت مولانا مفتی سید شمس الدین بڑودویؒ (متوفی ۱۳۷۸ھ) کے دوسرے نمبر کے صاحب زادے ہیں، ۱۴/ اپریل ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد صاحب سے حاصل کی، حفظ کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں کی، ۱۳۷۰ھ میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا، فارسی اول تا عربی دوم تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۷۲ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، ۱۳۷۸ھ میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مراد آبادی سے دورہ پڑھا۔ موصوف ہمیشہ تمام کتابوں میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے رہے، دورۂ حدیث میں ۱۷۵ طلبہ کی تعداد تھی اس میں دوسرے نمبر پر کامیاب ہوئے، طلبِ علمی کے زمانہ میں اساتذہ کی خصوصی توجہ، اعتماد، محبت وشفقت حاصل تھی، فراغت کے بعد افتاء اور فنون کی کتابیں دار العلوم میں پڑھیں۔

تدریسی خدمات:- (دار العلوم اشرفیہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تدریس کا ذکر خود موصوف کے قلم سے پہلے گزر چکا)۔ آپ سبعہ وعشرہ کے بہترین قاری ہیں، دورِ شباب میں آواز بھی جوان تھی، تلاوت بڑی شیریں، صاف ستھری اور دل کش ہوا کرتی تھی،

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مسجد میں تدریس کے زمانہ میں وقتاً فوقتاً فجر کی نماز پڑھایا کرتے تھے، قراءت مطابقِ سنت طوالِ مفصل میں سے ہوتی تھی، عجیب کشش تھی، آپ کی عمدہ اور دلکش تلاوت سن کر طلبۂ عزیز باہم تذکرہ کرتے تھے۔ یکم جنوری ۱۹۶۵ھ سے دار العلوم بڑودہ تاندلجہ میں تدریسی خدمات انجام دیں اس میں صدر مدرس رہے، اخیر میں تقریباً بارہ تیرہ سال شیخ الحدیث رہے۔

۱۴۱۸ھ سے تادم تحریر جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری تبلیغی مرکز انگلینڈ یو۔ کے میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں، آپ نے مختلف موضوعات پر فقہی مقالات بھی تحریر فرمائے ہیں، جو طبع بھی ہو چکے ہیں، مختلف رسائل بھی آپ کے قلم سے صادر ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ الغرض علمائے گجرات کے اونچے طبقہ میں آپ کا شمار ہے، اور اہلِ علم کے نزدیک قدر و منزلت اور پسندیدہ نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

راندیر اور ڈابھیل کے زمانۂ تدریس میں موجودہ وقت کے معتمد و ممتاز نامور علماء کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے، ان میں سرِ فہرست حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب کا نامِ گرامی ہے، مولانا سید مصلح الدین صاحب مدظلہ سے مفتی صاحب نے درجۂ عربی دوم پڑھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے) (''سوانح مولانا مفتی سید شمس الدین بڑودوی'')

(۳) مولانا حکیم ابو الشفاء حبیب الرحمٰن صدیقی بلیاویؒ

ولادت و تعلیم:- حضرت مولانا حکیم ابو الشفاء حبیب الرحمٰن صدیقی صاحب ۱۹۱۹ء میں محلّہ عمر گنج شہر بلیا (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں ان کے دادا مولانا شیخ فضل الرحمٰن صدیقی اور بڑے دادا شیخ عزیز الرحمٰن صدیقی کے ہمراہ کلکتہ تشریف لے گئے۔ وہاں دادا جان (نور اللہ مرقدہ) نے والد ماجد کی ابتدائی تعلیم کا انتظام فرمایا، اور وہاں قیام

پذیر ہوکر دس سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ اور حفظ کی سعادت سے ہم کنار ہوئے اور گیارہ سال کی عمر میں مزید دینی تعلیم کی غرض سے جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند (یوپی) تشریف لے گئے، اور دارالعلوم میں آٹھ سال قیام پذیر ہوکر سندِ فراغت حاصل کی، اور بعد ازاں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) سے بھی ایک سال رہ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ انیس (۱۹) سال کی عمر میں دینی تعلیم کا سلسلہ ختم کیا۔

اساتذہ:- آپ کے اساتذہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب دیوبندی، علامہ بدرِعالم صاحب میرٹھی، علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی، شیخ الادب علامہ اعزاز علی صاحب، اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب وغیرہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) سرِفہرست رہے ہیں۔

درس وتدریس: انیس سال کی عمر میں صوبۂ گجرات کے ایک قدیم ادارہ دارالعلوم اشرفیہ عربیہ اسلامیہ بمقام راندیر ضلع سورت میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا۔ یہاں ابتداء میں فارسی وعربی کی مختلف کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، اور پھر کتبِ فقہ واحادیث میں ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابنِ ماجہ شریف، طحاوی شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، شرحِ وقایہ، کنز الدقائق کا درس بحسن وخوبی بڑے استقلال سے دیتے ہوئے ۴۵-۴۶ سال کا طویل عرصہ گزار دیا۔

حکیم ابوالشفاءؒ بڑے خلیق تھے، توکل علی اللہ کی صفت سے متصف تھے، کثیر العیال ہونے کے باوجود کسی قسم کی شکایت یا کسی سے کوئی حرص نہ تھی، سخاوت بھی مولانا کی مشہور تھی، کوئی بھی مہمان گھر جاتا عالم ہو یا غیر عالم یا طالبِ علم ہو ہر ایک کے لئے چائے ناشتہ کا انتظام فرماتے، حسبِ موقع کھانا بھی کھلاتے، بعض مرتبہ طلباء کا کھانا بند ہوتا تو ان کو گھر پر کھلاتے یا گھر سے کھانا بھیج دیتے، طبیعت میں بہت سادگی تھی، سادہ لباس زیبِ

تن فرماتے ،مزاج میں تحمل بھی بہت تھا،طلباء کی شرارتوں پر بھی بہت صبر وتحمل فرماتے۔

آپ ایک عالمِ دین ہی نہیں بلکہ طبِ یونانی کے ایک ماہراور تجربہ کار حکیم بھی تھے، دار العلوم اشرفیہ راندیر (گجرات) میں طبی علوم کا درس بھی دیا۔ حکیم ابو الشفاء صاحب کی مشکوٰۃ کی سند انہوں نے خود حضرت مفتی صاحب کے نام ایک خط میں لکھی ہے۔تحریرفرماتے ہیں ’’عرض یہ ہے کہ احقر نے مشکوٰۃ شریف از اول تا آخر آپ کے اسی جامعہ میں مولانا محمد بدرِ عالمؒ سے پڑھی،اورانہوں نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے سہارن پور میں۔آگے ان کی کتب میں سند مشہور ہے۔

ثانیاً جب احقر دارالعلوم دیو بند دوبارہ آیا تو التعلیق الصبیح کے مصنف اور میری دیگر کتابوں کے استاذ مولانا محمدادریس صاحب کاندھلوی جن کواب چند ماہ سے رحمہ اللہ لکھا جارہا ہے،ان سے اجازت لے کرشریکِ درس ہوا۔خاصہ حصہ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ میں دوبارہ سماعت کرر ہاہوں،فرمایا کہ وقت ضائع نہ کریں اور میرے ہی پاس تفسیر کی کتابوں میں شریک ہوجائیں۔بہرحال آپ کی فرمائش سے ظاہر کردیا۔پہلے اس کی بڑی وقعت ہوتی تھی اور جب سے جہالت عام ہے مخفی رکھا جاتا ہے۔اللہ اس بیماری سے نجات عطا کریں۔ویسے تمام کتب اور خاص کر کتبِ احادیث کی اجازت مخدومنا مولانا علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور علامہ حضرت مولانا شیخ شبیر احمد عثمانیؒ،شیخ مدنیؒ اور مولانا محمد بدرِ عالم میرٹھیؒ سے اجازت حاصل ہے۔ولافخر فیہ اوراگر فخر کیا بھی جائے تو محمود ہے۔اللہ عجب وغرور سے بچائے۔اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی نصیب فرمائیں۔کچھ مقروض بھی ہورہاہوں۔دعاؤں میں یادرکھیں والسلام

احقر ابو الشفاء

دورانِ طالب علمی مفتی صاحب حکیم صاحب کے بعض گھریلو کام مثلاً دودھ لانا،

ماہ کے اختتام پر رقم ادا کرنا، کسی کو خط لکھنا وغیرہ بھی انجام دیا کرتے تھے، حکیم صاحب مفتی صاحب سے بڑی محبت وشفقت فرماتے وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی امور میں مشورہ بھی کرتے۔

حکیم ابو الشفاء صاحب سے مرقاۃ، شرحِ تہذیب، مقاماتِ حریری، میزان الطب، قلیوبی، مشکوٰۃ پڑھی۔

تاریخِ وفات:- ۱۱/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۸۵ء بروزِ بدھ۔ انتقال کے وقت چہرہ شگفتہ تھا، اور عجیب سی مسکراہٹ تھی، اس کو دیکھ کر حضرت ہی کے شاگرد جو علیا کے استاذ تھے انہوں نے یہ اشعار پڑھے تھے:

یاد داری کہ وقت زادنِ تو	۞	ہمہ خنداں بودندو تو گریاں
آں چناں زی کہ وقت مردنِ تو	۞	ہمہ گریاں بودند تو خنداں

(۴) مولانا حبیب اللہ صاحب

عربی سوم میں اصول الشاشی اصولِ فقہ کی کتاب مولانا حبیب اللہ صاحب پالنپوری (ہردیواسنی) سے پڑھی۔ راقم کو مولانا حبیب اللہ صاحب کے حالات نہیں ملے۔ علمائے پالن پور سے درخواست ہے کہ ان کی علمی خدمات واوصافِ عالیہ کی تحقیق فرما کر ارسال فرماویں بہت بہت شکریہ کے مستحق ہوں گے۔

(۵) مولانا آدم صاحب پالنپوری

ابو الفضل مولانا محمد آدم پالنپوری (طالعپوری) نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ۱۳۶۱ھ میں فراغت حاصل کی، بعد فراغت لاہور جا کر علمِ تفسیر پڑھا، موصوف نے دار العلوم اشرفیہ راندیر اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں، علوم حدیث

وفنون کے ماہر، گجرات کے علمی حلقوں کو ان پر فخر تھا، ان کا ''درسِ مسلم'' بہت مشہور تھا، علامہ شبیر احمد عثمانی کے درسِ مسلم کی یاد تازہ کر دیتا، طلبہ ان سے مانوس رہتے، درس کا طریقہ بڑا پیارا اور نرالہ تھا۔

ان کے ایک قریبی شاگرد نے بتلایا کہ ان کا درس اس طرح ہوتا کہ ''اول طالبِ علم عبارت پڑھتا، پھر حضرت الاستاذ سبق کی عام فہم تقریر فرماتے، یہ تقریر اتنی دلنشین اور سہل ہوتی کہ غبی سے غبی طالبِ علم بحث کا ماحصل سمجھ جاتا۔ سبق میں جب کوئی معرکۃ الآراء اور مشکل مقام آتا تو سبق سے پہلے کوئی لطیفہ سنا کر طلبہ کے دل و دماغ کو فریش کرتے، بعدہ درس کی سلجھی ہوئی تقریر فرماتے، بعد تقریر طلباء سے استفسار فرماتے'' کہ سمجھ میں آیا؟'' کبھی کسی طالبِ علم سے تقریر سن بھی لیتے، جب اطمینان ہو جاتا تب فرماتے یہ وہ مقام یا بحث ہے جس کو لوگ مشکل کہتے ہیں، مگر کبھی بھی کسی مشکل مقام کے متعلق پہلے نہیں بتلایا کہ یہ مشکل ہے۔

''درسِ مسلم'' میں بارہا مولانا نے فرمایا کہ ''کسی حدیث کی تاویل کروں تو میرا ہاتھ پکڑ لینا'' مولانا کی نظر احادیث پر ایسی وسیع تھی کہ ان کے یہاں تعارض کا خانہ تھا ہی نہیں تطبیق کی راہ عیاں تھی۔

تاریخِ جامعہ ڈابھیل میں ہے مولانا اپنی علمی قابلیت سے بڑے بڑے مسئلوں کو بآسانی حل فرمادیتے تھے۔ نرم مزاج، بہترین اخلاق سے آراستہ، ملنسار اور خندہ جبیں واقع ہوئے تھے۔ (تاریخِ جامعہ ۱۶۸)

ان کی شخصیت دل نواز، باغ و بہار تھی، ان کے عالمانہ لطائف وظرائف عجیب ہوتے نمونہ کے طور پر دو لطیفے پیش کرتا ہوں۔

(۱) جس زمانہ میں علم التفسیر پڑھنے کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے وہاں کا

ایک لطیفہ سنایا کرتے کہ میں نے لاہور میں ایک بدو (دیہاتی) سے پوچھا کہ آپ لوگ ناشتہ میں کیا کھاتے ہیں؟ اس نے کہا ہم غریبوں کا کیا ناشتہ، صبح بیدار ہوکر قضائے حاجت کے لئے جنگل جاتے ہیں وہاں سے بادام، چلغوزہ، اخروٹ لاکر گھی اور شہد کے ساتھ ملا کر کھالیتے ہیں معاً ایک آدھ مرغی کا چوزہ بھی ہوتا ہے یہ ہمارا ناشتہ ہے۔

(۲) طلباء کی ایک جماعت کو کسی وجہ سے ایک استاذ صاحب نے کہا کہ تم لوگ بڑے نالائق ہو اس جماعت کے ایک فرد نے مولانا آدم صاحب سے شکایت کی کہ فلاں استاذ صاحب نے ہمیں نالائق کہا۔ ان کی بات سن کر مولانا آدم صاحب نے سر پکڑ لیا، انّا للہ الخ پڑھا، پھر فرمایا مجھے تم لوگوں کو لائق کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے (فضلائے جامعہ ۲۲۸)۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سالانہ اجلاس کی روئداد ہمیشہ موصوف ترتیب دیتے تھے ۱۳۸۳ھ میں حضرت مفتی صاحب کا تقرر جامعہ میں ہوا اس سال سے روئداد کی ترتیب کی ذمہ داری مفتی صاحب کے حوالہ کر دی، مفتی صاحب نے معذرت فرمائی کہ میں اس کی لیاقت و اہلیت نہیں رکھتا تو فرمایا کہ ہم جانتے ہیں آپ میں لیاقت ہے کہ نہیں، معذرت قبول نہیں فرمائی اس کے بعد سالہا سال سالانہ روئداد مرتب کرنے کی خدمت حضرت مفتی صاحب انجام دیتے رہے۔

زندگی کے اخیری ایک دو سال بیمار رہے مگر جب بھی طبیعت کا حال کوئی پوچھتا یہی کہتے کہ اچھا ہوں ''رضا بر قضا'' آپ کا شیوہ تھا، جامعہ کی تدریس کے دوران اپنے وطن طالعپور میں کچھ ہفتہ بیمار رہ کر ۱۳۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔ انتقال کے بعد ایک شاگرد نے خواب میں مسندِ درس پر تشریف فرما ہوئے دیکھا، شاگرد نے پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ مولانا کے قریب احادیث کی کتابوں کا ذخیرہ رکھا ہوا تھا اس کی خدمات کی طرف انگلی

سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اس کے طفیل بخشش ہوگئی''۔ (حسنِ خاتمہ کے پانچ سو واقعات ۴۹۰)

مولانا آدم صاحب سے شرحِ وقایہ ترجمۂ قرآن شریف، ہدیہ سعیدیہ، دیوانِ متنبّی پڑھی۔

(۶) مفتی عبدالغنی کاوی صاحب

مسلم شریف، موطأ محمد، ہدایہ اولین، اخیرین، مختصر المعانی، شرحِ عقائد، سراجی، نورالانوار پڑھی۔

مفتی عبدالغنی صاحب ضلع بھروچ کے ایک تاریخی گاؤں ''کاوی'' میں ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم ''کاوی'' میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ لیا، وہ دور جامعہ کا سنہرا اور انتہائی آب وتاب کا دور تھا، علوم و فنون کے ماہر اساتذہ موجود تھے۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، بابا عبدالرحمٰن امروہی، مولانا ابراہیم بلیاوی، مہاجر مدنی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، ، حضرت علامہ یوسف بنوری، حضرت مولانا احمد بزرگ، مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ، مولانا عبدالعزیز کیملپوری، اور مولانا نور محمد صاحب جیسی عظیم ہستیوں کا شمار ہوتا ہے۔

آپ کی خدمات: ڈابھیل سے (۱۳۶۱ھ میں) فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۴ء میں آں موصوف نے راندیر دارالعلوم اشرفیہ کو اپنی خدمات دینیہ کا پلیٹ فارم بنایا، اور تاحیات وہیں خدمت انجام دیتے رہے۔ یہ عرصہ کل چوالیس سال کا ہوتا ہے۔ اور اس پلیٹ فارم سے آں موصوف نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کے زیر تدریس ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، نورالانوار، سراجی، ہدایہ، مسلم شریف، جیسی اہم کتابیں رہیں۔ آپ نے ابتدائی کتابیں بھی پڑھائی ہیں اور انتہائی بھی، اسلئے آں موصوف ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ موصوف فتاوٰی نویسی کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ تقریباً تیس سال تک دار العلوم اشرفیہ میں رہ کر فتاوٰی نویسی کی خدمت بھی انجام دی۔ آپ کے یہ فتاوٰی اس وقت کے ایک ماہنامہ ''وہورا ویلفیر'' میں شائع ہوتے تھے۔ اور مقبول خاص و عام ہو چکے تھے۔ آج آپ کے فتاوٰی کی ایک جلد ''فتاوٰی عبد الغنی'' کے نام سے مطبوع ہے۔

نیز مدرسہ میں ناظم تعلیمات، اور ناظم امتحانات کی خدمت بھی انجام دی، دار العلوم میں مفتی اور شیخ الحدیث کے بعد دوسرے نمبر کے استاذ حدیث کے عالی منصب پر فائز رہے۔ ساتھ ہی آپ کئی دینی و ملی تنظیموں سے وابستہ تھے۔ مجلس تحفظ اسلام، رؤیت ہلال کمیٹی، شرعی پنچایت اور امارت شرعیہ جیسی تنظیموں سے منسلک تھے۔ اور اس طرح دینی و قومی خدمات انجام دیں۔

آپ کے خصائل: — موصوف کا شمار گجرات کے نامور علماء دین میں ہوتا ہے، ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ فقہ کے ساتھ خاص مناسبت تھی، اسی وجہ سے موصوف کے فتاوٰی کافی مختصر لیکن جامع و مانع اور سائل کے لئے تسکین صدور کا باعث تھے۔ اور ماقل و دل کے صحیح مصداق تھے۔ اتنی خدمات کے ساتھ ساتھ وقت کی پابندی آپ کی ایک خصوصی شان تھی۔ مدرسہ کے وقت کے شروع ہونے سے ۵ منٹ قبل ہی درسگاہ میں حاضر ہو جاتے تھے، اور سبق شروع فرما دیتے تھے۔ آپ کا درس کوزے میں ساگر کی مثال تھا۔

اپنی طرح طلبہ کو بھی اوقات کی پابندی کی تاکید فرماتے، کافی کم گو اور خاموش مزاج اور اپنے کام میں ہمیشہ مگن رہتے۔ تہجد کے پابند اور اپنے اشغال پابندی سے ادا کرتے رہتے۔ یکسوئی کے طالب اور لوگوں سے زیادہ اختلاط سے دور رہتے، فرائض و سنن کے پابند، نماز ہمیشہ صف اول میں ادا کرتے۔ اور کبھی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہوتی۔

تقریر کافی مختصر لیکن درس کو سمجھنے کے لئے بالکل کافی وشافی ہوتی تھی۔

درس کو کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔حتی کہ ایک مرتبہ زینہ سے پیر پھسل جانے کی وجہ سے کمر کی ہڈی میں تکلیف ہوگئی۔جس کی وجہ سے آپ کپڑے بھی پہن نہ سکتے تھے۔ایسی حالت میں بھی درس کو ناغہ کرنا گوارہ نہ کیا، اور شال اوڑھے ہوئے درس گاہ تشریف لائے اور سبق پڑھایا۔ درس میں ہمیشہ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔کبھی طلبہ کے ذہنوں کو متوجہ کرنے کے لئے ایک آدھ چٹکلا سنا دیتے تھے۔

عبارت کی غلطی کو کبھی برداشت نہ کرتے تھے، اگر کوئی طالب علم سبق میں توجہ نہ دیتا ہوتو اسے کہتے: کیوں بورڈ پر چڑھتا ہے؟ ع　خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھی مرنے والے میں

حضرت مولانا شیخ الحدیث رضا اجمیریؒ ان کی ایک خوبی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ہمارے ساتھ ۴۴ سال سے زیادہ عرصہ ہوا مرحوم کا تعلق تھا؛ لیکن کبھی ایک دوسرے کے دل میں رنجش نہیں آئی، ورنہ بھائی بھائی میں جھگڑا ہوتا ہے، یہ مرحوم کا کمال تھا۔

سانحۂ ارتحال:- ٦/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ بمطابق ۲۹/ ۱۰/ ۸۷ء کی جمعہ کی وہ رات پورے عالم اسلام کے لئے خاص کر اہل گجرات کے لئے ماتم کی رات بن گئی، موصوف نے عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر سنتیں اور وتر کی نماز بھی ادا کر لی۔ ویسے آپ کا روزانہ کا معمول سنت کے مطابق وتر کی نماز کو تہجد کے ساتھ پڑھنے کا تھا، لیکن اس رات گویا کہ موصوف کو پہلے سے ہی اطلاع ہوچکی تھی، آپ نے اس رات وتر کی نماز عشاء کے بعد ہی پڑھ لی اور روزانہ کے معمول کے مطابق چھت پر تھوڑی چہل قدمی کی۔ آخری وقت میں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس اور علم سے شغف اتنا تھا کہ شبِ وفات میں بھی مسلم شریف کے ۲۸ طلبہ میں سے چار طلبہ کے جوابی پرچہ جانچ کر سو گئے تھے۔ تقریباً چار بجے استنجاء

کے لئے اٹھے، اور پھر سو گئے، بس ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں، اور اس دار فانی کو الوداع کہتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے:

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی	۞	ایک مسافر کی رہ تمام ہوئی
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو تیرا	۞	نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو تیرا
الٰہی ان کی تربت خلد زار نور ہو جائے	۞	نسیم سحر خموشاں شمیم حور ہو جائے

مفتی عبدالغنی صاحب سے ہدایہ اولین و اخیرین، مختصر المعانی، شرح عقائد، سراجی، نور الانوار، مسلم شریف، مؤطا امام محمد پڑھی۔

(۷) محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

موصوف کی نسبت کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا، مگر چونکہ صاحبِ سوانح کے سوانحِ حیات اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتے جب تک ان تمام کا تذکرہ نہ ہو جن کے فیوضِ تعلیم و تربیت صاحبِ سوانح کے کردار و شخصیت کی تکمیل میں ممد و معاون رہے ہیں؛ اس لئے ذیل میں مختصراً مفتی سعید صاحب کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے۔

آپ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں موضع ''کالیڑا''، ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کالیڑہ کے مکتب میں حاصل کی، فارسی کی تعلیم دار العلوم چھاپی اور اپنے ماموں مولانا عبدالرحمٰن شیرا سے حاصل کی، بعدہ پالنپور شہر میں حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب کے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں چار سال میں عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں، شرح جامی تک۔ پالن پور میں حصولِ تعلیم کے بعد ۱۳۷۷ھ میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا، وہاں امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جمویؒ سے نحو و منطق اور فلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں ۱۳۸۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر فقہ، حدیث،

تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ۔ ۱۳۸۲ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے، دورہ میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے ۔ یکم ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ کو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوری کی نگرانی میں کتبِ فتاوی کا مطالعہ اور فتوی نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا، ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ نو سال تک دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) درسِ نظامی کی بہت سی کتابیں پڑھائیں، قیامِ راندیر میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا۔

شوال ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا، دارالعلوم کے ۳۷ سالہ قیام میں تدریس، شعبۂ افتاء کی نگرانی وفتوی نویسی، مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی نظامت، تحریری وتصنیفی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں ۔ ان کے مفصل تذکرہ کی اس مختصر تعارف میں گنجائش نہیں، سالِ گذشتہ یعنی ۱۴۲۹ھ سے بخاری شریف کا کامیاب درس دے رہے ہیں ۔

حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ دارالعلوم اشرفیہ میں جس سال مشکوٰۃ میں تھے اسی سال حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب کا مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا، آپ کا نہایت مقبول درس سن کر آپ نے اور دیگر رفقائے درس نے کوشش کی تھی کہ کسی طرح مشکوٰۃ شریف مولانا پالن پوری صاحب کے پاس آجائے مگر کامیابی نہیں ہوئی اس لئے خارج میں مختصر المعانی پڑھ کر علمی پیاس بجھائی، مفتی صاحب کو دورِ طالبِ علمی سے حضرت مولانا پالن پوری سے قلبی تعلق ہے، خارج اوقات میں آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور استفادہ فرماتے رہتے، فراغت کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے متعلق آپ ہی نے مشورہ دیا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مولانا پالن پوری مدظلہ کے خود نوشتہ خطوط کا ایک ذخیرہ مفتی صاحب کے مرقع

خطوط کی زینت ہے، شاید ان کا کوئی مختصر سے مختصر اور سرسری طور پر لکھا ہوا خط بھی ضائع نہیں ہوا، ان میں علمی استفسارات کے جواب بھی ہیں، کسی نئی کتاب یا مضمون کے شائع ہونے کی اطلاع بھی ہے، تمام خطوط سے استاذانہ شفقت، علمی و دینی ترقی کی خواہش اور اس بارے میں رہنمائی سطر سطر سے جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سب نہیں تبرکاً چند خطوط موقع بموقع آگے درج کئے جائیں گے۔

رزقِ حلال کی برکت:- حضرت پالن پوری مدظلہ کے والد ماجد جناب ''یوسف صاحب'' جامعہ ڈابھیل کے خوشہ چیں ہیں جو اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے، ان کی اولاد میں علماء وفضلاء پیدا ہوئے اس کی باطنی وجہ حرام مال سے اجتناب ہے، ان کا یہ واقعہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دور کا ہے، راقم الحروف نے یہ واقعہ ان کے صاحب زادے مولانا حبیب الرحمٰن بن یوسف پالن پوری حال استاذ حدیث دارالعلوم اشرفیہ سے سنا جو انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔

''جس زمانہ میں شیخ الاِسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اور محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ ڈابھیل میں پڑھاتے تھے اس وقت والد صاحب ڈابھیل کے طالبِ علم تھے اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادمِ خاص تھے، والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کنز الدقائق حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی سے پڑھی ہے، والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ہمیشہ سبق میں پہلی تپائی پر استاذ محترم کے سامنے بیٹھا کرتا تھا۔

ایک روز استاذِ محترم مولانا بدرِ عالم صاحب سبق پڑھانے کے لئے تشریف لائے، کتاب کھولی پھر بند کر دی اور ارشاد فرمایا کہ آج کچھ تم لوگوں کو نصیحت کرنی ہے، استاذِ محترم

نے اس وقت تعلیم وتربیت سے متعلق بہت سی باتیں ارشاد فرمائی، ایک اہم بات جو اس وقت ارشاد فرمائی وہ یہ تھی آج چودہویں صدی میں اگر کسی کو صحابہ کی زندگیوں کا کچھ نمونہ دیکھنا ہو، صحابہ کی زندگی کیسی سادہ تھی اگر اس کی ہلکی سی جھلک دیکھنی ہو تو پالن پور میں ریل کی پٹری سے مشرق میں جو لوگ رہتے ہیں ان کی زندگیوں کو دیکھو ان کو دیکھ کر صحابہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

والد صاحب فرماتے استاذِ محترم مولانا بدرِ عالم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان میں کوئی اچھا عالم پیدا نہیں ہوتا۔ والد صاحب سامنے ہی پہلی تپائی پر بیٹھے تھے، والد صاحب نے استاذِ محترم سے سوال کیا کہ حضرت آپ ایک طرف تو اس قوم کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ ان کی زندگیاں صحابہ کی زندگیوں کے مشابہ ہے، دوسری طرف آپ یہ فرمارہے ہیں کہ ان میں کوئی اچھا عالم پیدا نہیں ہوتا آخر اس کی وجہ کیا ہے۔

تو استاذِ محترم نے فرمایا کہ ان کی کمائیاں حلال وطیب نہیں ہے۔ اس وقت پوری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اسی کی جانب مولانا بدرِ عالم صاحب نے اشارہ فرمایا، اور پھر والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا یوسف اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیونکہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا۔ والد صاحب فرماتے کہ استاذِ محترم کی نصیحت کو سن کر دل پر ایک چوٹ لگی، اور اسی وقت یہ تہیہ کرلیا کہ چاہے اس راہ میں کتنی قربانی دینی پڑے، باپ سے الگ ہونا پڑے، بھوکا رہنا پڑے، کیسے ہی حالات کیوں نہ آئے، مگر حرام اور مشتبہ مال کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

والد صاحب کی طالب علمی کے زمانہ میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی، والد صاحب اس وقت ڈابھیل میں پڑھتے تھے والد صاحب

کو جب علم ہوا تو دادا سے اختلاف کیا تو دادا نے ناراض ہو کر والد صاحب کو شادی سے پہلے طالبِ علمی کے زمانہ میں گھر بار سے الگ کر دیا، ان گھریلو حالات کی وجہ سے والد صاحب اپنی تعلیم مکمل نہ کر پائے اور حرام سے بچنے کا جو تہیہ کر لیا تھا اس کی وجہ سے مجبوراً والد صاحب نے تعلیم کو یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ اپنی زندگی تو جیسی بھی گزری گزری لیکن انشاء اللہ اپنی اولاد کو حرام اور مشتبہ مال سے بچاؤں گا تا کہ حلال اور طیب مال سے پرورش پا کر بچے اچھے عالم اور نیک اور صالح بنیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی اور مولانا یوسف بنوری صاحب جیسے عالم بنانے کا عظیم جذبہ دل میں لے کر ہم نے بچوں کو ناجائز اور حرام مال سے بچایا، آج اللہ تعالیٰ نے ان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر فرمایا، اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کا مکین بنائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین یا رب العالمین۔

احقر حبیب الرحمٰن یوسف پالن پوری عفی عنہ

خادم دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت ۲۹/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ - ۲/ اگست ۲۰۰۸ء

مولانا سعید احمد صاحب مدظلہ سے مختصر المعانی، ابوداؤد شریف، نسائی شریف پڑھی۔ اللہ تعالیٰ استاذ و شاگرد کی عمر میں برکت نصیب فرمائے اور ان کے فیوض سے دیر تا دیر ہمیں مستفیض فرمائے آمین۔

(۸) برکتِ گجرات حضرت مولانا محمد رضا اجمیری ثم راندیریؒ

سرحدی علاقہ افغانستان میں ایک ایسی جگہ جہاں کوئی علمی ماحول نہیں تھا ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے، وطن میں تعلیم کا نظم نہیں تھا، علمی سفر کے لئے بے چین تھے، والد صاحب کا خوردسالی میں انتقال ہو گیا تھا، خفیہ طور پر بچپن ہی میں علمی سفر طے کر کے لاہور پہنچے، کچھ عرصہ

لاہور میں ملازمت کی، پھر ۱۶ سال کی عمر میں اجمیر شریف پہنچے وہاں مدرسہ معینیہ عثمانیہ نامی دارالعلوم میں داخلہ لیا جہاں ہرفن کے ماہر اساتذہ موجود تھے، آٹھ دس سالہ نصاب چار پانچ برس میں مکمل کر کے ۱۹۴۲ء میں سندِ فراغت حاصل کی، پھر تین سال ''ناگور'' میں تدریس اور امامت کی، ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے لئے مدعو کیا گیا، اور فارسی اور عربی کی کتابیں دی گئیں، فارسی میں یدِطولیٰ رکھتے تھے، اخیر عمر تک آپ کو گلستاں، بوستاں اور مثنوی سے بڑا اشغف تھا یہ کتابیں ہمیشہ زیرِ مطالعہ رہتیں، گلستاں و بوستاں کے پورے اقتباسات اور حکایات ازبر تھیں، کچھ مدت کے بعد آپ کو درجاتِ علیا کی کتابیں دی گئیں۔

ہندوستان کے آزاد ہونے اور پاکستان بننے کے بعد دارالعلوم اشرفیہ کے استاذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب پشاوری جب اشرفیہ چھوڑ کر پاکستان تشریف لے گئے اس وقت آپ کو بخاری شریف پڑھانے کے لئے دی گئی، جب سے آخری سانس تک اسی منصب پر فائز رہے، ایک ہی ادارہ میں آپ نے چون سال تدریس میں گزار دیئے جس میں پچاس سال بخاری شریف پڑھائی۔

آپ کا درس نہایت جامع مختصر ہوتا، مدرسہ کے اوقات کی پابندی کا بہت لحاظ رکھتے تھے، سفر و حضر میں ہمیشہ باوضو رہتے، اور طلبہ کو بھی باوضو رہنے کی تاکید فرماتے، فرمایا کرتے کہ ''بے وضو مسلمان کا رتبہ اتنا گر جاتا ہے کہ وہ قرآن پاک کو چھونے کے قابل نہیں رہتا، اس لئے ہمیشہ باوضو رہا کرو'' آپ اپنا کام خود کرتے، زندگی بھر کسی طالبِ علم کو خادم نہیں بنایا، طلباء خود خدمت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تو بحسن خوبی ٹال دیتے۔

مفتی صاحب دامت برکاتہم کی خصوصیت کہنا چاہئے کہ مفتی صاحب کے دورہ کے سال جب آپ کو آنکھ کے آپریشن کے لئے اسپتال میں داخل کیا گیا خدمت کی سعادت

میسر ہوئی، جی چاہتا ہے کہ اس واقعہ کو مفتی صاحب کے ہی الفاظ میں نقل کردوں جس سے آپ کی رضا بر قضا والی صفت کا بھی پتہ چلتا ہے، آپ کے انتقال کے بعد راندیر کے تعزیتی بیان میں مفتی صاحب نے فرمایا:

رضا بر قضا سے متعلق ایک واقعہ:- اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت عطا فرمائی کہ پڑھنے کے زمانہ میں میرے دورہ کا سال تھا تو حضرت والا کے آنکھ کے موتیا کا آپریشن ہوا، حضرت والا نے اس آپریشن کو منظور فرمالیا، ایک ڈاکٹر کے یہاں ایڈمیٹ کیا گیا، حق تعالیٰ نے مجھے حضرتؒ کی خدمت کا موقع بھی عنایت فرمایا، میں حضرت کی خدمت تو کیا کرتا، میں آپ کو بتلاؤں کھانا وغیرہ آتا تھا تو میں کھلاؤں اس سے زیادہ حضرتؒ میرا خیال رکھتے تھے اور میری ضرورتوں کو زیادہ مدِ نظر رکھتے تھے، حالانکہ میں حضرت کی خدمت کے لئے دواخانہ میں تھا۔ خیر جب حضرتؒ کا آپریشن ہوا تو ایک مدت تک مجھے بھی یہ خیال نہ رہا کہ اس آپریشن کا نتیجہ کیا نکلا؟ بعد میں کچھ ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی وہ آنکھ جس میں آپریشن کیا گیا تھا اس میں بینائی نہیں ہے، حضرتؒ پہلے ہی سے یہ خدشہ ظاہر فرمارہے تھے۔

دراصل بات یہ ہے کہ حضرتؒ کے قریب اور ایک مریضہ تھی جس کی آنکھ سے موتیا کو نکالا گیا تھا، پھر جب اس مریضہ کے آنکھ کا پٹہ کھولا گیا تو اس وقت وہ چلارہی تھی کہ مجھے نظر نہیں آتا ہے، خیر اس کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی تھی کہ کچھ دنوں کے بعد آہستہ آہستہ تجھے نظر آئے گا۔ بہر حال اس عورت کی بینائی جاتی رہی تو حضرتؒ بھی ختمِ بینائی کا ہی خدشہ ظاہر فرمارہے تھے۔

بعد میں مجھے بہت مدت کے بعد معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی اس آنکھ میں بینائی باقی نہیں رہی ہے۔ آپ حضرات کو بھی شاید معلوم ہو بہت سے ایسے لوگ ہوں گے حضرتؒ سے ملنے والے بلکہ میں نے خود ہی آپریشن کے کئی سال بعد دریافت کیا کہ حضرت آپ کی آنکھ میں

شاید بینائی نہیں ہے، تو حضرت نے بات کو ٹال دیا اور اپنی عادت کے مطابق جواب دے دیا تو جواب سے میں نے یہ سمجھا کہ حضرتؒ کی آنکھ میں ضرور بینائی موجود ہے۔ تو آپ اندازہ لگائیے کہ رضا برقضا کا کوئی ایسا نمونہ کہیں موجود ہے کہ پیش کیا جا سکے؟ (تذکرۃ الرضا ۱۲۴، ۱۲۵)

آپ کا اصلاحی تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھا، گجرات کے ایک سفر میں حضرت مدنیؒ راندیر تشریف لائے تھے، اس وقت راندیر میں ''قوّۃ الاِ سلام'' مسجد میں بعد نمازِ مغرب حضرت اقدس سید مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ اور حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ کو بیعت فرمایا تھا۔

۲۴/ نومبر ۱۹۹۴ء جمعہ کی رات سورت کے ''حیات'' نامی اسپتال میں حیاتِ مستعار پوری کی۔ مسکراتے ہوئے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف بلند کی اور کلمۂ توحید کا ورد کرتے کرتے جہاں فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر اختیار فرمایا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت اجمیریؒ جیسے خود سادہ تھے ان کے خطوط بھی ان کی طرح سادہ، عام فہم، پر مغز و بزرگانہ شفقت آمیز ہوتے۔ مفتی صاحب کے نام سترہ مرقعہ خطوط محفوظ ہیں۔ یہاں تبرکاً دو نقل کئے جاتے ہیں، خوش قسمتی سے دونوں خط سندِ حدیث کے سلسلہ میں ہیں، پہلا خط جس پر ۹/ ۱۰/ ۱۹۶۸ء کی تاریخ درج ہے، مفتی صاحب نے دار العلوم دیو بند کے قیامِ تعلیم کے دوران سندِ حدیث تحریر فرمانے کی درخواست کی ہوگی جس پر تحریر فرمایا:

''سند حاصل کرنا رسمی طور سے ایک عملِ حسن ہے جو امتِ مسلمہ میں چلا آتا ہے

اور ایک تبرک ہے اس سے زیادہ اہمیت کی چیز نہیں ہے۔ اصل چیز تو بزرگانِ دین کی صحبت اور فیض ہے جس کو یہ دولت نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ قبولیت سے بھی نوازے تو سمجھئے کہ یہ بڑی نعمت اور دولت ہے۔ خصوصی سندات بھی اسی مقصد کے ماتحت حاصل کئے جاتے ہیں خصوصی سندات بڑی بزرگ ہستیوں کا کام ہے۔ یہ چیز بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو اچھے اچھے بزرگ علمائے کرام سے دست یاب ہو سکے گی جن کے پاس ہر قسم کے کمالات بھی ہیں، شہرت بھی اور قبولیت بھی۔ حضرت شیخ زکریا مدت فیوضہم اور حضرت شیخ فخر الدین آپ کے دیگر اساتذۂ کرام جو وہاں پر مصروفِ افادہ ہیں ان سے سماعت اور استفادہ فرماتے ہوئے سند حاصل فرمائیں اور وہاں کا معمول بھی ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں آپ لوگ مجھے اچھی طرح سے جانتے ہیں (اندھوں میں کانا راجا) والی بات ہے۔ یہاں بیٹھے بیٹھے چند دانوں کے ساتھ سرزوری کرتا رہتا ہوں جن میں صلاحیت ہوتی ہے ان کو اصلی مراکز کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں اور کچھ مناسبت پیدا کرنے کی کوشش رہتی ہے۔ جو سعادت مند ہوتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں اور شوق سے پھر اصلی مقام پر پہونچ کر جوہر استحقاق کا مظاہرہ کر لیتے ہیں۔ بس یہاں کے سب احباب سلام عرض کرتے ہیں اور والد مرحوم کے انتقالِ پر ملال پر اظہارِ غم وصدمہ کرتے ہیں۔"

فقط دعا گو ودعا جو محمد رضا

دوسرا خط جس پر ۴/ ۷/ ۱۹۴۷ء کی تاریخ ہے، قیامِ جامعہ ڈابھیل میں جس سال مؤطا کی تدریس سپرد کی گئی اس سال اس کتاب کی سند معلوم کی تھی۔ مفتی صاحب نے مؤطا امام مالک حضرت اجمیریؒ سے پڑھی ہے اس کتاب کی سند کے متعلق تحریر فرمایا ہے خط کے ہر لفظ سے کسرِ نفسی وتواضع عیاں ہے ملاحظہ کیجئے:

عزیزم مولوی احمد خانپوری صاحب دمتم بالخیر والعافیة

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، گرامی نامہ ملا، حال معلوم ہوگیا۔ مؤطا بڑی اچھی کتاب ہے تواتراً ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ تو اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، سند کا سلسلہ میں نے رکھا ہی نہیں ہے، بڑے بڑے حضرات موجود ہیں جو یہ سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ نوشتہ سند میرے پاس نہیں ہے میں نے کبھی اس کا اہتمام بھی نہیں کیا ہے۔ میں نے مولانا محمد یونس صاحب میرٹھیؒ سے یہ کتاب دار العلوم عثمانیہ اجمیر شریف میں قریباً ۱۹۴۲ء میں پڑھی تھی، جو بڑے صالح اور نیک بزرگ تھے، مولانا احمد حسن امروہی کے فیض یابوں میں سے تھے، اور وہ مولانا نانوتویؒ کے شاگردِ خاص تھے۔ دیگر اساتذہ کا سلسلہ شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتا ہے۔ اوران کے اوپر کا سلسلہ معروف ہے۔ آپ پڑھایئے یہ بڑا مبارک سلسلہ ہے، اوجز سے استفادہ کرتے رہیئے، حضرت شیخ پاکستان پہونچ گئے ہیں معلوم ہوگیا ہوگا۔ دعا فرماتے رہیں۔

خدا حافظ محمد رضا

اخیر میں حضرت اجمیریؒ کی مبارک تحریر پر اس مضمون کو پورا کرتا ہوں، یہ تحریر در حقیقت ایک سند ہے، مفتی صاحب کی درخواست پر حضرت اجمیریؒ نے سند کا مضمون بذاتِ خود تحریر فرما دیا، میرے نزدیک بزرگ استاذ کی بزرگ شاگرد سے وابستہ دعائیں، امیدیں لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔ اس لئے مضمونِ سند کو الہامی کہنا چاہیئے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على حبيبه و خليله الكريم

الأمين وعلى اله وأصحابه وعلى من تبعهم الى يوم الدين. اما بعد:

برادرِ محترم مولانا الحاج احمد بن الحاج محمد خانپوری نے احقر کے پاس دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں پڑھی ہیں اور اچھی محنت اور شوق و ذوق سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اچھی قابلیت سے نوازا ہے، ہمیشہ رفقاء اور شرکاءِ درس میں ممتاز رہے ہیں، اساتذہ اور رفقاء ہمیشہ آپ کے اعلیٰ اخلاق سے متأثر رہے ہیں۔

آپ کی ذات سے پوری امید ہے کہ قوم اور ملت کو خوب فیض یاب رکھیں گے، اور اسلافِ صالحین کے نقشِ قدم پر قائم اور دائم رہ کر علومِ نبوت کی ضیاء پاشیوں میں اپنی قیمتی زندگی کو معمور اور مصروف رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ حضورِ پاک ﷺ کے نقشِ قدم پر رہتے ہوئے اس فانی زندگی کو پوری کریں، اور رب العالمین راضی رہے۔

احقر کے اساتذۂ حدیث تو کئی حضرات ہیں مگر احقر نے ان تین بزرگوں سے زیادہ فیض حاصل کیا ہے، حضرت الحاج مولانا محمد شریف الٰہ آبادیؒ اور مولانا الحاج محمد یونس میرٹھیؒ، مولانا مفتی امتیاز احمد بہاریؒ۔

احقر العباد: محمد رضا اجمیری عفی عنہ

حضرت مولانا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہ سے مفتی صاحب نے درجۂ عربی ششم میں جلالین، دورہ میں بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف، مؤطا مالک اور ابنِ ماجہ شریف پڑھی۔

قیامِ راندیر پر ایک نظر

مفتی صاحب نے بارہ سال کی عمر میں ۱۸/ مئی ۱۹۵۸ء دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا اور ۱۸/ نومبر ۱۹۶۶ء تک یعنی نو سال تین ماہ میں درسِ نظامی مکمل حاصل کر لیا۔ مفتی

صاحب زمانۂ طالبِ علمی میں نہایت ہی انہماک اور جاں فشانی سے اسباق کی طرف متوجہ رہے، جس کی شہادت آپ کے استاذِ محترم کے قلم سے گزر چکی، اسباق سے فارغ اوقات میں اساتذہ کی خدمت میں حاضری اور ان کے گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹانے کا معمول تھا، ان ہی اوصافِ عالیہ کے باعث آپ کے اساتذہ کی مشفقانہ توجہ آپ پر مرکوز رہی، جن حضراتِ اساتذہ سے علم سیکھا وہ حضرات خود بزرگ تھے، اس لئے بزرگوں سے عقیدت ومحبت ہوجانا فطری امر ہے۔

راندیر کے قیام کے دوران مفتیٔ اعظم گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوری نوراللہ مرقدہ سے تعلق پیدا ہوا، اور یہ تعلق وربط روز افروز ہوتا گیا، جس کی تفصیل آگے آئے گی یہاں صرف اتنا ذکر کردینا کافی ہے کہ آپ کے مشاغلِ علمیہ کے ساتھ ساتھ دوپہر میں کھانے کے بعد کا وقت جو طلبہ کے لئے آرام کا وقت ہوتا ہے حضرت لاجپوریؒ کی خدمت کے لئے فارغ کر رکھا تھا، حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوتے، اور رجسٹر میں فتاویٰ نقل فرماتے، حضرت کے پاس ملک وبیرونِ ملک سے استفتاء آتے رہتے، وہاں کسی ناقل کا مستقل انتظام نہیں تھا، طلبہ ہی یہ خدمت اپنی سعادت سمجھ کر انجام دے دیا کرتے تھے، مفتی صاحب کو یہ سعادت میسر ہوئی، چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''احقر کو اپنے دورِ طفولیت (جبکہ میں دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں پڑھ رہا تھا اسی وقت) سے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل رہی، اس زمانہ میں حضرت کے فتاویٰ نقل کرنے کے لئے حضرت کے دولت کدہ پر روزانہ حاضر ہوتا تھا، اور فراغت تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا، حضرت بھی احقر کے ساتھ پدرانہ شفقت و محبت فرماتے تھے۔ (مقدمہ حیات عبدالرحیم صاحب ۳۰)

ایک مرتبہ تو زمانۂ تعطیل بھی حضرت لاجپوریؒ کے دولت کدہ پر گزار دیا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا چوبیس گھنٹے حضرت کی معیت اور نیک صحبت میں گزارے، اور نقلِ فتاوی کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

مفتی صاحب کی زندگی میں وہ بڑا مبارک دن تھا جب شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے نیاز حاصل ہوا، اور خدا طلبی کا ذوق اور اہل اللہ کی خدمت میں حاضری کا شوق پیدا ہوا، اور یہ بہت ہی بڑی دولت ونعمت ہے؛ بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے ؎

نشان منزل جاناں ملے نہ ملے	مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

کہتے ہیں کہ جس کا رزق جہاں مقدر ہوتا ہے وہیں ملتا ہے، اس کے لئے وطن، پردیس کی قید وشرط نہیں، یہ کلیہ مادی وروحانی دونوں قسم کی رزق کے لئے عام ہے، کہاں خانپور کا ایک ادنی طالبِ علم اور کہاں سہارن پور کا قطبِ عالم، کہاں کنز الدقائق کا طالبِ علم اور کہاں معدن الحقائق کا کوہِ گراں، کہاں شرح جامی کا طالبِ علم اور کہاں جامعِ شریعت وطریقت کا درِ علم، کہاں شرحِ تہذیب پڑھنے والا اور کہاں مہذب بنانے والا، بظاہر کوئی جوڑ ہی نہیں لیکن جس کا مقدر کھل چکا ہو، سعادت قسمت میں لکھی جا چکی ہو، خلاف توقع غیبی اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔

چنانچہ علمائے دیوبند کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مفتی صاحب نے صرف ظاہری علوم کے حصول پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ طالبِ علمی ہی میں اہل اللہ سے اپنا رشتہ جوڑا، جس کی ابتدائی تقریب یہ ہوئی کہ قیامِ راندیر میں جب آپ عربی سوم کے طالبِ علم تھے کچھ پریشانیاں لاحق ہوئیں، جن کے ازالہ اور دعا وتوجہ کے طالب ہوئے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ

از راندیر... احمد محمد خانپوری السلام علیکم

ذوالمجد والکرم و مصلحِ قلب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتکم

امید قوی ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا، احقر مدرسہ اشرفیہ راندیر کا ایک طالبِ علم جو کنز الدقائق، اصول الشاشی، شرحِ جامی، شرحِ تہذیب وغیرہ پڑھتا ہے۔ احقر آج آپ کے دربار میں بذریعۂ خط پہنچا اسے باعثِ سعادت مندی سمجھتا ہے۔ امید ہے کہ میرے احوال پر غور فرماؤ گے۔ وہ یہ کہ درسی کتب بینی میں نیز اسباق میں دل نہیں لگتا، بحمداللہ اسباق یاد ہو جاتے ہیں لیکن فی الحال دل نہیں لگتا، بلکہ نماز وغیرہ میں بھی نہیں لگتا، عجیب عجیب خیالات آتے ہیں اور احباب کے لعن وطعن سے مایوس ہو گیا ہوں، یہاں تک کہ خودکشی کرلوں ایسے خیالات آتے ہیں، احباب کی جانب سے جھوٹی جھوٹی تہمتیں ڈھائی جاتی ہیں۔ دل لگتا ہے تو صرف قرآن شریف میں لگتا ہے باقی کسی میں نہیں؛ نیز یہ باطنی امراض ہوئے۔

اور ایک جسمانی مرض ہے جس سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے وہ یہ ہے کہ برص کی بیماری ہے اور اولِ وہلہ میں دعا کریں یا کوئی ورد بتائیں جس سے وہ تجاوز نہ کرے، اور مذکورہ باطنی امراض کے لئے جو مناسب سمجھیں تحریر فرمائیں۔ دعائے خیر کریں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مرضیات پر چلائے اور نا مرضیات سے اجتناب اور علم کا قدرداں بنائے۔

محتاج دعا: احمد خانپوری، بقلم خود، ۲۶/ ربیع الثانی ۸۲ھ

جواب کے لئے لفافہ پیشِ خدمت ہے۔

جوابِ عریضہ از شیخ الحدیث

برص اور اسباق میں دل نہ لگنے اور احباب کے لعن وطعن کا علاج

عنایت فرمایم سلمہ

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا، بیماری کی خبر سے قلق ہوا، یہ ناکارہ دعا کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ أَللّٰهُمَّ إِنِّی أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرْصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَ سَیِّءِ الْأَسْقَامِ. (۱)اول آخر درود شریف تین تین مرتبہ پڑھا کریں۔ یہ ناکارہ بھی دعا کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو جملہ امراض سے شفا عطا فرماوے۔ اسباق، مطالعہ میں دل نہ لگنے کا علاج یہ ہے کہ اسباق، مطالعہ میں شریک ہوجاویں، اِن شاءاللہ دل لگنا شروع ہوگا۔ احباب کے لعن طعن سے جی برا کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، وہ تو آپ پر احسان کرتے ہیں کہ اپنی نیکیاں آپ کو دیتے ہیں اور اگر ان کے پاس نیکیاں نہیں تو آپ کے گناہ اپنے سر لیتے ہیں؛ البتہ ان کے لعن طعن سے یہ غور ضرور کرلیا کریں کہ اگر وہ عیب آپ میں موجود ہے جس پر وہ لعن طعن کرتے ہیں تو اس کو چھوڑنے کی کوشش کریں، اس کے لئے اس ناکارہ کا رسالہ "الإعتدال"(۲) مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے آپ کو اپنی رضا ومحبت عطا فرماوے، مرضیات پر عمل کی زیادہ توفیق عطا فرماوے، نامرضیات سے حفاظت فرماوے۔ فقط والسلام۔

زکریا بقلم حامد حسین ۱۶/ جمادی الأولی ۸۲ھ

---

۱ یہ دعائے ماثورہ ہے: ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ لینا چاہتا ہوں جسم پر سفید داغ پڑنے سے اور کوڑھ اور دیوانگی اور بقیہ جتنی خراب بیماریاں ہیں سب سے (حزب الأعظم منزل پیر)

۲ "الإعتدال فی مراتب الرجال" معروف بہ "اسلامی سیاست" یہ رسالہ درحقیقت ایک طویل وعریض خط ہے جس کو حضرت شیخ نے اپنے ایک مخلص خادم وشاگرد کو مسائلِ حاضرہ کے متعلق سات سوالوں کا جواب دیتے ہوئے =

بکری کے دماغ سے جو کیڑے مثل کملے نکلتے ہیں ان کو استخوان زانوئے خوک کے ہمراہ مل کر کے برص کے داغ پر لگانے سے چند روز میں برص کا نشان تک نہ رہے گا، بارہا تجربہ کیا ہے، اس سے بہتر کوئی اور نسخہ برص یعنی سفید داغ کا میسر نہیں ہوسکتا، جب تک یہ استعمال کیا جائے لیموں زیادہ کھایا جاوے، اور دودھ اور مچھلی سے پرہیز۔

خواب

مفتی صاحب نے قیامِ راندیر میں ایک خواب دیکھا اس کی تعبیر معلوم کرتے ہوئے شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں لکھا:

میدانِ حشر قائم ہے لوگ حیران اور پریشانی کے عالم میں ہیں، خواب ہی میں مجھ سے مولانا محمد سعید صاحب راندیری (مرحوم) نے فرمایا گھبراؤ نہیں اللہ تعالی اپنے بندوں کے ساتھ رحم وکرم ہی کا معاملہ کرے گا، اس کے بعد فرشتے باری تعالی کا عرش لے کر اترے اور اللہ تعالی کی تجلی ظاہر ہوئی۔

خواب کی تعبیر (تمھاری مغفرت کی بشارت)

عنایت فرمایم سلمہ

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا۔ تمھارا خواب بہت مبارک ہے،

اس میں ایک جانب تو تنبیہ ہے اس بات کے اوپر کہ آدمی کو موت کو اور حساب کتاب کو ہر وقت یاد رکھنا چاہئے کہ یہ چیز بہر حال پیش آنی ہے۔ اور دوسری جانب اِن شاءاللہ تمھاری مغفرت کی بشارت ہے، نیز مولانا محمد سعید صاحب راندیری کے علوِشان کی طرف بھی اشارہ ہے ان کی خدمت میں کبھی کبھی جاتے رہا کرو، بندہ کی طرف سے بھی

= کتاب وسنت کی روشنی میں انتہائی سنجیدگی ومتانت سے شعبان ۱۳۵۷ھ میں تحریر فرمایا تھا۔

سلام مسنون کہہ دیں۔ فقط والسلام۔

محمد زکریا بقلم شمیم ۱۷/ ربیع الثانی ۸۳ھ

خواب

اسی زمانۂ طالبِ علمی میں دوسرا خواب دیکھا خواب اور اس کی تعبیر غور سے پڑھئے۔

ہمارا دار الاِ قامہ ہے وہاں سے میں نکل رہا تھا، جب احاطہ کے صدر دروازہ سے باہر آیا تو دیکھا کہ ایک طالبِ علم گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا، وہ گھوڑا سرکش اور متمرد معلوم ہوتا تھا، اور اس کے قبضہ میں نہ آتا تھا، تو اس نے ارادہ بدل دیا، اور اتر جانا چاہتا تھا، تو میں نے کہا کہ چڑھ جاؤ کیوں گھبراتے ہو گھوڑے تو ایسے ہی ہوا کرتے ہیں تو پھر وہ دوبارہ چڑھ گیا، اور میں بھی اس کے ہمراہ پیدل چلنے لگا۔

وہ گھوڑا سیدھے راستے سے گزر کر ایک گلی میں گھسا، وہاں سے پھر ایک میدان میں گیا جہاں پر گھانس قدِ آدم جتنی اگی ہوئی تھی، وہاں پر دیکھا کہ گھوڑا ایک بڑے اژدہے کو دیکھ کر بدکنے لگا، تو میں نے اس اژدہے کو قتل کرنے کے لئے پیچھا کیا، مگر میرے پاس کچھ ہتھیار نہ تھا، جس کی وجہ سے میں اس کو پتھر مارنے لگا، وہ اژدہا گھانس میں چھپنے لگا، ایک دوسرا شخص بھی اس کو پتھر مارنے لگا، پھر میں نے ڈھیلے مارنا ترک کر دیا اور بندوق تلاش کرنے گیا تا کہ اسے قتل کر دوں، اتنے میں اس آدمی نے یہ جانا کہ اژدہا اس کو کاٹے گا جو اس کو چھیڑے، تو اس شخص نے پتھر مارنا ترک کر دیا، اور کہا کہ میں تو اسے نہیں چھیڑوں گا، میرا اس نے کیا بگاڑا ہے، جب میں بندوق تلاش کرنے گیا تو میرے ساتھ ایک اور شخص تھا جسے میں پہچانتا نہیں ہوں، اس نے کسی سانپ کی سرسراہٹ سنی تو وہ اس کے پاس گیا، تو معلوم ہوا کہ وہ اژدہے کا بچہ تھا، جب وہ پاس گیا تو وہ بچہ اس سے کہنے لگا کہ کب سے

کیوں تم لڑتے رہتے ہو چلو صلح کرلیں۔

میں نے جب سنا تو میں بھی اس کے پاس گیا اور کہا کہ اچھا چلو، جب میں اور وہ اور کوئی تیسرا شخص بھی ساتھ تھا تینوں اس کے پاس صلح کے لئے بیٹھے تو ذرا ادھر اُدھر کی بات ہونے کے بعد اس بچہ نے میرے ہاتھ پر ڈنک مارا اور کہا کہ ایک کی تو تم کو قربانی کرنی ہوگی اس کے بعد گویا مجھ پر بے ہوشی سی طاری ہوگئی اور میں مرنے لگا پھر خواب ختم ہوگیا۔

خواب کی تعبیر

(تمھاری وجہ سے دشمنانِ اسلام کو نقصان)

عنایت فرمایم سلمہ

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا۔ خواب اِن شاء اللہ مبارک ہے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ ان مولوی صاحب کو تمھارے سے دینی فائدہ پہنچے گا، اور تمھاری وجہ سے اِن شاء اللہ دشمنانِ اسلام کو نقصان پہنچے؛ البتہ اژدہے کے بچے نے جو پشت پر ڈنک مارا ہے وہ خود انہیں بھی نقصان ہے، اللہ جل شانہ تمھیں شرور سے محفوظ رکھے۔ فقط والسلام۔

زکریا عفی عنہ بہ قلم محمد شفیق ۱۶/ رجب

حضرت شیخ الحدیثؒ سے غائبانہ رشتہ بذریعۂ خطوط قائم ہو چکا، اور قیامِ راندیر کے زمانہ میں سورت اسٹیشن پر حضرت شیخؒ کی زیارت بھی کی۔ حضرت شیخؒ اور حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ امیر جماعت تبلیغ حج کے سفر پر تشریف لے جارہے تھے، اور دہلی سے بمبئی فرنٹیر میل سے آنے والے تھے، قرب و جوار کے اہلِ تعلق کو حضرت شیخؒ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی، عشاء کے بعد ہی زائرین ہزاروں کی تعداد میں سورت کے ریلوے اسٹیشن پر جمع ہونے شروع ہوگئے تھے، جن میں جامعہ حسینیہ راندیر، دارالعلوم اشرفیہ راندیر اور جامعہ

اسلامیہ ڈابھیل کے طلبہ واساتذہ کے علاوہ ہزاروں عوام سراپا اشتیاق بن کر شروع رات ہی سے وہاں پہنچ گئے تھے، حالاں کہ ریل کے ٹھہرنے کا وقت صرف تین منٹ تھا۔

صبح چار بج کر کچھ منٹ پر فرنٹیر پہنچا، اور مجمع دیکھ کر افسران نے تین منٹ کے بجائے پندرہ منٹ ٹھہرایا، اور تشنگانِ زیارت کے لئے سامانِ سیرابی فراہم کیا، مجمع کو بٹھادیا گیا تاکہ سب ہی زیارت سے مستفید ہوسکیں۔ اس وقت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نے ریل کے دروازہ پر کھڑے ہوکر بیان کرنا شروع کیا، جو ریل کی روانگی تک جاری رہا۔ جب ریل چلنے لگی تو دل ہلنے لگے، اور آنسو بہنے لگے، بعضوں کی چیخیں بلند ہوگئیں، اور بعض تو غش کھا کر گر پڑے۔ (ماٗخوذ از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفائے کرام ۱/ ۲۶۷)

بھلا ایسا روحانی منظر دیکھنے کے بعد سہارن پور جانے اور حضرت شیخ کے قدموں میں گرنے کا شوق موجزن کیوں نہ ہوتا؛ چنانچہ ان تمام دواعی کے نتیجہ میں مفتی صاحب نے عربی چہارم کے بعد مظاہرِعلوم جانے کا فیصلہ کرلیا، لیکن والد صاحب کے منشاء کے بغیر مدرسہ بدلنا مشکل تھا، ان کو سہارن پور جانے کا ارادہ معلوم ہوا تو اشرفیہ کے اساتذہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اسے سہارن پور جانے نہ دیجئے؛ چنانچہ آپ نے دورہ تک کی تعلیم اشرفیہ ہی میں مکمل فرمائی۔

آپ کے والد صاحب کا منشاء یہ تھا کہ ایک ہی جگہ تعلیم مکمل ہو، مدرسہ بدلنے میں تعلیم کے نقصان اور جی نہ لگنے کا امکان رہتا ہے، اس لئے ان کے فیصلے کے مطابق مفتی صاحب نے پوری تعلیم دارالعلوم اشرفیہ میں مکمل فرمائی۔

قیامِ راندیر میں بھی مفتی صاحب کی تعلیم وتربیت پر والد صاحب کی کڑی نظر ونگرانی برابر رہی خانپور سے بذاتِ خود راندیر آتے، اور اپنے لائق بیٹے کے اساتذہ وذمہ دارانِ مدرسہ سے ملتے اخلاق وعادات، امتحان کے نتائج معلوم کرتے، کبھی اپنے دوست اور

رفیق ''بے کار صاحب'' (جن کا ذکر گزر چکا) اور اپنی بیٹی (مفتی صاحب کی بڑی بہن صاحبہ) کے نام خط لکھتے کہ احمد کا خیال رکھیں۔

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں وہ تربیت کے معاملہ میں سخت تھے، مفتی صاحب کا دینی ذہن بنانے میں ان کی تربیت کا خاص دخل ہے۔

جن لوگوں سے مستقبل میں اللہ تعالیٰ کو دین کا کام لینا منظور ہوتا ہے بچپن میں ان کی تربیت کا انتظام اسی طرح ہونا قدرتی نظام ہے۔ جن لوگوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ''آپ بیتی نمبر ایک'' چند تربیتی واقعات ص ۴۳ تا ۵۵ والا حصہ پڑھا ہے وہ جانتے ہیں بچپن میں ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب نے کیسی سخت تربیت فرمائی تب جا کے شیخ ''شیخِ وقت'' بنے ہیں، مفتی صاحب کے والد ماجد عالم نہیں تھے مگر دین دار ضرور تھے وہ بچپن ہی سے اپنی اولاد میں دینی رسوخ پیدا کرنے اور ان کو سادہ طبیعت میں ڈھالنا چاہتے تھے۔

تربیت کے تین واقعے

مفتی صاحب کی تربیت کے تعلق سے والد صاحب کی تربیت کے دو تین واقعات ملاحظہ کیجئے:

(۱): یہ واقعہ قیامِ راندیر کے دور کا ہے، مفتی صاحب کے والد صاحب کی حالت دنیوی معیشت کے لحاظ سے متوسط درجہ کی تھی، ان کے مزاج میں کفایت شعاری رچی بسی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے خانپور سے راندیر دو جوڑے کپڑے سلا کر بھیجے، جس کپڑے سے یہ جوڑے بنائے گئے تھے اس کا شمار گھٹیہ کپڑوں میں ہوتا ہے جس کو گجراتی میں ''مادر پاٹ'' کہتے ہیں، عموماً ''مادر پاٹ'' کا استعمال اس وقت دیہاتی اور غرباء قسم کے لوگ کرتے تھے،

یہ کپڑا امیلا ہونے کے بعد دھونے سے سکڑ جاتا ہے، آج کل کی طرح ناز ونعمت میں پلنے والے طلباء کی طرح اس زمانہ میں پریس شدہ کپڑوں کے پہننے کا دستور بھی نہیں تھا اور نہ ممکن، مفتی صاحب کے پاس جب یہ جوڑے پہنچے پہنتے ہوئے عار وشرم محسوس کی، رفقاء میں سے بعض نے کہا بھی کہ تو ایسے گھٹیہ کپڑا پہنے گا؟ ان کے عار دلانے اور اکسانے سے استعمال نہ کرنے کی رائے میں اور پختگی پیدا ہوئی؛ چنانچہ آپ نے راندیر سے والد صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ "آپ نے جو جوڑے تیار کر کے بھیجے ہیں مجھے پسند نہیں ہے"۔

اس کے جواب میں خانپور سے والد صاحب کا گرامی نامہ بجلی بن کر گرا، جس میں انہوں نے سخت الفاظ میں لکھا "میں نے اپنی حیثیت کے مطابق کپڑے سلا کر بھیجے اگر تم کو پسند نہیں تو وہاں سورت اور راندیر کے درمیان "تاپی" ندی ہے اس میں پھینک دو"۔

چنانچہ بادلِ ناخواستہ ہی سہی پدر کی ڈانٹ پر مادر پاٹ پہننا ہی پڑا۔

مفتی صاحب نے زمانۂ طالبِ علمی میں کبھی بھی غیر حاضری نہیں کی؛ البتہ نو سال میں دو مرتبہ ایسا اتفاق ہوا جس میں آپ کو مجبوراً وطن جانا پڑا۔

(۲): ایک مرتبہ بیمار ہوئے، راندیر علاج کیا، مگر خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو مہتمم صاحب (حضرت مولانا احمد اشرف راندیری) سے اجازت لے کر خانپور آ گئے، گھر پہنچتے ہی والد صاحب نے تعلیم کے وقت پر آنے پر باز پرس وگرفت کی، بیماری کا عذر بتلایا، انہوں نے فرمایا خانپور کے بالمقابل راندیر میں علاج ومعالجہ کے وسائل زیادہ ہیں، وہیں علاج کرانا چاہئے؛ چنانچہ بہت کچھ کہنے کے باوجود ایک نہ سنی، خفا ہو گئے حتی کہ ساتھ میں کھانے بھی نہیں بٹھایا۔ چنانچہ اسی دن مدرسہ واپس کر دیا ایک دن بھی خانپور ٹھہرنے نہیں دیا۔

(۳): دوسری غیر حاضری ایک شادی کے موقع پر ہوئی، ماموں زاد بہن کی شادی

تھی آپ شادی میں شرکت کی خاطر مدرسہ سے اجازت لے کر خانپور پہنچے، والد صاحب سے ملاقات ہوئی، آمد کی وجہ پوچھی، بتلایا گیا مگر وہ آپ کی اس آمد و شرکت شادی سے خوش نہیں تھے، واپس بھیجنا چاہا، رشتہ داروں نے منایا، منت سماجت کی، رشتہ داروں نے کہا ایک دن تو رکنے دیجئے کل چلا جائے گا، مگر کسی کی نہیں سنی اور اسی دن مدرسہ بھیج دیا۔

مفتی صاحب زمانۂ تعطیل میں راندیر سے خانپور آتے تو والد صاحب تعطیل کے اوقات کو وصول کرتے، اس زمانہ میں مفتی صاحب کے والد کے نام ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ سے ہر ماہ آتا رہتا، تعطیل میں صبح کے ناشتہ کے بعد تقریباً گیارہ بجے تک مفتی صاحب کے لئے پابندی تھی کہ مذکورہ رسالہ یا حسبِ منشاء کوئی اور دینی کتاب پڑھ کر سناوے، اس کے بعد ہی چھٹی ملتی ۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

یہاں تو سبق بھی یاد، اعلیٰ نمبرات بلکہ اول نمبر سے پاس پھر بھی زمانۂ تعطیل میں چھٹی نہ ملتی ۔

ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

فراغت کے بعد

اس وقت مدارسِ دینیہ سے فراغت کے بعد مزید تعلیم کے لئے دینی مدارس کے طلبہ مظاہر علوم سہارن پور یا پھر دارالعلوم دیوبند جا کر مزید تعلیم حاصل کرتے، مگر مفتی صاحب کو عربی ادب پڑھنے کا شوق دامن گیر تھا، عربی ادب کی طرف رجحان پیدا ہونے کی وجہ ظاہر تھی کہ آپ نے جن اساتذہ سے علوم عربیہ حاصل کئے تھے وہ خود علم وفن کے ماہر تھے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا سید مصلح الدین صاحب مدّ ظلہ (کی خودنوشتہ تحریر

میں پر گزر چکا کہ انہوں نے خود اپنے والد ماجد سے کیسے پڑھا اور اپنے شاگردوں کو پڑھانے کا کون سا طرز اختیار کر رکھا تھا، مولانا سید مصلح الدین صاحب) کے حالات میں لکھا ہے:

''۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ان کا امتحانِ داخلہ شیخ الأدب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نے لیا اور ۴۸ نمبر دے کر کامیاب کیا، پھر فرمایا ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے؟ انہی کتابوں کو دوبارہ پڑھ لو تو بہتر ہے، چنانچہ شیخ الأدب صاحبؒ کے مشورہ کے مطابق ہدایۃ النحو وغیرہ کتب دوبارہ پڑھی، آپ مفتی صاحب کے عربی دوم کے استاذ ہیں۔

فخرِ گجرات حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ کے ذکرِ خیر میں گزر چکا کہ انہوں نے امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جمویؒ سے نحو اور منطق کی اکثر کتابیں تین سال تک پڑھیں، مفتی صاحب نے آپ سے اور کتابوں کے ساتھ مختصر المعانی پڑھی۔

حضرت مولانا آدم پالن پوریؒ سے مفتی صاحب نے دیوانِ متنبّی پڑھی۔ ''مولانا آدم صاحبؒ کے متعلق ان کے بعض شاگردوں سے سنا کہ عربی لغت وادب میں ان کی نظر وسیع تھی، متنبّی کے درس میں شواہد کے طور پر عربی واردو کے محفوظ اشعار سنایا کرتے تھے؛ بلکہ متنبّی کے درس میں طرزِ بیان اور اندازِ ادا سے محسوس ہوتا کہ مولانا خود متنبّی ہیں''

مولانا آدم صاحب خود ظریف الطبع طبیعت کے حامل تھے، مذکورہ اساتذہ سے عربی زبان کی عملی مشق اور ان کی ظرافتِ طبعی نے عربی زبان کی وحشت اور درسی کتاب کی ثقالت کو دور کر دیا تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب کے حافظہ میں متنبّی کے کئی اشعار محفوظ ہیں، گاہے گاہے بیانوں اور گفتگو کے دوران متنبّی کے اشعار نوکِ زبان پر آجاتے ہیں۔

مثل ہے: ''الشجرۃ تعرف بثمارھا'' یعنی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ مشہور ہے۔

الحاصل درسِ نظامی میں عربی زبان سے تعلق رکھنے والی کتابیں ماہر فن اساتذہ سے پڑھنے سے عربی ذوق پیدا ہو چکا تھا، اپنے محبوب استاذ حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ سے عربی ادب پڑھنے کے متعلق مشورہ کیا، مولانا نے فرمایا حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب سے رابطہ کرنے کے بعد یعنی ان کی وساطت سے ندوۃ العلماء لکھنؤ درخواست بھیجو۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب اس وقت فلاحِ دارین ترکیسر کے فعال مہتمم تھے، عربی ادب میں ان کا ذوق بلند ہے، عربی ہی نہیں بلکہ گجراتی اور اردو زبان پر اچھی گرفت ہے، ان کا اندازِ تحریر بھی شستہ، پاکیزہ اور دل کش ہے، تینوں زبانوں میں ان کی تصانیف موجود ہیں، جو جامعیت اور ادبی دل کشی کی وجہ سے اہلِ علم کے مابین قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

مولانا نور عالم امینی صاحب زید مجدہ نے ان کی مترجم کتاب ''دیوان الإمام الشافعی'' کی تقریظ میں ان کے متعلق لکھا ہے ''ہم عصر گجراتی علماء میں علمی ذوق، تصنیف و تالیف کے مذاق، تاریخ وسیر کے گہرے مطالعہ اور بالخصوص عربی زبان وادب سے بے پایاں شغف کے حوالہ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں'' (۲۱)

ان ہی اوصافِ عالیہ وعلمی خصوصیات کی بناء پر ایک باذوق علمی دوست نے مولانا کے متعلق راقم الحروف سے کہا کہ ''مولانا گجرات کے علی میاں ہیں''۔

ایک ملاقات میں ان کا یہ جملہ راقم نے مولانا سے نقل کیا تو مولانا حسبِ عادتِ شریفہ مسکرانے لگے۔

ندوۃ العلماء سے ان کے روابط رہے ہیں، اس وجہ سے حضرت مولانا پالن پوری مدظلہ نے حضرت مولانا عبداللہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

شوال کی تعطیل میں ترکیسر حاضر ہو کر ندوہ جانے کا مشورہ کرنے اور وہاں کے

امتحان کی تیاری کرنے کے سلسلہ میں مولانا عبداللہ کے نام مفتی صاحب نے خط لکھا تھا، مولانا عبداللہ کی طرف سے جواب آیا۔

مکتوبِ گرامی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی

عزیزم مولوی احمد صاحب　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام میں کل شام ترکیسر پہنچا تو آپ کا مکتوب بھی ملا، سورت کے عالمی اجتماع کے بعد آپ تشریف لائیں گے تو اِن شاء اللہ رسائل ومجلّات بتلاؤں گا، حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ کا گرامی نامہ میرے پاس نہیں آیا، مگر آپ بلاتکلف رسائل حاصل کرلیں، اور حتی الاِمکان فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

مجھے آپ کے اس شغف اور ذوق سے خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو علم وعمل میں ترقی نصیب فرماوے اور دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے، میرے لئے بھی دعا فرماتے رہنا۔ والسلام

اخوکم فی الدین عبداللہ غفرلہ

۱۹/ شعبان ۱۳۸۶ھ ۳/ دسمبر ۱۹۶۶ء

اسی تعطیل میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری سے برابر ربط رہا، بذریعۂ خطوط ندوہ کی تیاری کے متعلق رہنمائی حاصل کرتے رہے، حضرت مولانا پالن پوری مفتی صاحب کے خطوط کا برابر جواب دیتے رہے، ان کے مرقع گرامی ناموں میں سے موقع کی مناسبت سے یہاں صرف چار نقل کئے جاتے ہیں، مولانا کے گرامی ناموں کی سطر سطر سے پدرانہ شفقت اور مربیانہ عنایت کو دیکھ کر اپنے چھوٹوں پر اسلاف واکابر کی شفقتوں کے واقعات کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

نامہ ہائے گرامی حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری

(۱): برادر عزیز سلمہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

تمہارا مرسلہ کارڈ ملا، تم کو جوابی خط لکھنے کی حاجت نہیں ہے، نفس خط ہی لکھ دیا کرو، تمھارا بخار وغیرہ خدا کرے ختم ہو گئے ہوں، سردی سے احتراز کرنا چاہئے، میں فی الحال گھر پر ہی ہوں اور غالباً رمضان بھی یہیں گزرے، یہاں پہنچ کر عجیب کسلان کا دور دورہ رہا، دو چار کے علاوہ کسی کو خط نہیں لکھ سکا۔ آج ہی مولانا عبداللہ صاحب کو لکھتا ہوں، سورت کے اجتماع میں لوگ کثرت سے شرکت کے لئے روانہ ہوئے ہیں، ہم ہی ایک کور باطن اس روح پرور اجتماع سے محروم رہے۔ تاہم زیادہ افسوس بھی نہیں کیونکہ وہاں صرف نام لکھانے کی تقاریر ہوں گی غالباً تم نے شرکت کی ہوگی، اگر تفصیلی رپورٹ لکھ سکو تو اچھا رہے، والد صاحب بھی شرکت کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ جمبوسر کے احوال کیا ہیں اگر ہو سکے تو لکھو۔ تم کو بنامِ ناظم ندوۃ العلماء دار العلوم لکھنؤ ایک خط لکھنا چاہئے جس میں اپنی تعلیم کا مختصر حال لکھ کر معلومات حاصل کرنا چاہئے کہ درجۂ تخصص میں میرا داخلہ ہو سکے گا؟ اور کب تک آنا چاہئے؟ اگر اصول وضوابط چھپے ہوئے ہوں تو منگوانا چاہئے، مولوی عبداللہ صاحب سے بھی اس سلسلہ میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ بہر حال تم کو یہ کام جلد کرنا چاہئے۔

میں بخیر ہوں والد صاحب سے سلام کہو، بھائی سے بھی اور کوئی شناسا پرسانِ حال ہو تو اس سے بھی۔ والسلام۔ مولوی ابراہیم صاحب آچھودی کہاں ہیں معلوم ہو سکے تو لکھو۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ ۶۶/۱۲/۴

مکتوب نمبر (۲)

برادر عزیز سلمہ سلام مسنون

تمہارا ارسال کردہ لفافہ ملا، کاشف احوال ہوا۔ مولوی عبداللہ صاحب پر میں نے

یہی لکھا تھا لیکن اب تو مدتِ خواندگی بھی ختم ہوچکی ہے، اس کے رسل ورسائل کتب وغیرہ نہ لائے ہوں تو اس مشورہ کو سرے سے نکال دو، قرآن وغیرہ کتبِ موجودہ میں گزراوقات کرو۔

(۱) ندوۃ میں اولاً تو سند پیش کرنا نہیں ہوگا بلکہ حسبِ دستور مدارسِ عربیہ داخلۂ امتحان ہوگا، تاہم اگر اس کی نوبت بھی آئی تو اس وقت اس مسئلہ سے نمٹا جائے گا، تم لکھنؤ سے میرے نام تار دے دینا میں فراغت کا سارا سرٹیفکٹ لے کر ارسال کردوں گا، اور موجودہ سند وہاں پیش کرنا ہوگا تو کافی ہو جائے گا، بہرحال اس الجھن میں فی الحال نہ الجھو۔ اہلِ دفتر کی ذہنیت کی غمازی اس سے خوب ہوگی خدا ان کو سمجھے۔

(۲) ایک شریکِ جلسہ نے ڈیڑھ لاکھ کا اندازہ لگایا تھا اس طور پر کہ کل ۸۵ صفیں تھیں، اور فی صف پندرہ سو آدمی تھے پھر بھی کافی لوگ باہر تھے۔

(۳) میں فی الحال بخیر ہوں قرآن عزیز وغیرہ مشاغل میں گزراوقات کرتا ہوں۔

(۴) تم کو لکھنؤ جلد پہنچنے کی سعی کرنا چاہئے، والد صاحب کے حج کے سفر سے پہلے بھی جانا ہو تو تاخیر نہ کرنا چاہئے والد صاحب کب تشریف لے جائیں گے، تاریخ متعین ہوئی یا نہیں، بھائی وغیرہ سے والد صاحب سے سلام اور احباب پرسانِ احوال سے بھی۔ والسلام

سعید احمد پالن پوری ۲۱/۱۲/۶۶ء

مکتوب نمبر (۳)

برادر عزیز سلمکم اللہ سلام مسنون

۲۱/ رمضان کا مکتوب کارڈ پہنچا، اگر تخصص عربی درجہ اول کی وہ نوعیت ہے جو آپ نے لکھی ہے تو پھر تھوڑی سی سعی سے درجۂ ثانی مل جائے گا، اور وہی آپ کے لئے مناسب رہے گا۔

وہاں پہنچ کر رابع صاحب اور علی میاں صاحب سے اولاً ملاقات کی جائے اور

تمام تفصیلی حالات راندیر کے پتہ پر ارقام کیجئے، میں غالباً ۱۰/ شوال تک راندیر پہنچ جاؤں گا۔ والدین اور بھائی صاحبان سے سلام مسنون۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ ۲۸/ رمضان

(۴): برادر عزیز سلمہ سلام مسنون

تمہارا ۴/ رمضان کا مرسلہ کارڈ و نصابِ تعلیم آج ۱۴/ رمضان کو دس یوم کے بعد پہنچا۔ خیر غنیمت کہ پہنچ گیا۔ میرے نزدیک مناسب تمہارے لئے "الإختصاص في الأدب العربي" کی تجویز ہے؛ لیکن کاش ایسا ہوتا کہ تم سنۃ اولی کے نصاب کا مطالعہ از خود کر لیتے اور بقیہ دو سال کے لئے داخل ہوتے۔ مگر مطالعہ کی صورت کیا ہوگی، وطن میں تمھیں کتابیں دست یاب نہ ہوں گی، نہ کوئی آدمی ملے گا جو بتلا سکے۔ البتہ یہ صورت ہے کہ عید کے فوراً بعد وہاں لکھنؤ جا کر پہلے سال کے نصاب کا مطالعہ اچٹتا ہی سہی کر لو اور اس کا داخلۂ امتحان دے کر دوسرے سال میں داخلہ لے لو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر تین سال ہی رہ کر تخصص فی الأدب مکمل کر لو، غالباً صحیح (۳۰) ہے کیونکہ ۱۹۸۵ء کا دستور مطبوعہ ہے، روپئے کی قیمت گھٹنے پر یہاں یہی (۱۵) اضافہ ہو کر (۳۰) ہو گیا ہے، اس لئے ان کو تصحیح کرنا پڑی ہے۔ جمبوسر والوں کا ایک کارڈ ملا تھا، جواب نہ لکھا ہے نہ فرصت ہے، ملاقات ہو تو سلام و دعا کہو۔ دستور ارسال ہے: والد صاحب یا بھائی صاحب کو سرپرست لکھنا چاہئے۔ ۷/ شوال تک جدید طلباء کو حاضر ہو جانا چاہئے اس لئے تم کو ۵/ شوال سے چلے جانا چاہئے، اور غالباً رمضان بعد ملاقات نہ ہو، ہاں وہ لنگڑی سند ضرور لے جانا چاہئے، دستور میں جو سامان لکھا ہے وہ ضرور ہونا چاہئے۔ والسلام

سعید احمد

ندوۃ العلماء لکھنؤ عربی ادب پڑھنے کے لئے درخواست بھیجی تھی، انہوں نے

جواب دیا تھا کہ فراغت کی تصدیق ضروری ہے لہذا برائے تصدیق نامہ اپنے استاذ شیخ محمد رضا اجمیری کی خدمت میں عریضہ لکھا۔

مکتوب مفتی صاحب

ذوالمجد والکرم جامع الکمالات والشیم حضرت مولانا صاحب من اللہ علینابطول بقاء کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون عرض ایں کہ میں بخیر ہوں اور آپ کی خیر و عافیت کا بہ بارگاہِ الٰہی ہر دم خواہاں! دیگر میں نے ندوہ (لکھنؤ) اپنے داخلہ کے لئے ایک خط لکھا تھا، تو وہاں سے جواب آیا کہ تم ایک درخواست لکھ کر بھیج دو جس میں مدرسہ اشرفیہ کے صدر مدرس یا مہتمم کی جانب سے میری فراغت کی تصدیق ہو، اس لئے ساتھ کی درخواست لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کی ہے کہ آپ اس پر تصدیق کر دیں۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ اگر میری طرح اور چار پانچ درخواستیں آ گئیں تو ہی وہ لوگ درجۂ مذکورہ (درجۂ تخصص) کھولیں گے تا کہ اگر ابھی سے پانچ چھ ہوں تو درجہ ختم ہونے تک کم از کم چار طلبہ باقی رہیں، ورنہ ایک دو پر درجہ ممکن نہیں، اور اس صورت میں وہ لوگ مجھے نفی میں جواب لکھ دیں گے۔

تو آپ سے عرض ہے کہ آپ بتلائیں کہ اس صورت میں کونسی راہ اختیار کروں، مجھے بہر صورت اپنی تعلیم آگے بڑھانا ہے، امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرما کر مجھے ممنون فرمائیں گے۔ تصدیق بھی ذرا پر زور الفاظ میں کریں تا کہ ان لوگوں کی توجہ مبذول ہو، آپ کی بڑی کرم فرمائی ہوگی۔

والد صاحب اور بھائی صاحب کی طرف سے سلام قبول کریں، اپنی دعاؤں میں ضرور بالضرور یاد رکھیں۔ فقط والسلام

آپ کا کفش بردار: احمد خانپوری

جواب از مولانا محمد رضا اجمیریؒ

من جانب محمد رضا اجمیری

از راندیر، کنارہ مسجد۔ ۲۵/ رمضان المبارک۔ ۷/ جنوری ۱۹۶۷ء

عزیزم مولوی احمد صاحب دمتم بالخیر والسرور سلام علیکم

بفضلہٖ تعالیٰ یہاں پر خیر و عافیت شاملِ حال ہے، اللہ تعالیٰ سے آپ حضرات کی خیر و عافیت مطلوب ہے۔

مبارک ایام ختم ہو رہے ہیں، دعا فرماتے رہیں دولتِ ایمان؛ نیز سکون واطمینان حاصل رہے۔ حسبِ ارشاد چند جملہ لکھ دیئے ہیں جو کافی ہیں، آپ کے حسبِ شان اگر کچھ زیادہ تفصیل لکھوں تو وہ لوگ اس کو مبالغہ پر محمول کریں گے۔ لہٰذا قصداً اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

اگر درجۂ مطلوبہ میں کامیابی نہ ہو سکے تو کوئی اور درجۂ تخصص جو مناسبِ ذوق ہو اختیار فرمائیں، اس کا تعلق تو آپ کے ذوق سے ہے۔ میرا ذوق تو تخصص فی التفسیر یا پھر حدیث ورنہ فقہ کی طرف ہے۔

آپ کے والد محترم نیز برادرانِ عزیز کو سلام عرض کریں، آپ کے ماموں صاحب کو بھی سلام عرض کریں۔ فقط۔ العاصی: محمد رضا اجمیری

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی ادب پڑھنے کے لئے درخواست

از احمد محمد منشی

مقام پوسٹ: خانپوردہ۔ تعلقہ: جمبوسر۔ ضلع: بھروچ (گجرات)

بہ خدمتِ شریف حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحیۂ مسنونہ عرض معروض ایں کہ میں نے اس سال دارالعلوم اشرفیہ راندیر کا

فضیلت کا مروجہ نصاب ختم کیا ہے، اوراس کی باقاعدہ سند بھی حاصل کی ہے اب میرا ارادہ اپنے تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ کے دار العلوم میں درجۂ تخصص فی الأدب میں داخلہ لینے کا ہے۔

امید ہے کہ آپ میری اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخش کر مجھے اس کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ والسلام منتظرِ جواب احمد خانپوری۔

مضمونِ تصدیق

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى.

امابعد: عزیزم مولوی احمد خانپوری امسال بفضلہٖ تعالی دار العلوم اشرفیہ کے درجۂ دورۂ حدیث سے فارغ ہوگئے ہیں اور بفضلہٖ تعالی اپنے تمام رفقاء پر کافی فائق رہے، درجۂ اول میں پاس ہوگئے ہیں۔ ذوق اور شوق کے اعتبار سے بھی ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔ ان کی قابلیت سے بھی مجھے اچھی امیدیں وابستہ ہیں۔

حررہ: محمد رضا اجمیری، معلم: دار العلوم اشرفیہ۔ ۷/ جنوری ۱۹۶۷ء

درخواست کا جواب از لکھنؤ

عزیز مولوی احمد خانپور وعلیکم السلام

طلبہ کی مناسب تعداد نہ ہونے کی وجہ سے تخصص ادب کا درجہ نہیں کھل سکا ہے، کسی دوسرے مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو یہاں فضیلت دینیات سالِ اول میں داخل کیا گیا ہے۔

اوراس درجہ کے بعض دینیاتی مضامین سے ان کو مستثنیٰ کر کے ان کی جگہ پر ادبِ عربی کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں، ضابطہ کے طور پر ان کا داخلہ فضیلت میں ہے۔ اور سند بھی اسی کی ملے گی اور آپ آنا چاہیں اوراس طرح داخلہ پسند کریں تو آجائیں،

ان شاء اللہ آپ کا داخلہ ہو جائے گا اطمینان رکھیں۔ جواب میں تاخیر کی وجہ بھی یہ انتظار تھا کہ شاید کچھ اور طلبہ آجائیں تو پھر ان سب کے لئے تخصص ادب کا سالِ اول کا درجہ باقاعدہ کھول دیا جائے۔ والسلام۔

ابوالعرفان ندوی۔ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ۶/۲/ ۶۷ء

ندوۃ العلماء سے داخلہ کے انتظار میں دن گزرتے رہے، رمضان المبارک قریب الختم تھا، آئندہ سال کا پروگرام طے کرنے میں فکرمند تھے کہ کیا کروں؟ استاذ محترم مولانا سعید احمد صاحب سے پھر مشورہ کیا، ان کی رائے دیوبند جانے کی ہوئی، انہوں نے ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جو ان کی محبت وشرافت اور شفقت کا آئینہ دار ہے، خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفرِ دیوبند کے لئے کرایہ وغیرہ کا مکمل انتظام نہیں تھا، مولانا نے ہمت افزائی فرمائی، علمائے سلف کے بہت سے واقعات پڑھے اور سنے کہ وہ حضرات اپنی اولاد پر خرچ کرنے کی طرح اپنے شاگردوں پر بلا دریغ خرچ کیا کرتے، اسی نوع کی ایک مثال مولانا پالن پوری نے قائم فرمادی، واضح ہو کہ قیامِ راندیر میں مولانا پالن پوری مدظلہ کا گزارہ مدرسہ سے ملنے والی تنخواہ پر تھا اسی سے گھر چلاتے، ان کے دیگر بھائی دارالعلوم اشرفیہ میں ان کی ماتحتی ونگرانی میں تعلیم حاصل کرتے، ان کی کفالت بھی مولانا کے ذمہ تھی، اس عسرت کے دور کا یہ واقعہ ہے، فتوحات اور ثروت کے دور میں کسی پر خرچ کرنا آسان ہے، لیکن پہلی تاریخ اور تنخواہ کے انتظار کے دور میں کسی پر خرچ کرنا مردانہ ہمت کا کام ہے۔

گرامی نامہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب

ایک لفافہ روانہ کیا تھا مگر ناتمام، یہ اس کا تکملہ ہے۔ اب میرا ذہن افکار سے قدرے سبک دوش ہو سکا ہے۔

(۱) مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے آپ کو راندیر تشریف آوری کے لئے لکھا ہے۔ اگر ارادہ ہو تو بہت اچھا ہے تا کہ ملاقات بھی ہو جائے، لیکن رمضان میں سفر میں پسند نہیں کرتا اس لئے تم کو اس قسم کا مشورہ بھی نہیں دیتا۔

(۲) تم کو ضرور دیوبند جانا چاہئے، والد صاحب ۳۰ دیں گے تو بہتر۔ بقیہ ۲۰ کی سعادت میں حاصل کروں گا، لیکن رقم کی پریشانی سے تعلیم پر کسی قسم کا اثر نہ پڑنا چاہئے۔ بھائی صاحب، والد صاحب سے مشورہ کے بعد مجھے مطلع کرو۔

(۳) اتحاف کی نقل کے لئے بہت ہی مشکور ہوں، رمضان کے بعد ان شاء اللہ اس کی تجلید کرا کر مطالعہ کرلوں گا اور صحیح شکریہ تو اس وقت ادا کروں گا۔

(۴) اس ماہ کے دسمبر کے شمارہ میں معارف میں میرا مضمون صفحات میں شائع ہوا ہے، مگر ۲۰/ دسمبر کو مولوی ابراہیم ودانوی حال مدرس ڈابھیل بمبئی سے تشریف لائے تھے، دو دن رہ کر رات ہی وہ گھر گئے، اور وہ شمارہ پہلے بخاری صاحب کے پاس، پھر مولانا شمس الدین صاحب کے پاس، اور مولوی ابراہیم کو اس وقت ملا جبکہ وہ گھر کے لئے سفر کرنے والے تھے انہوں نے باصرار وہ رسالہ لے لیا اور گھر لے گئے ہیں، اس لئے وہاں سے آنے تک بھیجنا متعذر رہے۔ باقی والدین، بھائیوں سے سلام کہو۔ والسلام

سعید احمد پالن پوری

حضرت مفتی صاحب کے متعلقین احباب و دوستوں سے کہوں گا کہ فتوحات کے اس دور میں مکتوب بالا میں ذکر کردہ عسر کے دور پر بھی نظر رکھیں۔

دار العلوم دیوبند جا کر فنون میں داخلہ کا شوق تھا، دیوبند میں دورہ پڑھنا مقدر میں نہیں تھا اور نہ ارادہ، اس لئے فنون میں داخلہ کے لئے سفارش درکار تھی۔ اس زمانہ میں

حکیم الاِ سلام حضرت قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیو بند) کے دورے ضلع بھروچ میں کثرت سے ہوتے تھے، کاوی (ضلع بھروچ) کے منشی عیسی صاحب (متوفی ۱۹۸۲ء) کے حکیم الاِ سلام سے گہرے روابط تھے، منشی صاحب اگر چہ عالم نہ تھے مگر خداداد صلاحیت واستعداد، اکابرین سے روابط اوران کی توجہ اور دینی کتابوں کے بھر پور مطالعہ کی بنیاد پر خالص دینی مزاج اوراسلامی بصیرت رکھتے تھے، متعدد اکابرِ دیو بند سے ضلع بھروچ کے مستفیض کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے، ان کے ماہنامہ ''پیغام'' نامی گجراتی رسالہ کی متنوع اور ہمہ جہت خدمات ہیں۔

خود منشی صاحب کے حضرت سید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ سے دیرینہ ومخلصانہ تعلقات تھے، مفتی صاحب کے گجراتی فتاوی ''پیغام'' میں شائع ہوتے تھے، پیغام میں فتاوی طبع ہونے سے پہلے حضرت لاجپوریؒ ''راندیر کی بڑی مسجد کے خطیب'' سے معروف ومشہور تھے، حضرت لاجپوریؒ کو ''مفتی'' کے نام سے کوئی نہیں جانتا تھا، ''پیغام'' شائع ہونا شروع ہوا تو حضرت مفتی صاحبؒ عالمِ افتاء میں بحیثیت ''پیغام کے مفتی'' پیغام کے صفحات پر ظاہر ہوئے، فتاوی رحیمیہ کی جلد اول ''پیغام'' میں ہی شائع شدہ فتاوی پر مشتمل ہے، چناچہ مفتی لاجپوری صاحبؒ کے ایماء پر منشی عیسی صاحب نے دار العلوم دیو بند میں داخلہ کے لئے ایک سفارشی تحریر حکیم الاِ سلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے نام لکھی، مفتی صاحب وہ تحریر لے کر خانپور سے رختِ سفر لے کر دار العلوم کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

دار العلوم دیو بند میں

۸/شوال ۱۳۶۶ھ کے اوائل میں دیو بند پہنچے وہاں داخلہ کی کارروائی میں آٹھ دس روز صرف ہوتے ہیں، اس عرصہ میں پھر ایک مرتبہ ندوۃ العلماء سے رابطہ کیا مگر ان کا جواب

وہی کہ ''ہنوز ''تخصص ادب'' کے لئے کسی اور کی درخواست نہیں آئی لہٰذا یہ درجہ نہیں کھل سکے گا'' لہذا وہاں سے ناامید ہوکر دیوبند میں داخلہ لینا طے کرلیا، راقم لکھ چکا ہے کہ جس کا رزق جہاں مقدر ہوتا ہے وہیں ملتا ہے، مفتی صاحب نے عربی ادب پڑھ کر ادیب بننے کا قصد کر رکھا تھا اور اسی کے لئے بہت کچھ تگ و دو کی، مگر ازل سے آپ کے لئے کسی اور میدان میں ''ادیب'' بننے کا فیصلہ ہو چکا تھا، آپ نے زبان وقلم کو شستہ ومہذب کرنا چاہا مگر قسامِ ازل کے ہاں آپ کے لئے دل کے شستہ اور مہذب ہونا اور اس سلسلہ سے مربوط ہونا لکھا جا چکا تھا، ندوہ اور دیوبند کا نقشہ اکبرالٰہ آبادی نے ایک شعر میں خوب عمدہ کھینچا ہے ؎

ہے دل روشن مثالِ دیوبند	اور ندوہ زبانِ ہوش مند

بہرحال ندوہ کے بجائے دیوبند کی نسبت مقدر تھی ''تجری الریاح بما لا تشتھی السفن''

امتحانِ داخلہ

فنون میں داخلہ لینے کے لئے امتحان حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ نے لیا، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گجراتیوں سے مانوس تھے، دارالعلوم چھاپی کے امتحان واجلاس کے لئے آنا جانا ہوتا، مولانا نے پوچھا فنِ منطق میں کون کونسی کتابیں پڑھی ہیں؟ بتلایا مرقاۃ وغیرہ، مولانا نے سلم العلوم اور میبذی کا امتحان لینا چاہا، مفتی صاحب نے یہ کتابیں کبھی دیکھی بھی نہیں، پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

''سلّم العلوم'' قاضی محبّ اللہ بہاریؒ (متوفی ۱۱۱۹ھ) کی تصنیف ہے یہ شخص جملہ علوم کے بحرِ ذخار اور فنِ منطق ومعقول کے امام تھے ان کی اس کتاب نے علمِ منطق کو خاصہ جاندار بنا کر زندہ جاوید بنا دیا ہے، درحقیقت اس میں علامہ بہاریؒ کا علمی اعجاز کارفرما ہے، سلّم تمام مدارسِ عربیہ نظامیہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔

''میبذی'' قاضی کمال الدین میبذی (متوفی ۱۰۶۰ھ) کی تصنیف ہے، شرح الحکمت عرف میبذی بھی درسِ نظامیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

سلّم اور میبذی دونوں کا شمار نہایت مغلق اور ادق کتابوں میں ہوتا ہے، مولانا نے پہلے ''سلّم العلوم'' کھولی اور عبارت پڑھ کر مطالب سمجھانے کا حکم فرمایا، مفتی صاحب نے فرفر عبارت پڑھ دی، اس درمیان مولانا کے پاس کوئی شخص آیا اور مولانا سے باتیں کرنے لگا، مفتی صاحب نے موقع غنیمت سمجھ کر سلّم کا حاشیہ سرسری نظر سے دیکھ لیا پھر عبارت کا مطلب سمجھایا، مولانا نے فرمایا ''اچھا ہے''

سلّم کے بعد میبذی کا امتحان اسی طرح ہوا، دونوں کتابوں میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی کا پروانہ مل گیا اور فنون میں باقاعدہ داخلہ ہو گیا۔

راقم پہلے بھی لکھ چکا ہے کہ مفتی صاحب دورِ طالبِ علمی ہی سے دوسرے اوصاف کی طرح ذہانت و ذکاوت میں اپنے رفقائے درس میں ممتاز خیال کئے جاتے تھے، اس خوبی کی شہادت میں ''سلّم العلوم'' اور ''میبذی'' کا امتحان پیش کر دینا کافی ہے کہ منطق اور فلسفہ جیسے خشک اور مشکل سے مشکل فن کی کتابیں جس کو آپ نے پڑھا بھی نہیں تھا فرفر امتحان دے دیا۔

مفتی صاحب نے دارالعلوم میں دو سال پڑھا، پہلے سال فنون، دوسرے سال افتاء۔

سالِ اول فنون

(۱): مولانا نصیر احمد خاں صاحب دامت برکاتہم کو فنِ ہیئت میں بڑا درک حاصل ہے، ہیئت کے رسالہ ''فتحیہ'' پر حاشیہ لکھا ہے جو دارالعلوم دیوبند کے نصابِ تعلیم میں شامل ہے، مفتی صاحب نے مولانا سے درجِ ذیل کتابیں پڑھیں: (۱) تصریح۔ (۲) شرح چغمینی۔ (۳) رسالہ ماردینیہ۔ (۴) بست باب۔ ایک ہی گھنٹہ میں مذکورہ کتابیں یکے بعد دیگر درساً پڑھیں۔

مفتی صاحب نے فرمایا: ''حضرت الأستاذ اس فن میں ماہر تھے، درس پر لطف انداز سے سمجھاتے کہ مزہ آجاتا، فنِ ہیئت سے کافی دل چسپی پیدا ہوئی، پوری جماعت کو سبق کا تکرار میں ہی کراتا تھا، دارالتفسیر پر ''کرّہ'' (گولا) لے جاکر وہاں ''کرّہ'' کی مدد سے تکرار کراتا تھا، نتیجۃً یہ سب کتابیں اس وقت زبانی یاد ہوگئی تھیں، ایسی یاد کہ کوئی نیند سے اٹھا کر پوچھے تو بھی بتلا دوں، ان کتابوں کے امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی''۔

(۲): مولانا محمد حسین بہاری (متوفی ۱۴۱۲ھ) اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر حلقۂ دیوبند میں نہایت عظمت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، بڑے چھوٹوں سے یکساں مشفقانہ انداز، بے تکلفی، خوش مزاجی اور کبھی کبھی محبت آمیز غصہ کا اظہار جیسی منفرد خوبیوں کے حامل تھے، شب بیداری اور سحر خیزی کے علاوہ باجماعت نماز اور اسباق کے انتہائی پابند تھے، مفتی صاحب نے موصوف سے یہ کتابیں پڑھیں: (۱) شمسِ بازغہ۔ (۲) صدرا۔ (۳) مسامرہ (علمِ کلام میں) (۴) مسلم الثبوت (اصولِ فقہ میں)

(۳): مولانا اسلام الحق کوپا گنجی اعظمی (متوفی ۱۳۹۲ھ) سابق مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل جو بڑے ذی استعداد، یکسو مزاج اور خالص علمی رنگ کے عالم تھے، دیوبند کے زمانۂ قیام میں ملاحسن، میبذی، اور مقدمۂ مسلم کی شرحیں بھی لکھیں، مفتی صاحب نے ان سے اصولِ فقہ میں ''توضیح تلویح'' کا درس لیا۔

(۴): مولانا شریف حسن صاحب دیوبندی (متوفی ۱۳۹۷ھ) (سابق شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل) جن کو جملہ علوم وفنون میں کامل دست گاہ حاصل تھی، طلبہ ان کے درس سے مطمئن ہوکر اٹھتے تھے۔ مفتی صاحب نے مولانا موصوف سے (۱) سبعہ معلقہ (۲) دیوانِ حماسہ۔ ایک گھنٹے میں دونوں کتابیں پڑھیں۔

(۵): مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (متوفی ۱۹۹۵ء) عربی ادب میں سند کی حیثیت کے حامل ہیں، دار العلوم میں عربی ادب کا احیاء اور جدید عربی زبان کی بزم آرائیاں مولانا کی انتھک محنت ہی کی رہینِ منت ہیں، دار العلوم کے واسطہ سے عربی ادب کا جو بھی فیض موجودہ زمانہ میں پہنچا ہے وہ مولانا اور ان کے لائق وفائق شاگردوں ہی کی جدوجہد کا ثمرہ ہے، مولانا اعلیٰ درجہ کے ذہین اور نہایت پرجوش تقریر وتحریر کی صلاحیت کے مالک تھے۔ سابق اوراق میں گزرا کہ مفتی صاحب کو عربی ادب سے بہت دلچسپی تھی اور اس سلسلہ میں دار العلوم اشرفیہ سے فراغت کے بعد ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' عربی ادب پڑھنے کے لئے خوب کوشش کی تھی لیکن عربی ادب تمام نہ سہی تو کچھ نہ کچھ دیوبند میں پڑھنے کا موقع مل ہی گیا، مشہور ہے ''جوئندہ یابندہ'' طلبِ صادق ہو تو کبھی نہ کبھی منزلِ مقصود تک رسائی ہو ہی جاتی ہے۔ فنون کے سال میں باقاعدہ گھنٹوں میں عربی ادب پڑھنا مشکل تھا اس لئے بعد المغرب خارج وقت میں مولانا کیرانوی صاحب کی خدمت میں اور طلبہ کے ساتھ حاضری دیتے، مولانا اپنے مخصوص طرز کے مطابق کاپی میں زبانی عربی جملوں کی مشق کرواتے تھے، مولانا کی پرلطف مشق سے عربی ادب سے تھوڑی بہت مناسبت ہوگئی۔ مالا يدرك كله لا يترك كله۔ شاید اسی کا اثر ہے کہ مفتی صاحب نے بعض عربی استفتاء کے جوابات عربی میں تحریر فرمائے۔

(۶): حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (متوفی ۱۴۰۳ھ) (مہتمم دار العلوم دیوبند) کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے علوم پر کمالِ قدرت حاصل تھی، دار العلوم میں حکیم الاِسلامؒ شاہ صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے چند ابواب کا درس دیا کرتے، حکیم الاِسلام نے یہ کتاب امام

انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی (متوفی ۱۳۶۳ھ) سے پڑھی ہے۔ دارالعلوم کے طلبہ میں سے جن کو اس درس میں شرکت کرنی ہو ان کے لئے ضروری تھا کہ درخواست دیں، جن کی درخواست منظور کی جاتی ان کو درس میں شرکت کی اجازت ہوتی، فنون پڑھنے کے سال میں مفتی صاحب نے حکیم الاِسلام کی شاگردیت کا شرف حاصل کرنے کے لئے حجۃ اللہ پڑھنے کی درخواست دی جو قبول کی گئی، حکیم الاِسلام کے اسفار پے در پے ہوتے رہتے، جب تشریف فرما ہوتے دن میں ساڑھے گیارہ بارہ کے درمیان ''حجۃ اللہ'' کا درس دیتے جب سفر میں ہوتے تو چھٹی، اس طرح ''حجۃ اللہ'' کے چند صفحات پڑھنے کی سعادت ملی۔

(۷): ایک گھنٹہ ''خوش خطی'' میں تھا، مفتی صاحب تحریر کی نوک پلک درست کرنے کا کام قیامِ دارالعلوم اشرفیہ راندیر ہی میں سیکھ چکے تھے، آپ کے فارسی کے استاذ مولانا یوسف بودھانیہ خود ایک خوش خط استاذ تھے، اس کا اثر شاگرد پر پڑنا ظاہر ہے، اشرفیہ کے مہتمم صاحب بھی تحریر کی درستگی پر بہت زور دیتے اور گرفت فرماتے تھے، مہتمم صاحب بہ ذاتِ خود طلباء کی سلیٹ اور کاپیاں منگا کر چیک کرتے، اور غلط املاء کی اصلاح کرتے، بالخصوص نام کی درستگی پر بہت ٹوکتے اور خود صحیح نام کے کئی نمونے تحریر فرما دیتے۔

دارالعلوم کے کاتب صاحب نے حروفِ تہجی تحریر کروانے میں کئی دن نکال دیے حرفِ ''جیم'' تک کاتب صاحب کے پاس سیکھا پھر چھوڑ دیا، کاتب صاحب نرم مزاج تھے۔

مفتی صاحب کے قیامِ دارالعلوم کے پہلے سال کے اساتذہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے وقت کی بلند پایہ اور گراں مایہ علمی شخصیتوں کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی سعادت حاصل ہوئی، ان میں بعض نابغہ شخصیتیں اپنے فن میں امام ہیں کہ جن کی بعض تصانیف دارالعلوم کے نصاب میں داخل ہیں۔

ندوہ العلماء میں داخلہ مقدر نہ ہونے کی مصلحت بھی سمجھ میں آ گئی کہ اگر وہاں داخلہ ہوتا تو صرف ایک فن ''عربی ادب'' سے حصہ پاتے، لیکن دار العلوم میں ایک ہی سال میں متعدد فن کے ماہرین کے متعدد چشموں سے فیض یاب ہوئے، یعنی علمِ ہیئت، علمِ کلام، اصولِ فقہ، احکامِ شرعیہ کے مصالح و حکمتیں وغیرہ علوم حاصل کئے، مستقبل میں فتاوی نویسی کے دور میں ان ہی علوم سے مدد لینے کی ضرورت پڑنے والی تھی، فنون کے سال یعنی ۱۳۸۶ھ کے سالانہ امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔ کتابوں کے نام اور حاصل کردہ نمبرات حسبِ ذیل ہیں۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات	نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	صدرا	۴۸	۸	شرح چغمینی	۴۴
۲	تصریح	۴۵	۹	مسلم الثبوت	۴۷
۳	مسامرہ	۴۸	۱۰	بست باب	۴۵
۴	توضیح تلویح	۴۵	۱۱	شمس بازغہ	۴۷
۵	حماسہ	۴۰	۱۲	سبعہ معلقہ	۴۰
۶	تمرین تقریری	۴۵	۱۳	تمرین تحریری	۴۴
۷	حجۃ اللہ	۴۰	۱۴	خوش خطی	۳۵

بزرگوں کی مجالس میں حاضری

اسلام کے قرنِ اول سے آج تک ہر زمانہ میں اللہ کی مخلوق کی تعلیم و تربیت اور اصلاحِ اعمال و اخلاق کے لئے علماء صلحاء اور اہل اللہ کی مجلسیں نسخۂ اکسیر ثابت ہوئی ہیں،

علمائے دیوبند میں بھی مجالس کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب (مجاز حکیم الأمت حضرت تھانویؒ) کی مجالس بڑی عالمانہ، پروقار اور مفید ہوتیں، دار العلوم کے اساتذہ اور طلباء اس میں متعدد سوالات کرتے اور حضرت بے ساختہ سبھوں کا تسلی بخش جواب دیتے، یہ مجلس شام کے وقت بعد العصر منعقد ہوتی، مفتی صاحب اس میں اہتمام سے شرکت فرماتے، حکیم الاِ سلام کے ایک گرامی نامہ میں جو جناب منشی عیسی کاوی والے صاحب کے نام تحریر فرمایا اس میں خود حکیم الاِ سلام نے اس کا ذکر فرمایا ہے، منشی صاحب نے اس کا تذکرہ مفتی صاحب کے نام ایک خط میں کیا تھا وہ یہ ہے۔

مکتوب منشی عیسی بھائی صاحب کاوی بنام مفتی صاحب

۸۶ ۷ از کاوی مؤرخہ ۱۷/ مارچ ۔۵/ ذی الحجہ۔

مکرمی جناب مولانا احمد صاحب خانپوری زید مجدکم۔

بعد سلام مسنون طالبِ خیر بہ خیر ہے، محبت نامہ موصول ہوا، آپ کے امدادی داخلہ سے مسرت ہوئی، حضرت مہتمم صاحب کا گرامی نامہ بھی آپ کے عنایت نامے کے ساتھ ہی ملا تھا، آج ان کی خدمت میں بھی شکریہ کا خط لکھ دیا ہے، ہاں حضرت مہتمم صاحب کے پہلے خط میں ارشاد تھا کہ ’’شام کی مجلس میں مولوی احمد شرکت کرتے ہیں جو بالکل خالص دینی مذاکرہ پر مشتمل ہوتی ہے‘‘ آپ اس پر عمل فرمائیں، آپ کی علمی ترقی کے لئے مفید ہوگی، امید کہ مزاج سامی بہ خیر ہوں گے، ہاں محترم جناب مولانا مہتمم صاحب کی خدمت میں بھی سلام پہنچائیں۔ فقط۔

نیاز مند عیسی بھائی

مفتی صاحب کے فنون والے سال حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں

پوری (متوفی ۱۳۹۶ھ) کے قیامِ دارالعلوم کا آخری دور چل رہا تھا، گجراتی طلباء حضرت مفتی مہدی حسن صاحب سے زیادہ مانوس تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ مفتی مہدی حسن صاحب کو ان کے استاذ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (متوفی ۱۳۷۲ھ) نے فراغت کے بعد گجرات کی موقّر درس گاہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔سورت بھیج دیا تھا، گجرات میں مدتِ مدیدہ تک افتاء اور تدریس کی خدمت انجام دے کر اہلِ گجرات کو اپنے علم وعمل سے گرویدہ کر چکے تھے، حسنِ اتفاق کہ مفتی صاحب بھی اسی ادارہ کے فارغ التحصیل تھے جس میں مفتی مہدی حسن صاحب خدمت انجام دے چکے تھے، اس لئے مفتی صاحب سے انسیت اور زیادہ ہوگئی تھی، گجراتی طلباء کے ساتھ مفتی صاحب کو بھی ان کی خدمت اور مجالس میں حاضری کی سعادت میسر ہوئی۔

مفتی صاحب کے دارالعلوم میں داخلہ لینے کے سترہ ماہ پہلے ماہِ جمادی الأولی ۱۳۸۵ھ میں فقیہ الأمت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحبؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ) کا کانپور سے دارالعلوم دیوبند میں ورودِ مسعود ہو چکا تھا، مفتی صاحب نے فنون میں داخلہ لیا تھا، حضرت فقیہ الأمت صاحب سے اس سال کوئی کتاب پڑھنے کا موقع نہیں ملا اس لئے کوئی خاص شناسائی نہیں ہوئی، ہم وطن گجراتی رفقاء کے ساتھ کبھی کبھی حضرت فقیہ الأمت کی قیام گاہ (مسجدِ دارالعلوم سے متصل کمرہ ۱۴ جسے عرصہ تک شیخ الأدب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ جیسے بزرگ کے قیام کا اعزاز حاصل رہا) میں حاضری کی سعادت ہوتی رہی، اسی حاضری کی برکت کہئے کہ بعد کے سالوں میں فقیہ الأمت سے ایسا تعلق ہوا کہ شاید و باید۔

اساتذہ راندیر سے ربط

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

حضرت مفتی صاحب کی علمی ترقی میں اساتذہ کی توجہ ودعا کا خصوصی دخل ہے، اس کی شہادت، مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے بایں الفاظ دی ہے:

''اپنے اساتذہ بالخصوص مولانا اجمیری صاحبؒ کے منظورِ نظر اور چہیتے شاگردوں میں سے رہے ہیں، حضرت مولاناؒ کی خاص نظر تھی ان پر''۔

(حدیث کے اصلاحی مضامین کی تقریظ ۱/۲۳)

قیامِ دیوبند کے زمانہ میں راندیر کے اساتذہ وبزرگوں سے خط وکتابت کا تعلق مسلسل قائم رہا، ان حضرات کو بھی مفتی صاحب کے حالات اور علمی مشاغل سے بزرگانہ وپدرانہ دلچسپی تھی، ان حضرات کے مکتوبات پڑھنے سے ان کی پدرانہ شفقت اورمربیانہ عنایت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اکابرین کے واقعات میں باربار پڑھا اور سنا تھا کہ اس زمانہ میں شاگردوں کا تعلق اپنے اساتذہ سے محدود ومشروط اور صرف حلقۂ درس تک مقید نہیں ہوتا تھا، ان کا تعلق سعادت منداولاد کا، جانثار خادموں کا سا بھی تھا، خطوط سے اس تعلق کا بھی اندازہ ہوگا۔

اساتذہ کے خطوط میں بطورِ نمونہ چند پیش کئے جاتے ہیں۔

مکتوبات حضرت مولانا مفتی عبدالغنی کاوی صاحبؒ

مکتوب نمبر ۱

حامداً ومصلیاً ومسلماً   ازعبدالغنی کاوی مدرس اشرفیہ راندیر

مکرم مولوی احمد صاحب زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمداللہ بندہ بالخیر اور آپ کی خیریت مطلوب، گزشتہ کل بمؤرخہ: ۸/ مارچ ۱۹۶۷ء

چہار شنبہ آپ کا کوائف نامہ موصول ہوا، مہتمم صاحب (قاری طیب صاحب) کی بے التفاتی سے قلق ہوا، منشی صاحب کے سفارشی خط کے باوجود بے توجہی یاللعجب!

فنونات میں اور صفِ عربی میں داخلہ سے مسرت ہوئی، خداوند قدوس آپ کو کامیابی سے نوازے، دولت علم سے مالا مال کرے آمین۔ اگر افتاء کی مشق کا موقع ملے تو بہتر اس بہانہ سے کتب فقہ نظر سے گزر جائے گی۔ وقت کی قدر کیجئے، سیاح، آوارہ لڑکوں کی رفاقت سے اجتناب کیجئے، آپ سمجھ دار ہیں، عاقل را اشارہ بس است۔ باقی بدستور ہے۔ مولانا اجمیری صاحب ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں۔ فقط

عبدالغنی احمد کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر سورت

مکتوب نمبر۲

از عبدالغنی کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر بمؤرخہ: ۲۳/محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

مکرم مولوی احمد صاحب زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعائے ترقی علم وعمل بندہ بحمد اللہ بالخیر ہے، اور آپ کی عافیت مطلوب ہے۔

بمؤرخہ: ۲۷/ اپریل ۱۹۶۷ء آپ کا کوائف نامہ صادر ہوا، سہ ماہی کے لیے خوب تیاری کیجئے تاکہ اعلیٰ نمبر حاصل ہوں، اساتذہ کی قابل ضبط باتوں کو تحریر کر لیجئے، تاکہ ہمیشہ کارآمد ہوں، مقصد پیش نظر ہو، الحاصل آپ کا وقت بے حد قیمتی ہے۔ عاقل را اشارہ بس است۔ حضرت مہتمم صاحب سنا ہے کہ آج وہاں سے سوار ہوں گے، ہفتہ عشرہ میں إن شاء اللہ العزیز پہنچ جائیں گے، بعدہٗ ایک خط آپ ان کے نام خیریت دریافت کرنے کا ارسال کیجئے، ان کے آنے کے بعد ہی امتحان إن شاء اللہ ہوگا۔ فقط والسلام جملہ اساتذہ کی جانب سے سلام۔

بندہ عبدالغنی کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر

مکتوبات حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحبؒ

مکتوب نمبر (۱)

عزیزم مولوی احمد حفظکم الله تعالی الاحد الصمد.

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

گرامی نامہ ملا، یاد فرمائی کا شکریہ، مجھے آپ کا حال معلوم ہوگیا تھا، خیر بہت اچھا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مقدس سرزمین میں پہنچادیا، امید ہے کہ آپ کی نیک طبیعت وہاں کی تاریخی عظمت کو ضرور ملحوظ رکھے گی۔

عموماً محیط ماحول سے کبھی کبھی طبیعت میں کچھ کدورت پیدا ہوجایا کرتی ہے، مگر سمجھ دار شخصیتیں ایسی چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی ہیں آپ اپنے اصلی مقصد کو ملحوظ رکھئے۔

آپ کے برادر کل تشریف لائے تھے، والدین کو پہونچانے کے لیے آئے تھے، اچھا کیا کہ آپ نے فنون میں شمولیت کی، وہاں کی زندگی تو کچھ مجاہدانہ ضرور ہوگی مگر دراصل زندگی کا یہی رخ نہایت مفید ہوتا ہے۔

سب احباب بخیریت ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، دعا فرماتے رہیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اگر ممکن ہو تو سلام عرض کریں، اور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں بھی سلام عرض کریں بشرط امکان، دیگر احباب نہ معلوم آپ کے ساتھ کون ہیں۔ فقط

منجانب: رضا اجمیری از راندیر مدرسہ اشرفیہ ۷/۹/۶۷ء

مکتوب نمبر (۲)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والسرور.

سلام مسنون

الحمد للہ کہ آپ بخیر و عافیت ہیں، یہاں پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ خیر و عافیت شامل حال ہے۔ آپ کی یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ سب احباب یاد کرتے ہیں اور دعاء کے لیے کہتے ہیں۔ آپ کی خیر خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے، بلا ضرورت خط تحریر کرنا فضول ہے، آپ کے مخلصانہ جذبات مجھے معلوم ہیں، آپ نے تو مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے، اکثر اوقات آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آپ بھی کبھی کبھی دعاء میں یاد فرماتے رہیں۔

مولانا آزاد مرحوم کے تحریر کردہ اشعار یاد آتے ہیں (۱)

می بینمت عیاں و دعا می فرستمت الخ

آپ کی طبیعت کی حالت آپ نے تحریر نہیں فرمائی نہ معلوم اب وہ عارضہ ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ اس کو دفع فرمائے، رشید احمد کے لیے دعا فرماتے رہیں وہ بھی سلام عرض کررہے ہیں، ۱۵/ اپریل ۱۹۶۷ء آپریشن آنکھ کا ایک سال پورا ہوگیا، نہ معلوم آپ کونسے درجے میں شامل ہوگئے ہیں، استفادہ کا اچھا موقع ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، یہاں کے متعلق کوئی کام ہو تو ضرور تحریر کریں۔

منجانب: محمد رضا اجمیری ۲۰/ اپریل ۱۹۶۷ء ۹/ محرم ۱۳۸۷ھ جمعرات

---

(۱) امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ اور صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے خطوط کا مجموعہ ''کاروانِ خیال'' کے نام سے چھپا ہے، اس میں ایک دوسرے کی یاد پر محبت بھرے اشعار مرقوم ہیں ان میں سے مولانا آزادؒ کا ایک شعر ہے:

اے غائب ازنظر کہ شدی ہم نشین	دل می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

ترجمہ: اے نظر سے غائب جو دل کا ہم نشین ہو چکا ہے۔

میں تجھے بالمشافہہ دیکھتا ہوں اور تجھے دعا دیتا ہوں

(کاروان خیال ص:۱۲۳)

مکتوب نمبر (۳)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والبرکۃ والسرور

سلام مسنون مؤمن کا بہترین تحفہ ہے۔

التفات نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ میں بھی جویان احوال تھا اور سوچتا تھا کہ طبیعت کا کیا حال ہوگا، والا نامہ سے اطمینان وسکون حاصل ہوا الحمد للہ، یہاں پر بھی سب احباب بخیر وعافیت ہیں سلام عرض کرتے ہیں اور دعاء کے لیے خواہشمند ہیں، طلباء دورہ بھی یاد کرتے ہیں، مولانا عبد الغنی صاحب، حکیم صاحب، مولانا سعید وغیرہ حضرات بخیر ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، یہاں پر بھی بارش کا سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ چالو ہے، لوگ خوشحال ہیں، گزشتہ سال جہاں جہاں پانی کی وجہ سے پریشانیاں تھیں وہاں پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ خوب خوب بارش ہوئی۔ فلہ الشکر والحمد. ای غائب از نظر الخ (۱) کا مطالعہ فرما لیجئے، دعاء فرماتے رہیں، کہ اللہ تعالی آلائشات دنیا سے محفوظ رکھے۔ احباب کو سلام عرض کریں فقط۔ عجیب آپ کو خط لکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کا کارڈ جوابی تھا۔

مکتوب نمبر (۴)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والسرور

سلام مسنون کے بعد

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، آج آپ کا یہ کارڈ سامنے آ گیا جس نے آپ کی یاد تازہ کردی، بفضلہٖ تعالیٰ یہاں پر سب خیر وعافیت ہے اللہ تعالیٰ آنجناب کو بھی مع الاحباب بخیر و عافیت رکھے، امسال خلاف عادت نہایت شدید بخار کا حملہ ہوا تھا طبیعت نہایت

---

(۱) ص..... پر جو شعر گزرا اس کی طرف اشارہ ہے۔

کمزور ہوگئی تھی ابھی کچھ اثر ہے، الحمد للہ اب ٹھیک ہوں، نہ معلوم آپ کی کیا حالت ہے، ہوسکے تو معلومات سے نوازیں بیماری میں آپ یاد آجاتے ہیں کیونکہ آپ بیماری کے رفیق شفیق ہیں، سب احباب بخیریت ہیں سلام عرض کرتے ہیں، مولوی حمید صاحب افریقہ تشریف لے جارہے ہیں اسی ہفتہ میں چلے جائیں گے، احباب کو سلام عرض کریں۔ فقط

منجانب: محمد رضا اجمیری از مدرسہ راندیر ۸/اکتوبر ۶۷ء

مکتوب نمبر (۵)

عزیزم مولوی احمد صاحب دمتم بالخیر والکرامۃ

سلام مسنون کے بعد

نوازش نامہ موصول ہوکر مسرت افزائے خاطر فاتر ہوا یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، یہاں پر چھٹی ہوگئی ہے، جلسے بھی ہوگئے ہیں، حضرت قاری صاحب تشریف لائے تھے معلوم ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ حقیقی اور مجازی دونوں امتحانوں میں کامیاب رکھے اور خوب کامیاب رکھے، قیام فرمانے کا ارادہ بھی بہت ہی مبارک ہے، حضرت شیخ زکریا کی خدمت میں رہیئے، ایسا موقع پھر بار بار کہاں میسر ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ موقع دیا ہے، اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے، مجھے بھی دعاؤں میں شامل فرماتے رہیں۔

مولوی ابراہیم آچھودی صاحب کو سلام عرض کریں نہ معلوم ان کا کیا ارادہ ہے، وہ تو "المنھومان لا یشبعان" میں سے ہیں دعا کرتا ہوں، حکیم دیولوی صاحب کو بھی سلام پہونچا دیں، اب بفضلہٖ تعالیٰ طبیعت اچھی ہے، نہ معلوم آپ کا کیا حال ہے، یہاں پر کچھ معمولی سی سردی محسوس ہورہی ہے، رشید احمد سلام عرض کرتے ہیں اور یاد کرتے ہیں، دیگر احباب کو بھی سلام عرض کریں۔ فقط

منجانب: محمد رضا اجمیری از راندیر اشرفیہ ۱۷/نومبر ۶۷ء ۱۴/شعبان ۸۷ھ

مکتوب نمبر (۶)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والبرکۃ

سلام مسنون کے بعد

آج عنایت نامہ عنبر شمامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، آنے جانے والوں سے احوال معلوم ہوتے رہتے ہیں، مکتوب بھیج کر مزید وقت لینا مناسب نہیں سمجھتا ہوں، کیونکہ جس مقصد کے لیے آپ نے سب کچھ چھوڑ دیا ہے اس میں اتنی خلل اندازی بھی ایک جرمِ عظیم ہے، جس کا ارتکاب ناگوار سمجھتا ہوں۔

بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت شیخ زکریا دامت برکاتہم سے تعلق جوڑ دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک لائن سے اتصال ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس نورانی خزانہ کے انوار سے قلب وروح کو روشن فرمائے، اور ظلماتِ نفسانی سے؛ نیز کدورات شیطانی سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اس مستغرق فی الغفلت کو بھی کبھی کبھی دعاء میں یاد فرماتے رہیں۔

آپ کے برادر منشی ابراہیم صاحب کا بھی کبھی کبھی خط مل جاتا ہے، ان ہی کے خط سے معلوم ہوگیا تھا کہ آپ سہارنپور تشریف لے گئے تھے، اور سب خیر وعافیت شامل حال ہے، سب احباب سلام عرض کرتے ہیں، سیلاب کے احوال سے تو آپ کو واقفیت ہوگئی ہوگی۔

مولانا عبد الرحیم صادق صاحب کا انتقال ہوگیا ہے ان کے لیے بھی دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔ رشید احمد بخیریت ہے، سلام عرض کرتا ہے۔

مکتوبات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ

مکتوب نمبر (۱)

از راندیر ضلع سورت

عزیزم مولوی احمد خانپوری وحکیم صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

بعدسلام مسنون! خط مشترک موصول ہوا، خیریت معلوم ہو کے خوشی ہوئی اور داخلہ کی اطلاع نے مزید مسرت پیدا کردی، حق تعالیٰ مبارک کرے اور دینی اور دنیوی مقاصد پورے فرمائے آمین۔

طبیعت ٹھیک ہورہی ہے، انجکشن چار لگے، دس کا کورس ہے، کچھ ہمت وطاقت آتی نظر آرہی ہے، فالحمدللہ۔

سامرودی نے مجاہد کا فتوی غیر مقلد کے عقائد کے بارے میں دیکھا تو غضبناک ہوکر اشتہار نکالا ہے، خوب بکواس کیا ہے، جواب کا سلسلہ شروع کرنا ہے، حق تعالیٰ ہمت عطا فرمائے، آمین۔ ایک بات کی تحقیق مطلوب ہے، کتاب دیکھنے کی ہمت نہیں ہے، ہوسکے تو خود مفتی محمود حسن صاحب سے معلوم کرلینا۔

زید کی وفات ہوئی وارثوں میں صرف بیوی ہے، اوردادی کا بھتیجا ہے تو یہ بھتیجا رشتہ میں زید کا کیا ہوگا، میرا خیال ہے کہ نہ تو عصبات میں سے ہے، نہ ذوی الارحام میں سے۔ کیا یہ صحیح خیال ہے مکمل تحقیق کرکے لکھئے گا، اپنا پتہ بھی لکھئے گا، حکیم صاحب راندیر تشریف لائے اور ملاقات نہ ہوسکی، اس کا افسوس مجھ کو بھی ہے۔ فقط والسلام

مولوی ولی سلام عرض کرتے ہیں دونوں وقت آتے ہیں، مولوی دیوان لاجپوری جامعہ سے فارغ ہوئے ہیں، حافظ ہونے کے لیے راندیر وہ بھی آتے ہیں۔

سیدعبدالرحیم

مکتوب نمبر (۲)

ازراندیر، ضلع: سورت

بعدسلام مسنون! عافیت طرفین مطلوب۔

محبت نامے نے شاد کیا مؤرخہ: ۳ کو بچوں کے ساتھ بمبئی پہونچا تھا، خسر صاحب مظفری میں تشریف لائے، مظفری بجائے ۴/ اپریل چھ کو آیا، اس لیے شنبہ کو ہم نوساری آئے، اور اتوار ٹھہر کر شبِ دوشنبہ کو راندیر پہنچا، بچے نوساری میں ہیں، ان کے نانا بمبئی میں بیمار ہو گئے اتوار تک آئینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کی یاد ہمیشہ رہتی ہے اس لیے خواب کا قصہ تعجب خیز نہیں، مولوی ولی سلمہ چند روز سے نزلہ حرارت میں مبتلا ہیں، مجاہد دیکھتے ہوں گے؟ سامرودی کا اشتہار نکلا تھا، اس کا جواب شروع کیا ہے چوتھی قسط چھپنے گئی ہے، تمام اعتراضات کا جواب دینے کا عزم کرلیا ہے، حق تعالیٰ ہمت، صلاحیت، توفیق، صحت عطا فرمائیں اور مدد شامل حال رہے دعا کیجئے گا۔

سنا کہ مولوی ابراہیم آچھودی صاحب، حضرت شاہ صاحبؒ کا فارسی رسالہ لائے ہیں، اگر مل جائے تو بھیجد یجئے گا، انوار الباری کا سلسلہ کیوں رکا ہوا ہے، چھپ گیا ہو تو ضرور بھیجئے گا، گرمی شدت کی ہے، دہلی سے کل ہی خط ملا ہے، دو ہفتہ کے بعد کتابت کا کام شروع ہوگا مسلسل جاری رہے گا، طباعت لیھتو پر ہونا طے پایا ہے، دہلی جانا ہو تو حضرت مولانا سے ضرور ملیں الخ۔

مکتوب نمبر (۳)

عزیزانِ من سلمکم اللہ وعافاکم۔

بعد سلام مسنون! بندہ خیریت سے ہے، حضرت والد صاحب بھی خیریت سے ہیں، ناقلین فتاوی آتے ہیں اور بڑی دلچسپی سے کام کرتے ہیں جتنا بھی ان کا شکریہ ادا کیا جائے کم ہوگا۔

آپ لوگوں کی عنایات کی وجہ سے کام میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، ورنہ بندہ کا

حال تو سب کو معلوم ہی ہے، مولوی احمد آچھودی اور مولوی عمر جی صاحبان کی دعوت پر کل بمعیت مولانا اجمیری صاحب ومولوی سعید راندیری صاحب بذریعہ ٹیکسی آچھود اور آمود ہوآیا، صبح ۹ بجے گئے تھے، رات آٹھ بجے واپس آئے، کھانا آچھود میں کھایا، پھر آمود زکریا مسجد میں جمعہ ادا کیا، خطبہ اور نماز میرے ذمہ تھا، بعد میں دونوں حضرات کی تقریر ہوئی اور بندہ نے طلباء کو قرآن پڑھا کر مدرسہ کی ابتداء کردی، منشی عیسیٰ بھائی وغیرہ دور دور کے حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، دہلی سے لکھا ہے کہ تمام کاپیاں پریس میں جاچکی ہیں، مگر پروف نہیں ملتے۔ فقط والسلام سید عبدالرحیم غفرلہ

مکتوب نمبر (۴)

عزیزی سلمہ

بعد سلام مسنون! آج آپ کا خط ملا دو روز قبل کتاب ملی جزاکم اللہ آج بھائی ابراہیم کا خط ملا اور کل مولوی سید سجاد نے خبر سنائی کہ خانپور میں آپ کے والد بزرگوار دارفانی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، ماشاء اللہ کان ومالا یشاء لایکون. حق تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور قبر کو نور سے مملوء فرمائے، اور قبر پر بارانِ رحمت کا نزول ہوتا رہے، آمین بجاہ سید المرسلین اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرماوے۔

فردوس اعلیٰ بود جائے او	۞	بہشت بریں باد ماوائے او

عزیزم:

ہر آنچہ زاد بنا چار باید نوشید	۞	از جام دہر مئے کل من علیھا فان
اصبر لکل مصیبة وتجلد	۞	واعلم بان المرأ غیر مخلد

اذاذكرت مصيبةً تسلوبها	۞	فاذكر مصابك بالنبی محمد

عزیزی! یہ دار فانی ہے کسی کو بقاء نہیں کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

رأيت الدهر مختلفا يدور	۞	فلا حزن يدوم ولا سرور
وقد بنت الملوك ولها قصور	۞	فلم يبق الملوك ولا قصور

عزیزی! یہ مقام بڑا نازک ہے، بجز صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال	۞	صد سالہ می تواں بتمنا گریستن

بہر حال والد صاحب کو دنیا چھوڑنی تھی، ہم سے ان کو جدا ہونا تھا اور ہم کو ان سے جدا ہونا لکھا تھا۔

لوكانت الدنيا تدوم لواحد	۞	لكان رسول الله فيها مخلدا

خدا نے ایمان کی دولت سے نوازا، حج نصیب کیا، اولاد میں آپ کو عالم بنا کر صدقۂ جاریہ کی صورت کرلی، وفات کے لیے یومِ جمعہ نصیب کیا، ان امور کو سامنے رکھئے تو حق تعالیٰ سے امید ہے کہ صبرِ جمیل کی دولت سے نوازے جاؤ گے۔

لاتقل فيما جرى كيف جرى	۞	كل شئى بقضاء وقدر

مرحوم نے اچھا مقام حاصل کرلیا۔ "الموت جسر يوصل الحبيب الى الحبيب" اس لیے فرمایا گیا "تحفة المؤمن الموت" خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جمیع متعلقین کو بھی۔ ادعوالله تعالیٰ ان يفرغ على قلوبكم صبراً جميلاً وعلى من فقدتم اجراً جزيلاً بلطفه ورحمته۔ آمین فقط والسلام

دعا گو و دعا جو شریک غم بندہ! سید عبد الرحیم لاجپوری غفرلہ

عزیزم مولوی ولی سلمہ کو سلام کہئے، کل میں نے ان کو خط لکھا ہے۔

مکتوب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

مکتوب نمبر (۱)

برادر عزیز اعظم الله اجرك

السلام علیکم ورحمة الله

والد صاحب کے انتقال پر ملال پر خیال تھا کہ آپ مکان آئیں گے، اس لیے تعزیت نامہ مکان کے پتہ پر لکھنے کا ارادہ تھا، اس خیال میں رہا کہ آپ کی آمد کی اطلاع ملے تو لکھوں، مگر کل گزشتہ حکیم احمد دیولوی جامعہ کے ختم بخاری میں تشریف لائے تھے، جن سے معلوم ہوا کہ آپ نہ آئیں گے، اس لیے اب دیوبند ہی کے پتہ پر لکھ رہا ہوں۔

برادرم! یہ دنیا دار الارتحال ہے، ہر شخص دار القرار کی طرف رواں، دواں ہے، نہ کوئی کسی کو روک سکتا ہے، نہ جانے کے بعد واپس لا سکتا ہے۔ ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال	۞	صد سال می تواں بتمنا گریستن

اللہ پاک حی وقیوم لایزال کے لیے ہی بقاء ہے، باقی بندوں کے لیے فناء امر تقدیری ہے، تاہم حزن ضرور ہوتا ہے، اور اسی پر اللہ پاک نے صلات وانعامات کا وعدہ فرمایا ہے، امید کہ آپ نے ضرور صبر واصطبار سے اس موقع پر خوب خوب ثواب حاصل کیا ہوگا۔ اور مجھے طبعی طور پر اس لیے زیادہ صدمہ ہوا کہ اس کی زد زیادہ آپ پر آئی کیونکہ دوسرے بھائی بڑے ہو گئے، صرف آپ ہی بے بال و پر ہیں، لیکن یہ خیال کر کے کہ والدہ محترمہ بقید حیات ہیں تو یہ سب سے بڑی نعمت ہے اور کسی درجہ میں والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی کی تلافی فرما دیں گی۔

میں نے ایصال ثواب کیا بھی اور آئندہ بھی کروں گا، آپ کو بھی اس طرف خاص

توجہ رکھنی چاہئے، کیونکہ اموات کو احیا سے اسی کی آس رہتی ہے۔ اللهم اغفر له وارحمه وسكنه في الجنة۔

میں یکم نومبر کو گھر کے لیے روانہ ہو جاؤنگا۔ مدرسہ کا جلسہ ۳۱/۱۰/ ۶۸ کو ہے، رمضان میں گھر ہی رہوں گا، بعد رمضان ممکن ہوا تو اس طرف آؤنگا۔

میرے گھر کا پتہ یہ ہے: سعید احمد پالن پوری بنگلہ والے، مقام، ڈبھاڑ، پوسٹ، جونی سیندھنی، وایا کھیرالو، ضلع مہسانہ (شمالی گجرات)

والسلام: سعید احمد عفا عنہ پالن پوری ۲۱/۰۱/ ۶۸ء

سالِ دوم افتاء

گذشتہ سال فنون میں داخلہ لے لیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی، فنون کی کتابوں میں معیاری نمبرات حاصل کرنے کی وجہ سے حوصلہ بڑھا، دوسرے سال یعنی شوال ۱۳۸۷ھ کا آغاز ہوا تو شوقِ افتاء پیدا ہوا، بڑی امیدوں کے ساتھ افتاء کے لئے درخواست لکھی جس کا مضمون پڑھ کر افتاء میں داخلہ کے شوق وولولہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

افتاء کے لئے درخواست

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام واجب الإحترام استاذنا المكرم زيد مجدكم السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

بعد تحیۂ مسنونہ عرض معروض ایں کہ احقر نے دار الإفتاء کے لئے درخواست دی تھی مگر وہ مسترد کر دی گئی ہے، میں گھر سے اسی امید پر روانہ ہوا تھا کہ میرا داخلہ ضرور ہوگا اس لئے میں نے پارسال یہاں پر تکمیلِ فنون کی ہے، اور تمام کتابوں میں سالانہ امتحان میں اچھے نمبرات سے کامیابی بھی حاصل کی ہے اور داخلہ امتحان دورۂ حدیث کا دیا ہے،

اور اس میں بھی کامیاب ہوا ہوں۔ چنانچہ ان وجوہ کی بناء پر اور اسی امید پر اپنے وطن گجرات سے دار العلوم آیا۔ حالانکہ وہاں ایک عربی مؤقر درس گاہ میں بحیثیت مدرس تقرر ہو چکا تھا۔ مگر میں نے اسی وجہ سے انکار بھی کر دیا؛ لیکن یہاں پر کل جب انتخاب ہوا تو معلوم ہوا کہ چونکہ میں نے دورۂ حدیث یہاں نہیں پڑھا ہے اس لئے میری درخواست مسترد کر دی گئی۔

تو اب میری حضرت والا سے اتنی گذارش ہے کہ میں جب اتنی ساری امیدیں لے کر آیا ہوں تو مجھے محروم نہ کیا جائے، اور اس میں داخلہ کا موقع دیا جائے، میں اپنا بوجھ مدرسہ پر ڈالنا نہیں چاہتا، بلکہ میں خود اپنا کفیل ہوں گا۔

امید ہے کہ آپ اپنے دورِ صدارت میں ایک طالبِ حقیقی کو محروم نہ فرمائیں گے۔ رہا وہ قانون کہ دورۂ حدیث دار العلوم میں پڑھنا ضروری ہے تو اس کو امدادی داخلہ والوں کے لئے محدود رکھا جا سکتا ہے۔ اتنی گذارش کر کے مجھے امید قوی ہے کہ یہاں سے تشنہ نہ لوٹوں گا۔

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ فقط والسلام

سراپا امید: احمد گجراتی

بالآخر باقاعدہ افتاء میں داخلہ نہ ہوا، مگر حضرت فقیہ الأمت کی توجہ کام کر گئی کہ حضرت کے زیرِ نگرانی افتاء کا کورس مکمل کرنے اور فتاوی کی مشق کا موقع مل گیا؛ بلکہ حضرت نے خصوصی عنایت فرماتے ہوئے اپنی خدمت (مطبخ سے حضرت کی قیام گاہ پر کھانا لانا، حضرت کی خدمت میں آنے والے مہمانوں کی خدمت اور ان کی دیکھ بھال، کمرہ کی صفائی وغیرہ وغیرہ) کے لئے بھی قبول فرما لیا۔ باجود باضابطہ داخلہ نہ ہونے کے دار الإفتاء کھولنے اور درس گاہ کی صفائی وغیرہ کرنے میں پیش پیش رہتے۔ اس طرح قیامِ دار العلوم کے دوسرے سال حضرتؒ کا قرب اور مسلسل حاضر باشی کی سعادت میسر آئی۔

افتاء کے اساتذہ

(۱): فقیہ الأمت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ)

اپنے دور میں اکابر واسلاف اور علمائے متقدمین کی جیتی جاگتی تصویر تھے، علمی تبحر، قوّتِ حافظہ، کثرتِ عبادت، اصابتِ رائے اور مکارمِ اخلاق میں خود ہی اپنی نظیر تھے۔

۱۳۸۵ھ جمادی الأولی میں مفتیٔ دار العلوم کی حیثیت سے آپ نے دار العلوم دیوبند میں مستقل قیام فرمایا، ۳۲ سال دار العلوم سے وابستہ رہے، آپ کے شاگردانِ رشید ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں، حضرت کے انتقال کے موقع پر تعزیتی اجلاس میں مفتی صاحب نے فرمایا تھا ''آج اکثر مدارس میں فقہ وفتاوی سے منسلک حضرت کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں''۔

افتاء کے سال مفتی صاحب نے حضرت فقیہ الأمت سے درساً دو کتابیں پڑھیں:

(۱) شرح عقود رسم المفتی مکمل (۲) الأشباہ والنظائر (الفن الأول)

حضرتؒ کا معمول درس میں لمبی تقریر کا نہ تھا بلکہ صرف حلِ کتاب کی حد تک گفتگو فرماتے تھے؛ البتہ مشق، فتاوی میں خوب رگڑائی کرتے، کبھی آئے ہوئے استفتاء سے سوالات لکھا دیتے، اور کبھی خود ہی زبانی سوال لکھا دیتے، مفتی صاحب جواب تحریر کرکے حضرت کو سنا دیتے، تحقیق طلب مسائل میں حضرتؒ کا معمول یہ تھا کہ جواب پر کچھ اشکالات کرکے مسئلہ کے خفیہ گوشوں اور متعدد احتمالات کی طرف متوجہ فرماتے اور خود کوئی حتمی جواب نہ دیتے تھے، تاکہ اپنے اعتماد پر پورے مطالعہ کے بعد طالبِ علم کوئی رائے قائم کرسکے، کسی مسئلہ میں براہِ راست قرآن وحدیث سے استدلال کو پسند نہ فرماتے، اگر ایسا کوئی کرتا تو نصیحت فرماتے کہ ''ہمیشہ جزئیہ فقہی کتابوں سے تلاش کرنا چاہئے'' اس لئے کہ قرآن

وحدیث کے معانی ومطالب تک ہم اپنی سطحی نظر سے نہیں پہنچ سکتے۔ فقہی مہارت کے لئے حضرتؒ شامی اور بدائع الصنائع کے مطالعہ کا مشورہ دیتے تھے۔

(۲): حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحبؒ (متوفی ۱۴۲۰ھ)

۳۵/ سال دارالعلوم دیوبند کے دارالإ فتاء کی مسندِ صدارت پر فائز رہے۔ ان کے فتاوی گراں قدر علمی، تحقیقی اور قیمتی ہیں۔ مفتی صاحب نے افتاء کے سال آپ سے درساً ''سراجی''، فنِ فرائض کی مشہور کتاب پڑھی، اس سے پہلے دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے قیام میں مفتی صاحب سراجی پڑھ چکے تھے، اس وقت فنِ فرائض میں مہارتِ تامہ حاصل کر چکے تھے، فنِ فرائض پڑھنے کے لئے حساب سے واقفیت نہایت ہی ضروری ہے، مفتی صاحب حساب میں بھی خوب پختہ ہیں، ایک مرتبہ فرمایا ''پڑھنے کے زمانہ میں استاذ سراجی کی مثال پوری کرے اس سے پہلے اس کا جواب لکھ لیتا تھا''۔ آپ فنِ فرائض میں مہارت کی بناء پر حضرت مفتی نظام الدین کے دل میں جگہ کر چکے تھے، وہ استفتاء کے لمبے لمبے مناسخے مشق کرنے کے لئے آپ کے حوالہ کر دیتے، تمام بطون بالترتیب کاپی میں مشق کرنے کے بعد مفتی نظام الدین کو بتلا دیتے، پھر اصل استفتاء میں نقل کر دئے جاتے۔ مفتی صاحب کے فرفر مناسخے تیار کر دینے کی وجہ سے حضرت مفتی نظام الدین صاحب کی خصوصی توجہ وشفقت منعطف ہونے لگی، اور ان کو احساس ہوا کہ ان کا داخلہ دارالإ فتاء میں ہونا چاہئے تھا، مگر داخلہ کا دار و مدار حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ (متوفی ۱۴۱۲ھ) پر تھا جو اصول پسند نائب مہتمم تھے۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب اور حضرت مولانا معراج الحق صاحب بعد عصر مزارِ قاسمی کی طرف ٹہلنے تشریف لے جاتے تھے، ایک روز مفتی نظام الدین صاحب نے داخلہ کے سلسلہ میں ازخود پیش رفت فرمائی مگر وہ بات آئی گئی ہوگئی۔

شیخین سے تعلقِ بیعت وتربیت

افتاء کے سال فقیہ الأ مت حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے مفتی صاحب کا جو رشتہ قائم ہوا در حقیقت مفتی صاحب کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز تھا، افتاء کے سال فقیہ الأ مت کی معیت میں اسفار کی بھی سعادت حاصل ہوتی رہی، ہر ہفتہ جب فقیہ الأ مت سہارن پور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ہاں تشریف لے جاتے تو ایک جمعہ کے ناغہ سے مفتی صاحب کو بھی ساتھ لے جاتے، اور حضرت ہی نے مفتی صاحب کو ایک دن حضرت شیخ الحدیثؒ سے عرض کر کے بیعت کرا دیا، اور چند ہی دن بعد ذکر بھی شروع کروایا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے خود فقیہ الأ متؒ سے مفتی صاحب کے متعلق فرمایا کہ ''یہ تو آپ کا ہی ہے آپ اس پر توجہ فرمائیں'' درمیان میں جب ذکرِ جہری شروع کروایا تھا تو مفتی صاحب کو آٹھ روز کے لئے سہارن پور حضرت شیخ الحدیثؒ کی بابرکت صحبت وتوجہ حاصل کرنے کے لئے قیام کا حکم فرمایا، اس سال رمضان المبارک حضرت شیخ کے ہاں دارِ جدید کی مسجد میں گزارا، اس سال کے بعد حضرت مفتی صاحب کو شیخ کے قیامِ ہندوستان کے اکثر رمضان ۱۳۹۰ھ تا ۱۳۹۹ھ حضرت شیخ کی خدمت میں گزارنے کی سعادت حاصل رہی۔

مفتی صاحب نے دار العلوم اشرفیہ کے زمانۂ طالبِ علمی میں جب آپ عربی سوم کے طالبِ علم تھے حضرت شیخ سے مراسلت شروع کی تھی جو ۱۴۰۲ھ یعنی حضرت شیخ کی وفات تک قائم رہی۔ حضرت شیخ کے چوبیس گرامی نامے مفتی صاحب کے نام مطبوعہ ہیں جو ''مکتوباتِ فقیہ الأ مت قسطِ رابع'' کے مقدمہ میں (ص ۸۰ تا ۱۰۹) درج کئے گئے ہیں۔

تفصیلِ بالا سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کی اصلاح وتربیت کا آغاز اپنے وقت

کے شیخین (مراد شیخ الحدیث صاحب اور حضرت فقیہ الأمت صاحب نوّر اللہ مرقدہما) کے زیر سایہ ہوا، حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مفتی صاحب کو فقیہ الأمت کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''یہ تو آپ کا ہی ہے آپ اس پر توجہ فرمائیں'' بعد کے دور میں مفتی صاحب پر فقیہ الأمتؒ کی کیسی توجہ ہوئی اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں، فقیہ الأمتؒ سے اصلاح وتربیت کا تعلق افتاء کے سال قائم ہوا تھا یہ اتنا گہرا، ولولہ انگیز، مستحکم تھا، جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کے بعد مفتی صاحب کی باقی زندگی درحقیقت اسی تعلق کی تفسیر اور ربطِ مسلسل کی داستان ہے، حضرت فقیہ الأمت کی صحبت وتربیت وہ کیمیا تھی جس نے اس جوہر خاص کو نکھار عطا فرمایا اور سونے کو کندن بنا دیا، حضرت شیخ الحدیث کے وصال کے بعد کوئی رمضان ایسا نہ تھا جس میں مفتی صاحب کی حاضری نہ ہو، زندگی کا کوئی ورق ایسا نہ تھا جس میں خانقاہِ محمودیہ کی چھاپ موجود نہ ہو، کوئی دلچسپی ایسی نہ تھی جس میں مرشد کا مشورہ شامل نہ ہو، کوئی مصروفیت ایسی نہ تھی جو مرشد کے مذاق ومزاج میں ڈھلی ہوئی نہ ہو، شادی کی مسرت ہو یا ولادت کا مژدہ ہو ہر حال میں مرشد سے گہرا رابطہ قائم تھا، تدریس کے سلسلہ کی الجھنیں ہوں یا فقہ وفتاوی کی گھتیاں، خانگی الجھنیں ہوں یا جامعہ ڈابھیل سے متعلق پیچیدگیاں، عزیز واقارب کی مہربانیاں ہوں یا حاسدوں کی ریشہ دوانیاں، غم کا موقع ہو یا خوشی کا، باطنی احوال ہوں یا ظاہر کی عبادتیں، آخر شب کی خلوتیں ہوں یا دن کی جلوتیں غرض ہر چیز میں فقیہ الامت کا منشاء ملحوظ رکھا جاتا۔

جامعہ ڈابھیل میں تقرر کے بعد جب بھی اس علاقہ میں فقیہ الأمت کا ورودِ مسعود ہوتا معیت کا شرف حاصل کرتے، بلکہ نظامِ سفر مفتی صاحب کے مشورہ سے طے ہوتا، ایامِ تعطیل میں مرشد جدھر ہوتے ادھر کا رخ کرتے، کبھی دیوبند تو کبھی باندہ اس طرح کئی

عیدیں دیوبند و باندہ میں ہوئیں۔

ایام تعطیل میں مدرسین اپنے اپنے وطن لوٹتے اور عیدین کی خوشیاں اہلِ خانہ کے ساتھ مناتے۔ مگر مفتی صاحب یہ ایام مرشد کی روح پرور فضا اور بابرکت صحبت میں گزارتے۔

انبساط عید دیدن روئے تو	عید گاہِ ما غریباں کوئے تو

از ۱۳۷۸ھ تا ۱۴۱۷ھ انتالیس سال تعلق کی یہ داستان اتنی طویل مسلسل اور پہلو دار ہے کہ زیر تحریر مضمون میں نہیں سمیٹا جا سکتا۔ مزید تفصیل کے لئے راقم الحروف کی ترتیب دی ہوئی کتاب جلدِ رابع ''مکتوباتِ فقیہ الأمت بنام حضرت مفتی احمد خانپوری مع مقدمہ'' کا مطالعہ کیجئے۔

افتاء کے سال حضرت فقیہ الأمت کی معیت میں خادم کی حیثیت سے کلکتہ کے سفر کا موقع نصیب ہوا اس سفر کے چند واقعات مفتی صاحب کی زبانی ان ہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

ہاوڑہ کے پُل کے بہانہ پَل بھر میں تصرف

زمانۂ طالبِ علمی میں حضرت کے ساتھ کلکتہ کا سفر ہوا، ایک دن وہاں کے حضرات نے مجھ سے اصرار کیا کہ آج آپ کو ہاوڑہ کا پل دکھلانے لے چلتے ہیں، میں نے کہا حضرت سے اجازت لئے بغیر نہ جاؤں گا۔

چنانچہ جب حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور اجازت کا خواہاں ہوا تو حضرت نے خاص ظرافت کے ساتھ فرمایا ''ہاں دیکھ لو! کل قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ہاوڑہ کا پل دیکھا تھا؟ تو کیا جواب دو گے؟

اگرچہ یہ بات حضرت نے بطورِ ظرافت فرمائی تھی، اور اجازت بھی دے دی،

لیکن مجھ پر عجیب سناٹا چھا گیا اور میں پل دیکھنے نہ گیا۔ اور اس کے بعد تو ایسا معلوم ہوا کہ کہیں کا بھی سفر ہو کسی بھی جگہ یا چیز کے دیکھنے کی دل میں طلب یا خواہش نہیں ہوتی، گویا یہ حضرت کا ایک تصرف تھا۔

جھینگا کھانے پر لطیفہ

اسی سفر میں ایک روز حاجی جمیل صاحب زید مجدہ کے دولت کدہ پر کھاتے وقت دستر خوان پر ایک سالن جھینگا بھی تھا، کسی نے حضرتؒ سے پوچھ لیا کہ حضرت آپ یہ نہیں کھاتے؟ تو حضرت نے فرمایا ''نہ ایں کار می کنم نہ انکار می کنم'' (یعنی میں نہیں کھاتا اور کھانے والے کو روکتا بھی نہیں ہوں) اور اس پر یہ لطیفہ کہ ایک مرتبہ ڈابھیل میں مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ان کے گھر کھانے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے، دستر خوان پر جھینگے بھی تھے، مفتی بسم اللہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے اس کو جائز بتلایا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت تھانویؒ نے کانگریس کی شرکت کو ناجائز بتلایا ہے۔ یہ اس لئے کہا تھا کہ مفتی بسم اللہ صاحب جمعیتی اور کانگریسی تھے۔

اصلاحِ نفس کا من جانب اللہ انتظام

اسی سفرِ کلکتہ کا واقعہ ہے ابتداءً حضرت کے سفر کا پروگرام ایک یا دو روز کا تھا مگر اتفاق سے کلکتہ میں مزید چار روز رکنا پڑا، پروگرام کے مطابق میں نے کپڑے ساتھ نہیں لئے تھے، پہنے ہوئے کپڑوں میں گیا تھا، اس کو دھونے کی نوبت نہیں آئی، لہذا میلے ہو گئے، کلکتہ سے دیوبند واپسی بذریعۂ ہوائی جہاز ہوئی، میری زندگی میں ہوائی جہاز میں سفر کا یہ پہلا موقع تھا، نفس میں عجب اور پندار ہونے کا احتمال تھا، اسی سفر میں حضرت کے بیگ کا پٹہ ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے بیگ سر پر اٹھانا ضروری ہو گیا، ہوائی جہاز میں سفر کی وجہ سے

نفس میں شان و آن پیدا ہونے کے احتمال کا میلے کپڑے اور سر پر ٹوٹے ہوئے بیگ کے ذریعہ اللہ تعالی نے اصلاحِ نفس کا انتظام فرما دیا۔

افتاء کے سال رمضان المبارک میں حضرت فقیہ الأمت کے پاس تین جگہوں سے مدرس کا مطالبہ آیا کہ تدریس کے لئے قابل آدمی کی ضرورت ہے گنگوہ، کانپور، ڈابھیل۔ حضرت نے مفتی صاحب کا عندیہ معلوم فرمایا ان میں سے جہاں چاہو بھیج دوں، مفتی صاحب نے ڈابھیل جامعہ کو پسند فرمایا، حضرت فقیہ الأمتؒ نے ۵/ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کے روز جامعہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ کے نام گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

مکتوب گرامی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بنام مولانا محمد سعید بزرگؒ

۷۸۶

مکرم محترم مدت فیوضکم　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ گرامی کے جواب میں مولوی اسماعیل کھولوی سلمہ کے خط میں تحریر کر دیا تھا کہ ایک آدمی آپ کی فرمائش کے مطابق درجۂ عربی اول کے لئے موجود ہے، ان کا نام مولوی احمد ہے، خانپور۔ بھروچ کے رہنے والے ہیں، میرے پاس رہتے ہیں، فتاوی کی مشق کرتے ہیں، صالح ہیں، ذہین ہیں، متقی ہیں، ذی استعداد ہیں، ذاکر ہیں، خدا کرے اخلاص کے ساتھ بہترین خدمت انجام دیں۔ وہ مقلب القلوب اور مثبت القلوب ہے، بغیر اس کی توفیق واعانت کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

خوش الحان قاری ابھی نہیں مل سکے، تاہم تلاش جاری ہے، اوقاتِ مبارکہ میں دعاء کی درخواست ہے، یہاں ۳۰/ شعبان جمعہ کو چاند ہو کر شنبہ کو پہلا روزہ ہوا، دوسری جگہ سے بذریعۂ خطوط جمعہ کا پہلا روزہ ہونا بھی معلوم ہوا۔ فقط والسلام علیکم وعلی من لدیکم

احقر محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، سہارن پور، یوپی ۵/ ۹/ ۸۸ھ

۱۳۸۸ھ کے رمضان کے بعد تدریسی دور کا آغاز کرنا تھا، زندگی نئے موڑ پر تھی، حضرت فقیہ الأمت سے جدائی گوارہ نہ تھی، دل آمادہ نہ تھا، عجیب کیفیت تھی، روتے روتے گجرات رخصت ہوئے، حضرت نے خوب دعائیں دیں، نصائح فرمائیں، تدریس کے سلسلہ میں ۱۴ نصائح کی تھیں، جن کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

مدرسین کے لئے زرین نصائح

(۱): عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے دی جائے یا فلاں منصب حوالہ کیا جائے۔

(۲): پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اتنی کردو، یا اس میں اتنا اضافہ کردیا جائے۔

(۳): اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں تو دل سے اس کا اقرار کرنا اور کہنا کہ ہاں بھئی میں تو بالکل لائق نہیں؛ مگر مدرسہ والوں نے بٹھا دیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی لیاقت دے اور کتابوں کا حق مجھ سے کسی طرح ادا کرائے۔

(۴): کوئی طالبِ علم اگر سوال کرے تو شفقت سے اس کا جواب دینا اگر چہ براہِ طعن سوال کرتا ہو۔

(۵): کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا مانگنا، اور مصنفِ کتاب کو ایصالِ ثواب کرنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۶): دوسرے کی کتاب میں کسی طالبِ علم کو بتانے میں احتیاط کرنا۔

(۷): طلباء سے خدمت نہ لینا، حضرت حکیم الأمت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے کسی مرید، شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔

(۸): طلباء سے اختلاط نہیں چاہئے، اس لئے کہ اس میں مختلف اغراض سے

آنے والے ہوتے ہیں۔

(۹): طلباء کا احسان مانو کہ انہوں نے اپنے قلوب کی زمین آپ کے علم کی تخم ریزی کے لئے ہموار کی، ورنہ آپ کا علم یوں ہی رہتا اپنا ان پر کوئی احسان نہ سمجھیں۔

(۱۰): طلبہ مختلف اغراض سے اشکالات کرتے ہیں، کوئی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے، کوئی استاذ کو پریشان کرنے کے لئے، وغیرہ وغیرہ مگر سب کا جواب علیٰ اسلوب الحکیم دینا، مناظرانہ انداز میں نہیں۔

(۱۱): روزانہ متعلقہ درسی کتاب کے مصنف کو تین مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے رہنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۱۲): اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اس سے رجوع کرنے میں تأمل نہ کرنا۔

(۱۳): مطالعہ کے بغیر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھانا۔

(۱۴): اسباق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر وتلاوت وتسبیحات وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔

ان نصائح پر مفتی صاحب نے عمل کا کس قدر اہتمام کیا یہ بات آپ کے متعلقین وشاگردوں سے مخفی نہیں، آپ کی زندگی ہی عمل کا نمونہ ہے۔ان نصائح کے بعض نمبروں کی تفصیل جامعہ ڈابھیل میں خدمات والے باب میں ان شاءاللہ آئے گی۔

حضرتؒ کی ۱۴ نکات پر مشتمل قیمتی نصائح پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدارس میں رونما ہونے والے فتنہ وفساد کی جڑ کاٹ دی ہے، مدرسہ کا عملہ جس سے مدرسین کو سابقہ پڑتا ہے تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے انتظامیہ، مدرسین، طلباء، نصیحت نمبر

۱۔۲۔۱۴۔ پر عمل کرنے سے انتظامیہ خوش رہے گا۔ نمبر ۳۔۶۔ پر عمل پیرا ہونے سے مدرسین میں آپسی رقابت سے حفاظت ہوگی۔ باقی نمبرات کو معمول بہا بنانے میں طلباء کے حقوق ادا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے فتنوں سے بچا جا سکتا ہے۔

جامعہ ڈابھیل میں خدمات

مفتی صاحب کی تدریسی زندگی کا با قاعدہ آغاز شوال ۱۳۸۸ھ سے ہوتا ہے، ۱۳۸۸ھ سے تا دمِ تحریر ۴۲ سال میں جامعہ کے متعدد شعبہ جات سے خدمات کا تعلق رہا ہے، ان تمام خدمات کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے، مقدمۂ محمود الفتاوی شروع کرتے وقت اندازہ نہیں تھا کہ یہ مقدمہ اتنا طول پکڑے گا، قلم چل پڑا، بات پر بات یاد آتی گئی، ارادہ تو یہ تھا کہ شکستہ تسبیح کے دانوں کو ایک لڑی میں پرو کر مرقع پیش کروں گا، مگر مرقع نے سوانح کی صورت اختیار کر لی؛ لہذا قارئین سے معذرت کرتے ہوئے اس پر لطف داستان اور حسین یادوں کو سمیٹنے کی اجازت چاہوں گا۔

مفتی صاحب کی ترقیات میں ہمیشہ بڑوں کی دعائیں شاملِ حال رہی ہیں ملاحظہ کیجئے:

جامعہ میں تقرر پر بڑوں کی طرف سے اظہارِ مسرت و دعاء اور نصیحت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

"اس سے بہت زیادہ مسرت ہوئی کہ مفتی صاحبؒ (مراد فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) کی برکت سے تم ڈابھیل میں تدریسی سلسلہ میں مشغول ہو گئے، اللہ تعالی مبارک فرماوے، تمھارے علوم سے طلبہ کو متمتع فرماوے اور ترقیات سے نوازے۔"

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے گرامی نامہ میں ہے:

"خدائے پاک نے آپ کو خدمتِ دین کا موقع عنایت فرمایا اس کا بہت بڑا

احسان ہے ورنہ آپ سے زیادہ قابلیت والے بڑی تعداد میں بے کار پڑے ہیں، اس احسان کا شکریہ اس طرح ادا کریں کہ اپنے آپ کو نا قابل تصور کر کے ہر خدمت کو استحقاق سے بالا سمجھیں اور خوب محنت ومطالعہ کر کے کام کو انجام دیں، اوقاتِ مدرسہ ہی کا ملازم سمجھ کر بقیہ اوقات میں اپنے کو آزاد نہ سمجھیں۔‘‘

فخرِ گجرات حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رقم طراز ہیں:

’’سالِ جدید کے لئے آپ نے جوڈابھیل کا پروگرام لکھا ہے وہ بہت مبارک ہے، اللہ اس میں برکت عطا فرمائے اور استقامت نصیب فرمائے۔‘‘

آپ مؤرخہ ۱۶/ شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶/ جنوری ۱۹۶۹ء میں حسبِ معمول جامعہ کھلتے ہی حاضر ہو گئے، یہ دور مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ (متوفی ۱۴۱۱ھ) کا عہدِ زریں تھا، مولانا بزرگ کی جوہر شناس طبیعت گجرات وبیرونِ گجرات سے لعل وگوہر تلاش کر کے لاتی اور جامعہ کا نظامِ تعلیم وتربیت بلند سے بلند تر ہوتا جاتا، مولانا ابرار احمد دھولیوی (متوفی ....) اسی سال جامعہ میں آئے، وہ بڑے ظریف الطبع آدمی تھے، مفتی صاحب اور مولانا ابرار احمد کا قیام بنگلہ میں دو متصل کمروں میں تھا، بنگلہ جامعہ کی قدیم ومتبرک قیام گاہ ہے علامہ کشمیریؒ، علامہ عثمانیؒ، وغیرہ اکابر کا قیام اسی بنگلہ میں رہا ہے، بلکہ ان ہی حضرات اکابر کی آمد کے بعد ان ہی حضرات کی رہائش کے لئے بنگلہ تعمیر کیا گیا تھا۔

آپ جس سال جامعہ میں آئے اس وقت عمر ۲۲ سال تھی، شادی نہیں ہوئی تھی، داڑھی کا ایک بال بھی ظاہر نہیں ہوا تھا، چھریرا دبلا پتلا بدن تھا، کوئی نو وارد ظاہری حلیہ اور قامت وجسامت کو دیکھ کر بجا طور پر محسوس کرے کہ کوئی طالبِ علم ہے، کسے معلوم تھا کہ اسی چھریرے اور نحیف جسم کی جاں نثاری سے جامعہ اسلامیہ کی ایک نئی تاریخ وابستہ ہے۔

آپ نے عربی اول سے دورۂ حدیث تک متعدد فنون کی کتابیں بار بار پڑھائیں اس عرصہ میں بڑے بڑے علماء کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا، بعض کے نام آگے ذکر کروں گا۔

تدریس کے ساتھ نظامتِ کتب خانہ اور نظامتِ تعلیم کے میدان میں بھی زور آزمائی کی اور اپنے جوہر دکھائے۔

کس سال کونسی کتاب کس گھنٹے میں پڑھائی، باقی اوقات میں کیا ذمہ داری رہی اس کا پورا چارٹ آپ نے یادداشت کے طور پر لکھ رکھا ہے اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

پڑھائی ہوئی کتبِ درسیہ سال بہ سال کی ترتیب

جامعہ میں حاضری مؤرخہ ۱۶/ شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶/ جنوری ۱۹۶۹ء یومِ دوشنبہ۔

سالِ اول ۱۶/ شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶/ جنوری ۱۹۶۹ء دوشنبہ تا ختمِ سال

ساعتِ اولی	بقیہ ساعات
نور الایضاح بعدہ قدوری از بیوع تا ختم	درجۂ عربی اول کامل

سال دوم ۱۱/ شوال ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۱/ دسمبر ۱۹۶۹ء تا ختمِ سال

ساعتِ اولی	ساعتِ سادسہ	خارج	بقیہ ساعات
نور الایضاح معہ قدوری	اصول الشاشی معہ دروس التاریخ	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

مولانا ابراہیم پٹنی صاحب کی بیماری میں ترجمہ نصفِ ثانی کا اضافہ ہوا، از ۸/ محرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۷/ مارچ ۱۹۷۰ء تقریباً پندرہ یوم۔

سال سوم ۱۵/ شوال ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۵/ دسمبر ۱۹۷۰ء سہ شنبہ تا ختم سال

ساعتِ اولی	ساعتِ سادسہ	خارج	بقیہ ساعات
نور الایضاح، قدوری	اصول الشاشی معہ دروس التاریخ	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

مولانا آدم صاحب کی وفات پر اضافہ ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۸/ فروری ۱۹۷۱ء تا ختمِ سال: شرحِ وقایہ:- ساعتِ ثانیہ۔ مقاماتِ حریری معہ مختارات:- ساعتِ ثالثہ۔

سالِ چہارم ۱۱/شوال ۱۳۹۱ھ مطابق ۳۰/نومبر ۱۹۷۱ء سہ شنبہ تا ختمِ سال

ساعتِ اولی	ساعتِ ثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات
نور الاِیضاح، قدوری	شرحِ وقایہ	مقامات معہ مختارات	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

۱۷/ شوال ۱۳۹۱ھ دوشنبہ مطابق ۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۵/فروری ۱۹۷۲ء مولانا ابراہیم پٹنی صاحب کی دو ماہ کی بیماری میں:- جلالین شریف: ساعتِ ثالثہ و رابعہ میں

سالِ پنجم ۱۴/شوال ۱۳۹۲ھ-۲۱/نومبر ۱۹۷۲ء سہ شنبہ

ساعتِ اُولی	ساعتِ ثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات
نور الاِیضاح، قدوری	شرحِ وقایہ	مقامات، مختارات	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

۳/ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ-۱۰/ دسمبر ۱۹۷۲ء یک شنبہ تا ختمِ سال مولانا حسین بنارسی صاحب کے نہ آنے پر مستقل تبدیلی، نظامتِ کتب خانہ ختم۔

اولی	ثانیہ	ثالثہ	خامسہ	سادسہ
نور الاِیضاح، قدوری	شرحِ وقایہ	دیوانِ متنبّی	مقاماتِ حریری، مختارات	شرح عقائد، سراجی

مؤرخہ ۵/ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ-۱۲/ دسمبر سہ شنبہ: ساعتِ اُولی میں نور الاِیضاح، قدوری کی جگہ پر نور الأنوار۔

سال ششم ۱۸/شوال ۱۳۹۳ھ-۱۴/نومبر ۱۹۷۳ء چہار شنبہ

اُولی	ثانیہ	خامسہ	سادسہ	بقیہ اوقات
شرحِ وقایہ	نور الأنوار	دیوانِ متنبّی، سراجی	شرح عقائد	نظامتِ کتب خانہ

مفتی اسماعیل صاحب کی دو ماہ کی رخصت کی وجہ سے ترمیم۔ ۱۹/ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ۔ ۱۳/ اپریل ۱۹۷۴ء یوم شنبہ: ہدایہ اولین: اولی وثانیہ۔ نور الأنوار: ثالثہ۔ شرحِ وقایہ ہٹ گئی۔

۲۹/ رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹/ اگست ۱۹۷۴ء کو سالانہ اجلاس، اور یکم/ شعبان ۱۳۹۴ھ۔ ۲۰/ اگست ۱۹۷۴ء سے تعطیلات۔

سالِ ہفتم ۱۳/ شوال ۱۳۹۴ھ۔ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۷۴ء چہار شنبہ

ساعتِ اولی	ثانیہ	ثالثہ	خامسہ	سادسہ	خارج
مشکوٰۃ شریف اول	ہدایہ ثانی، حسامی	دیوان متنبّی	شرح وقایہ	نور الانوار	مؤطا مالک

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ۔ ۶/ جنوری ۱۹۷۵ء مولانا فضل الرحمٰن کی آمد پر تبدیلی تا ختمِ سال۔

اولی	ثانیہ	ثالثہ	سادسہ	خارج
مشکوٰۃ اول	ہدایہ ثانی معہ حسامی	دیوان متنبّی	نور الانوار	مؤطا مالک

۱۷/ جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ۔ ۲۹/ مئی ۱۹۷۵ء۔ نظامتِ تعلیم حسبِ تجویز مجلسِ شوریٰ منعقدہ ۳/ جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۵/ مئی ۱۹۷۵ء۔

سالِ ہشتم ۱۳/ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹/ اکتوبر ۱۹۷۵ء یک شنبہ تا ختمِ سال

اولی وثانیہ	خامسہ وسادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، حسامی	مشکوٰۃ المصابیح کامل، شرح نخبۃ الفکر	مؤطا مالک	نظامتِ تعلیم

سالِ نہم ۱۴/ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۷۶ء شنبہ تا ختمِ سال

اولی وثانیہ	خامسہ وسادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، حسامی	مشکوٰۃ المصابیح کامل، شرح نخبۃ الفکر	مؤطا مالک	نظامتِ تعلیم

سالِ دہم ۱۲/شوال ۱۴۹۷ھ-۲۶/ستمبر ۱۹۷۷ء یومِ شنبہ تا ختمِ سال

اولیٰ وثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین کامل معہ سراجی	مشکوٰۃ اول	مؤطا مالک	نظامتِ تعلیم

سالِ یازدہم ۱۳/شوال ۱۳۹۸ھ-۱۷/دسمبر ۱۹۷۸ء یک شنبہ

اولیٰ وثانیہ	خامسہ	سادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، سراجی	مشکوٰۃ اول	نورالانوار	ابن ماجہ طہارت ختم	نظامتِ تعلیم

یکم ربیع الاول ۱۳۹۹ھ-۳۰/فروری ۱۹۷۹ء یومِ سہ شنبہ تا ختمِ سال (مولانا احمد اللہ صاحب کی وفات کے بعد ترمیم) تا ختمِ سال

اولیٰ ورابعہ	پانچواں گھنٹہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ابوداؤد شریف	ابن ماجہ	نظامتِ تعلیم

سالِ دوازدہم ۱۱/شوال ۱۳۹۹ھ-۴/ستمبر ۱۹۷۹ء یوم سہ شنبہ

اولیٰ وثانیہ	خامسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین کامل معہ سراجی	ابوداؤد شریف	نظامتِ تعلیم

والدہ کا انتقال ۱۴/شوال ۱۳۹۹ھ-۷/ستمبر ۱۹۷۹ء یومِ جمعہ۔ اجلاسِ صد سالہ دارالعلوم اسی سال ہوا۔

سالِ سیزدہم ۱۲/شوال ۱۴۰۰ھ-۲۴/اگست ۱۹۸۰ء یک شنبہ

اولیٰ وثانیہ	خامسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ابوداؤد	نظامتِ تعلیم

۲۱/شوال ۱۴۰۰ھ-۲/ستمبر ۱۹۸۰ء یومِ سہ شنبہ تا ختم سال (حضرت مولانا محمد

ایوب صاحب کی معذرت پر ترمیم)

اولیٰ وثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ترمذی شریف	نظامتِ تعلیم

محرم ۱۴۰۱ھ میں حج کے بعد کی حاضری

سال چہاردہم ۷/شوال ۱۴۰۱ھ-۱۸/اگست ۱۹۸۱ء یوم سہ شنبہ تاختم سال

اولیٰ	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اول معہ سراجی	ہدایہ ثالث	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

سالِ پانزدہم ۱۳/شوال ۱۴۰۲ھ-۴/اگست ۱۹۸۲ء یوم چہارشنبہ:

اولیٰ	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ ثالث	ہدایہ اول معہ سراجی	ترمذی وشمائل	نظامتِ تعلیم

۱۷/ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ-۵/اکتوبر ۱۹۸۲ء سہ شنبہ تاختم سال (مولانا ابوبکر صاحب کی علیحدگی پر ترمیم)

اولیٰ	ثانیہ	رابعہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ ثالث	ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول معہ شرحِ نخبہ	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

سالِ شانزدہم ۱۲/شوال ۱۴۰۳ھ-۲۳/جولائی ۱۹۸۳ء یومِ شنبہ

اولیٰ	ثانیہ	رابعہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ رابع	ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول، شرحِ نخبہ	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

مؤرخہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ-۲۲ اگست ۱۹۸۳ء دوشنبہ تاختمِ سال: مشکوٰۃ جلد اول معہ نخبہ ہٹادی گئی۔

سالِ ہفتد ہم ۱۷/شوال ۱۴۰۴ھ۔۱۷/ جولائی ۱۹۸۴ء سہ شنبہ:

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اول معہ سراجی	ہدایہ رابع	ترمذی شریف معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

نئے شیخ الحدیث صاحب کی آمد پر ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ۔۲۴/ستمبر ۱۹۸۴ء دوشنبہ

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ رابع	ہدایہ اول معہ سراجی	بخاری شریف ثانی	نظامتِ تعلیم

مولانا یوسف صاحب کی بیماری میں صرف پندرہ یوم کے لئے یہ اضافہ ہوا:

۶/محرم ۱۴۰۵ھ۔۲/اکتوبر ۱۹۸۴ء سہ شنبہ: مشکوٰۃ معہ نخبہ: ثالثہ۔شرح وقایہ: رابعہ۔

۱۴۰۵ھ ۱۲/شوال یومِ دوشنبہ:

ساعتِ اولی	ساعتِ ثالثہ	ساعتِ سادسہ
ہدایہ اول معہ حسامی	مشکوٰۃ اول	بخاری ثانی

۶/محرم ۱۴۰۶ھ۔۲۲/ستمبر ۱۹۸۵ء یومِ یک شنبہ مولانا غلام محمد صاحب کی بیماری کی وجہ سے ساعتِ رابعہ میں نور الانوار تا ۱۶/ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ۔۳۰/نومبر ۱۹۸۵ء۔

۱۳/شوال ۱۴۰۶ھ۔۲۱/ جون ۱۹۸۶ء یومِ شنبہ:

ساعت اولی	ساعتِ ثالثہ	ساعتِ رابعہ	ساعتِ سادسہ
ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول	مقامات معہ ریاض الصالحین اول	بخاری ثانی

۲۳/ ذی قعدہ۔۳۱/ جولائی یومِ پنجشنبہ ابراہیم بھائی کی وفات پر ختمِ قرآن۔

کتبِ درسیہ کا چارٹ یہاں تک مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ ۱۴۰۶ھ عید الاضحیٰ کی تعطیلات کے بعد جامعہ کے دار الافتاء میں صدر مفتی بنائے گئے اس وقت سے تا دمِ تحریر

(یعنی ۲۳سال) صرف ایک گھنٹہ بخاری شریف ثانی کا درس دیتے ہیں۔ ۱۴۱۹ھ میں ایک مرتبہ "سراجی" کا درس دیا ۱۴۲۰ھ سے تادمِ تحریر شمائلِ ترمذی رات کو پڑھاتے ہیں۔

تدریسی اصول و مذاق

ہر استاذ کا طریقۂ درس قدرے مختلف اور اپنی نوعیت سے ممتاز ہوتا ہے اور ہر ایک کا اپنا کوئی خاص مذاق ہوتا ہے، یہی امور درسی خصوصیات میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

راقم الحروف مفتی صاحب کا ایک ادنی شاگرد ہے، کتبِ درسیہ میں بعض ذائقہ کے طور پر اور بخاری شریف جلد ثانی مکمل اور افتاء کا مکمل کورس پڑھنے کی سعادت حاصل ہے، اپنی معلومات اور اخذ کے مطابق مفتی صاحب کے درس کی بعض خصوصیات عرض کرتا ہوں:

(۱): مفتی صاحب کا طریقۂ درس یہ رہا ہے کہ پہلے ہی دن فرمادیتے کہ ہر ایک کو روزانہ سبق کے بقدر عبارت پڑھنا ہوگا، اسی کے مطابق روزانہ باری باری طلباء عبارت پڑھتے، عبارت کی اصلاح پر خوب زور دیتے، کسی کی مجال نہیں تھی کہ غلط عبارت پڑھ کر گذر جائے، بعضے کمزور استعداد والے اپنی باری کے روز رات ہی سے ہوشیار طالبِ علم کے پاس آئندہ کل کے سبق کو پڑھ کر تیاری کر لیتے جب جا کر ان کو سکون و اطمینان ہوتا۔

راقم نے ہدایہ اول کا شروع کا حصہ مفتی صاحب کے پاس پڑھا ہے اس میں یہ طرز تھا کہ طالبِ علم بقدرِ ضرورت عبارت پڑھتا پھر نفسِ مسئلہ، اس کے نقلی و عقلی دلائل، خصم کا اختلاف، ان کے دلائل، پھر خصم کے دلائل کا جواب اور اپنے مسلک کے وجوہِ ترجیح جیسا کہ صاحب ہدایہ بیان فرماتے ہیں یہ تمام چیزیں مفتی صاحب از بر طلباء کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس طرح بیان فرماتے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بالکل حافظِ کتاب ہیں، اس میں کبھی ترتیب کا فرق بھی ہو جاتا مگر کوئی بات عبارت کے تعلق سے نہیں چھوٹتی تھی، مسئلہ کی تشریح

کے بعد عبارت خواں ترجمہ کر دیتا، کبھی کوئی غلط ترجمہ کرتا تو بامحاورہ سلیس ترجمہ خود کر دیتے۔

(۲): زبانی درس کبھی عملی درس کی صورت اختیار کر لیتا، ہدایہ اول میں "سنن الطہارۃ" کے ذیل میں "والسواك" آیا جس میں بتلایا گیا ہے کہ وضو میں مسواک کرنا سنت ہے اس موقع پر باری باری ہر ایک کو حکم فرمایا "مسواک بتلایئے" چنانچہ جن کی جیب میں مسواک موجود تھی انہوں نے جیب سے مسواک نکال کر بتلائی۔ اسی طرح ہم سے پہلے ہدایہ پڑھنے والوں نے بتایا کہ ہدایہ میں "باب صفة الصلوة" کے موقع پر طلباء سے نماز کی باقاعدہ عملی مشق بھی کراتے تھے اور تقریباً ہر سال اس کا اہتمام فرماتے۔

(۳): اندازِ درس خوب نرالا، حلِ عبارت اور افہام میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل ہے، غبی سے غبی طالبِ علم تھوڑی توجہ سے درس سن لے تو کم از کم درس کا خلاصہ ضرور ذہن نشین کر لے۔

(۴): "ہدایہ اولین" کا درس سالہا سال دیا اور خوب تحقیق سے پڑھائی، ہدایہ اول کا درس راقم الحروف کے ذمہ سپرد کیا گیا اس وقت میں نے آپ جس کتاب (ہدایہ) سے پڑھاتے تھے اس نسخہ کو دیکھا کہ خود نوشتہ بہترین جچے تلے الفاظ میں حواشی سے مزین ہے، بعض حواشی میں "معارف السنن شرح ترمذی" کا حوالہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ کے دوران شروحِ ہدایہ کے ساتھ ساتھ شروحِ احادیث کا مطالعہ بھی کرتے ہوں گے۔

(۵): فرائض آپ کا خصوصی فن ہے، طالبِ علمی کے زمانہ سے اس فن سے مناسبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا "پڑھنے کے زمانہ میں عصر کے بعد تفریح کرتے ہوئے اس کی مثالیں مشق کرتا تھا" اس فن کے اصول وفروع اس قدر مستحضر ہیں کہ گویا پورا فن بیک نظر سامنے ہے، جامعہ میں ہدایہ کے ساتھ سراجی بھی پڑھائی جاتی ہے اس میں ورثاء کے اقسام و احوال کو اتنا ازبر کرواتے جیسا کہ "سورۂ فاتحہ" کہ ادھر استاذ نے سوال کیا ادھر

طالبِ علم نے بلا تاخیر صحیح جواب پیش کر دیا۔

ہدایہ کے ایک مقام کی تحقیق میں سرگرداں

(۶): ایک مرتبہ فرمایا: ہدایہ پڑھانے کے زمانہ میں میں نے کبھی اس کی اردو شرح کو نہیں دیکھا۔ اس وقت ''عین الہدایہ'' تھی اس کو بھی نہیں دیکھتا تھا، صرف ایک مرتبہ کتاب الزکوٰۃ میں ''قصب الذریرہ'' آیا اس وقت دیکھا ''قصب الذریرہ'' کو بہت تلاش کیا کسی کتاب میں نہیں ملا کہ یہ کیا چیز ہے سب شراح نے یہی لکھ دیا کہ وہ معروف ہے، صاحب عین الہدایہ نے بھی یہی لکھا ہے، اس جملہ سے پہلے قصب السکر ہے تمام حضرات نے اس کی تشریح کی ہے مگر ''قصب الذریرہ'' کیا ہے کسی نے اس کی تشریح نہیں کی، ان ایام میں دیگر علماء سے بھی پوچھا، جب کبھی دیوبند جانا ہوتا وہاں بھی پوچھتا رہا، مگر کسی نے صحیح نہیں بتلایا۔ (اس سلسلہ میں ایک لطیفہ سنایا) کہ مولانا خیر الرحمٰن احمد آبادیؒ (والد محترم مولوی طاہر صاحب) جو جامعہ میں ہدایہ کے سابق استاذ رہ چکے ہیں انہوں نے ''عین الہدایہ'' کے حاشیہ میں لکھا ہے ''ہاں قصب السکر سب کو معلوم تھا اس کی تشریح کی لیکن ''قصب الذریرہ'' جو معلوم نہیں تھا اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا''۔

میں یہ حاشیہ پڑھ کر بہت ہنسا کہ ان کو بھی میری طرح اشکال پیش آیا ہے سبق میں جب اس جگہ پہنچتا تو طلباء سے کہہ دیتا معلوم نہ ہوسکا کہ قصب الذریرہ کیا ہے بالآخر حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی کتاب ''جزء حجة الوداع'' کا ترجمہ پاکستان سے شائع ہوا تھا اس میں ملا اور حاشیۂ ہدایہ پر لکھ دیا۔ حضرت مفتی صاحب نے وہ پڑھ کر سنایا وہ یہ ہے ''حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں ذریرہ بروزنِ عظیمہ ذالِ معجمہ، اور دو راؤں کے ساتھ، خوشبو کی ایک قسم ہے جو اہلِ حجاز کے یہاں معروف ہے، امام نوویؒ اور ان کے علاوہ بہت سے

حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ ایک خوشبودار جڑی بوٹی کا برادہ ہے جو ہندوستان سے آتی ہے ''صاحبِ محیطِ اعظم'' نے قصب الذریرہ کے اقسام کو تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہندی میں اسے چرائتہ کہتے ہیں اور اس کا برادہ خوشبودار ہوتا ہے، اور زیر بغل لگانا پسینہ کی خوشبو کے لئے مفید ہے۔ (حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ تالیف برکۃ العصر حضرت الحافظ الحاج مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم المدنی مدّ ظلہم، ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کراچی: ۲۲)

راقم کہتا ہے یہ واقعہ آج سے تقریباً ۳۵ سال پہلے کا ہے، اس عرصہ میں ہدایہ کی متعدد اردو شروحات منصۂ شہود میں آئیں مگر اس جگہ سے تمام مترجمین دامن بچا کر خاموشی کے ساتھ گذر گئے۔ ملاحظہ کیجئے اشرف الہدایہ شرح ہدایہ ۳/ ۱۳۰۔ بلکہ اس میں تو قصب الذریرہ کو ''چرائتہ کا درخت'' کہا ہے یہ تعبیر بھی درست نہیں۔ ''قصب'' کا معنی درخت کے نہیں بلکہ قصب ہر اس نبات کو کہتے ہیں جس کا تنہ پتلا کھوکھلا اور گانٹھ دار ہو اس میں پوری اور گرہ ہو۔ یا ''قصب'' کا ترجمہ ''بانس'' ہوسکتا ہے۔

''احسن الہدایہ شرح ہدایہ'' نے ''قصب الذریرہ'' کا مطلب بیان کرنے میں کیا گل افشانی کر دی اس کو بھی دیکھ لیجئے وہ تحریر کرتے ہیں ''چرائتہ (چری والی لکڑی)''۔ (احسن الہدایہ ۱/ ۳۶) صرف چرائتہ کہہ کر گزر جاتے تو محلِ تعجب نہیں تھا مگر بین القوسین کی تشریح نے چرائتہ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ''چری'' ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں باجرا، جوار، مکئی کے ہرے پودے۔ اس غلط تشریح سے پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ باجرا، جوار، مکئی میں عشر نہیں ہے جو مسئلہ کی رو سے صحیح نہیں۔

آپ کا ایک دل چسپ ملفوظ موقع کی مناسبت سے پیش کیا جاتا ہے:

فرمایا: حضرت مولانا ہاشم بخاریؒ نے ایک مرتبہ سنایا کہ بخارٰی میں ہمارے ایک

استاذ نے فرمایا کہ شراح کا حال گدھوں جیسا ہے، گدھوں کی عادت ہے ایک جہاں پیشاب کرتا ہے دوسرا گدھا بھی وہیں پیشاب کرتا ہے۔ اسی طرح شراح کی عادت ہے کہ ایک جس جگہ تفصیلی کلام کرتا ہے دوسرا، تیسرا بھی وہاں لمبی بحثیں کرے گا۔ جس جگہ تشریح کی ضرورت ہے وہاں کوئی کچھ نہیں لکھتا۔

(۷): دورانِ درس کسی مناسبت سے بزرگوں کے واقعات و لطائف سنانے کی عادتِ شریفہ رہی ہے، بالخصوص جمعرات کے روز یا کسی طالبِ علم کی تنبیہ پر اس کا خاص اہتمام ہوتا، گاہے گاہے نصائح اور واقعاتِ کثیرہ بیان فرمانے کے بعد جس طالبِ علم کی وجہ سے واقعات کا سلسلہ شروع ہوا اس کے متعلق فرماتے ''یہ شانِ ورود ہے''

(۸): سبق شروع کرنے سے ختم تک پورے گھنٹہ میں کسی خاص ہیئت پر مستقل بیٹھنے کا معمول نہیں ہوتا، البتہ پورے درس میں چہرہ وتوجہ کا التفات ہر جانب طلبہ کی طرف برابر رکھتے، جس کی وجہ سے طلبہ ہمہ تن گوش اور ہچشم سر آپ کی طرف متوجہ رہتے، گاہے گاہے ظرافت و لطافت کے جملے بھی گوش گزار کرتے جس سے درس کا ماحول زعفران زار ہو جاتا۔ طالبِ علم کی درس سے غفلت و بے پروائی یا درس میں سونا کسی حال میں برداشت نہ کیا جاتا اس پر خوب تنبیہ فرماتے۔

درسِ ترمذی میں ایثار

اخلاص اور للّٰہیت دینی مدارس کی سب سے بڑی دولت ہے، اگر دل صاف ہو اور دل میں ایثار وقربانی کا جذبہ موجود ہو تو کوئی بھی مدرس کم مدت میں بلندی کے مدارج طے کر سکتا ہے۔

مفتی صاحب کے شیخ و مربی نے دیوبند سے ڈابھیل کی تدریس کے لئے رخصت کرتے وقت جو نصائح فرمائی تھیں ان میں یہ تھی:

(۱) ''عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے کو دی جائے'' حضرتؒ کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرس کی طرف سے کتاب کی طلب اور بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کے لئے مدارس کے مروجہ نام نہاد ترقی کے پروپیگنڈے، کوششیں بھی عہدہ کی طلب اور حبِ جاہ میں داخل ہیں۔

مفتی صاحب نے مذکورہ نصیحت پر کتنا عمل کیا؟ کسی کتاب کی طلب تو کجا، جامعہ کی ترقی و نظام میں نسق باقی رکھنے کی خاطر کس ایثار وقربانی سے کام لیا اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں:

جامعہ کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی (متوفی ۱۴۰۴ھ) کا تدریسی فیض جامعہ میں سالہا سال رواں دواں رہا، بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف مکمل کا درس ان سے متعلق رہا، اخیر کے چند برسوں میں طبیعت کے ضعف کی وجہ سے ترمذی شریف پڑھانے سے معذرت کردی تھی صرف بخاری شریف کا درس دیتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ ترمذی شریف جامعہ کے ایک مؤقر استاذ کو دی جائے، مگر جامعہ کے رجال شناس وقدرداں مہتمم مولانا محمد سعید بزرگؒ کی رائے گرامی مفتی صاحب کو سپرد کرنے کی تھی، انہوں نے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کردیا تھا۔

اس سال ترمذی کے سبق کی تقسیم سے پہلے مفتی صاحب سفرِ حج میں تشریف لے گئے، بعد میں اربابِ حل وعقد کے مشورہ کے بعد مہتمم صاحب کے منشاء کے مطابق ترمذی کا درس مفتی صاحب کے نام کردیا گیا، اس وقت مفتی صاحب مکہ مکرمہ میں تھے اس کی خوش خبری مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے بہ ذریعہ خط دی وہ تحریر فرماتے ہیں ''مدرسہ میں اسباق برابر ہورہے ہیں، مولانا ایوب صاحبؒ نے ترمذی شریف پڑھانے سے عذر کیا ہے مشورہ کے بعد آپ موصوف کو نامزد کیا ہے، اس کے لئے مبارک باد دیتا ہوں، اللہ

تعالیٰ آپ سے اس خدمت کو قبول فرمائے''۔

محمد شفیع میاں عفی عنہ، ۲/ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

اس کے بعد دیگر کتبِ درسیہ کے ساتھ چار سال مکمل ترمذی مع شمائل کا درس مفتی صاحب کے پاس رہا، ترمذی شریف میں دیگر ائمہ وفقہاء کے فقہی اقوال بھی مذکور ہیں، برسوں سے ہدایہ پڑھانے کی وجہ سے فقہی بصیرت سے آراستہ تھے ہی اب حدیث کے ساتھ فقہ سے مناسبت نے چار چاند لگا دئے، فقیہانہ بصیرت اور شگفتہ طرزِ تفہیم سے طلبہ بھی بہت خوش تھے، یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب کا ٦/ شوال ۱۴۰۴ھ میں انتقال ہوگیا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ۔

جامعہ کے لئے جدید شیخ الحدیث کی تلاش ہوئی حضرت مولانا محمد اکرام علی بھاگلپوری صاحب نور اللہ مرقدہ (م ۱۴۲۹ھ) سے شیخ الحدیث کے منصب کے لئے درخواست کی گئی، انہوں نے جامعہ کے تقرر کو چند کڑی شرائط پر موقوف رکھا ان شرائط میں ایک شرط یہ تھی:

''میرے زیر درس بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف جلد اول ہوگی، یا بخاری شریف جلد اول، ترمذی شریف جلد اول اور اس کے علاوہ موقوف علیہ کی کوئی ایک کتاب''... انتہی بلفظہ

جو حضرات جدید شیخ الحدیث صاحب کے یہاں تقرر کے سلسلہ میں گفتگو کرنے گئے تھے انہوں نے تمام شرائط منظور کرلیں اور تقرر عمل میں آگیا، اور ان کی شرط کے مطابق بلا چوں وچرا مفتی صاحب نے ایثار کرتے ہوئے ''ترمذی'' کا درس جدید شیخ الحدیث صاحب کی خاطر چھوڑ دیا، حضرت مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کے اس ایثار کی قدر فرماتے ہوئے بخاری شریف جلد ثانی مفتی صاحب کے نام لکھ دی اس وقت سے تادمِ تحریر بخاری شریف جلد ثانی پڑھانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ۲۳/ ۱۰/ ۱۴۲۸ھ سے اسفار کی کثرت

کی بناء پر جلد ثانی از کتاب المغازی تا کتاب فضائل القرآن تک پڑھاتے ہیں۔

جس سال (۱۴۰۵ھ) بخاری شریف جلد ثانی کا درس سپرد کیا گیا اس سال کے مکتوبِ گرامی میں حضرت فقیہ الامتؒ نے نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا:

جو بھی کتابیں آپ کے پاس یا ان (جامعہ کے شیخ الحدیث صاحب) کے پاس ہیں، سب خدمتِ دین ہی ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (م ۱۳۰۲ھ) فرمایا کرتے تھے کہ جو ثواب بخاری پڑھانے میں ہے وہی ثواب علومِ آلیہ منطق وغیرہ پڑھانے میں ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/ ۲۷۸)

مفتی صاحب کا پورا تدریسی دور اس طرح گزرا کہ نہ کبھی کوئی کتاب طلب فرمائی اور نہ کسی کتاب کے پڑھانے سے عار محسوس فرمائی۔

۱۴۱۹ھ میں جب راقم الحروف کو ہدایہ اول سپرد کی گئی اس کے ساتھ سراجی کا درس رہا کرتا ہے، جامعہ میں ہمیشہ ہدایہ اول کے گھنٹہ میں ہی سراجی پڑھائی جاتی ہے مگر میرے لئے ہدایہ کا پڑھانا آسان تھا کہ اس سے قبل ایک آدھ مرتبہ چند اسباق پڑھا چکا تھا لیکن سراجی پڑھانے کی ہمت نہیں تھی، حضرت مفتی صاحب نے میرے خاطر سراجی پڑھائی اور میں نے بھی اس درس میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ مجھے اس واقعہ سے صرف یہ بتلانا ہے کہ مفتی صاحب کا ایک گھنٹہ (بخاری شریف پڑھانے کے لئے) دورہ میں تھا، عربی ششم یا پنجم میں کوئی گھنٹہ نہیں تھا اس کے باوجود نزول کرتے ہوئے سراجی کا درس دینے میں آپ نے عار محسوس نہیں فرمائی۔

اپنے متعلقین اور شاگردوں کو ہمیشہ یہی تاکید فرماتے ہیں کہ اہلِ مدرسہ کی طرف سے جو بھی کتاب دی جائے اسی میں خیر و برکت ہے۔

مفتی عباس صاحب بسم اللہ زید مجدہم نے سنایا کہ ان کی تدریس کے ابتدائی دور میں جامعہ کے مؤقر استاذ محترم حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی مدظلہ کے بیمار ہونے کی وجہ سے ''شرح ابنِ عقیل'' کا سبق حضرت مفتی صاحب جو اس وقت ناظمِ تعلیمات تھے نے مفتی عباس صاحب کے نام کرنا چاہا تو وہ پس وپیش ہوئے مفتی صاحب نے نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا:

''دیکھو بلا طلب جو کتاب پڑھانے ملے اس کے پڑھانے میں اللہ کی طرف سے اعانت کی جاتی ہے، اور بعد طلب جو ملے اس میں یہ بات نہیں ہوتی''

مفتی صاحب کے فرمانے کے بعد انہوں نے منظور فرمالیا، مفتی عباس صاحب فرماتے ہیں ایسا ہی ہوا، بعد تہجد دعا کی اور مطالعہ کے لئے کتاب کھولی الحمدللہ سب حل ہوتا گیا کسی جگہ کوئی پریشانی نہیں پیش آئی۔

ناظمِ کتب خانہ

جامعہ میں عظیم الشان کتب خانہ ہے، ہر علم وفن کی امہاتِ کتب اس میں موجود ہیں، جامعہ کے طلباء واساتذہ کے علاوہ دوسرے اہلِ علم، اہل تحقیق اور اہلِ ذوق اپنے علمی کاموں میں اس کتب خانہ سے استفادہ کرتے ہیں، ڈابھیل کے مشہور خاندان ''گارڈی'' نے اس کتب خانہ میں کئی اہم کتابیں وقف کی ہیں، مؤرخِ ہند قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے اپنے تدریسی دور میں اس کتب خانہ سے خوب فائدہ اٹھایا ان کی مشہور کتاب ''رجال الهند والسند'' کا افتتاح اسی کتب خانہ سے ہوا، انہوں نے اس کتب خانہ کی تعریف کی ہے، گارڈی خاندان کی خدمات کو سراہتے ہوئے قاضی صاحب رقم طراز ہیں:

اس وقت جامعہ اسلامیہ میں ایک شعر مشہور تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ:

’’گارڈی نے علم کی میخ گاڑ دی‘‘۔ (کاروانِ حیات ۱۱۲)

کتب خانہ کا نظم ونسق باقی رکھنے کے لئے مستقل ’’ناظمِ کتب خانہ‘‘ کا انتظام ہے، اس کے پہلے ناظم حافظ عبد الحق بسم اللہ صاحب (م ۱۳۸۳ھ) تھے انہوں نے لگ بھگ چالیس سال تک جامعہ کے مختلف شعبوں میں کام کیا، زندگی میں سادگی اور امانت داری کا وصف نمایاں تھا۔

دوسرے مولانا عبد الغفور نقش بندی بھروچی (م ۱۴۲۲ھ) تھے جو زبردست حافظہ کے مالک تھے، کتب خانہ میں موجودہ کتب میں سے کسی کتاب کے بارے میں پوچھا جاتا تو کتاب کا صحیح نام، مصنف کا نام، اس کتاب کی کتنی شرحیں ہیں، الماری میں کس جگہ کتاب رکھی ہوئی ہے سب بلا تأمل بتلا دیتے۔

تیسرے مولانا مفتی عبد العزیز سورتی (م ۱۴۲۰ھ) تھے، جو سورت کے باشندے تھے، بچپن میں پڑھنے کے لئے دیوبند چلے گئے، ایک مدت تک دیوبند میں رہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے خصوصی تعلق تھا، ۱۳۸۸ھ میں جامعہ ڈابھیل میں ناظمِ کتب خانہ کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا تھا، ۱۹۶۹ء میں احمد آباد اور اس کے اطراف میں ہولناک مسلم کش فسادات ہوئے اور سیکڑوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، اس وقت مولانا عبد العزیز صاحب کے بعض رشتہ دار جو احمد آباد میں رہتے تھے شہید ہوئے، رفاہی امور میں جمعیت علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے مدد کرنے کی خاطر احمد آباد چلے گئے، ان کی جگہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے مفتی صاحب کو ناظمِ کتب خانہ بنا دیا۔

چنانچہ آپ نے ۱۳۸۹ھ تا ۱۳۹۳ھ تدریس کے ساتھ باحسنِ وجوہ نظامتِ کتب خانہ کے فرائض انجام دیئے، تین گھنٹے کتبِ درسیہ پڑھاتے اور تین گھنٹے کتب خانہ

میں مقرر تھے، ان تین گھنٹوں کو آپ نے خوب وصول کیا، مختلف علوم وفنون کی کتب کے مطالعہ میں مشغول رہتے، مفتی صاحب کا مطالعہ کتبِ درسیہ تک محدود نہیں ہے، مطالعہ اور کتب بینی کا غیر معمولی شوق ہے، مطالعہ کی یہ غیر معمولی قوت وصلاحیت زندگی کے ہر دور میں آپ کی شخصیت کا لازمی جزء رہی، اس سے آپ کی روح کو غذا اور دل کو سکون اور قلب کو آسودگی حاصل ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ فرمایا ''فارسی اول پڑھنے کے سال مولانا ابو الکلام آزاد کی تمام کتابیں، تقاریر مطالعہ کر چکا تھا، ان کی کتابوں کی عبارات زبانی یاد کرتا تھا۔ نیز ایک زمانہ میں علامہ اقبال کی تمام کتابوں کا دو مرتبہ مطالعہ کر لیا تھا''

راقم الحروف نے کتب خانہ کی بعض کتابوں پر آپ کے نوشتہ حواشی دیکھے ہیں۔

مفتی صاحب کے غیر معمولی ذوقِ مطالعہ کی گواہی آپ کی ذاتی کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ دے گا، کوئی اہم کتاب کہیں چھپی اور منصۂ شہود پر آئی تو اس کی فراہمی کے لئے بقدرِ امکان کوشش کرتے، شروع میں اتنی گنجائش نہیں تھی مگر اس کے باوجود گنجائش نکال کر حتی المقدور حصولِ کتب کے لئے کوشاں رہتے۔

ایک مرتبہ فرمایا ''اگر میں کہیں چلا جاؤں تو فتاوی نویسی کے لئے ذاتی کتابیں کافی ہیں'' نظامتِ کتب خانہ کے دور میں مطالعہ کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ فتاوی نویسی میں مراجعت وحوالۂ جات کے لئے کسی کتاب کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ کتاب دار الاِفتاء میں نہیں ہوتی تو کتب خانہ سے منگاتے ہیں۔ یعنی ۳۵۔۴۰ سال کے بعد بھی قوتِ حافظہ میں اس کتاب کا کتب خانہ میں ہونا یاد ہے۔

اسی دور کی ایک خدمت یہ ہے: جامعہ کے مہتمم صاحب کے بڑے بڑے علماء و

مشاہیر سے روابط تھے، ان سے خط وکتابت کی نوبت آتی تو مہتمم صاحب اپنے اس کام کے لئے مفتی صاحب کے نظامت کتب خانہ والے وقت سے فائدہ اٹھاتے، اجلاسِ جامعہ کے لئے مدعو کرنے میں، معزز مہمانوں کی آمد پر شکریہ ادا کرنے میں، جامعہ کے کسی امر میں درخواست تحریر کرنے میں وغیرہ وغیرہ مواقع پر مفتی صاحب ہی بحکمِ مہتمم صاحب خطوط نویسی کی خدمت انجام دیتے۔

نظامتِ کتب خانہ کے دور میں ایک سال رات دن ایک کر کے سالانہ امتحان کی تیاری کی، تمام کتابوں کے امتحان کے پرچے تیار کرنا، لکھنا، ٹائپ کرنا وغیرہ یہ سب امور تن تنہا انجام دیئے، طلباء و مدرسین کا خیال تھا کہ یہ پرچے باہر سے تیار ہو کر آئے ہیں حالاں کہ تیار کرنے والی شخصیت انہی میں موجود تھی، مگر یہ کام اس قدر یکسوئی اور للّٰہیت سے انجام دیا گیا کہ کسی کو پتہ تک نہ چلا۔

مفتی صاحب کا تقرر اصلاً تدریس کے لئے ہوا تھا مدرسہ کی ضرورت کی وجہ سے نظامتِ کتب خانہ قبول فرمالی تھی، یہاں کی روایت کے پیش نظر مستقل ناظمِ کتب خانہ بنائے جانے کا خطرہ درپیش تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت فقیہ الامتؒ سے مشورہ کیا تو حضرت نے فرمایا: کتب خانہ کے لئے مناسب آدمی تلاش کر کے مدرسہ کو دے دیجئے اور پھر آہستہ آہستہ اس ذمہ داری سے سبک دوشی اختیار کرلیں۔ چنانچہ مفتی صاحب نے حضرت کے مشورہ کے مطابق اپنے دورِ طالبِ علمی کے دوست اور ہم وطن مولانا موسیٰ صاحب بھڑکودروی زید مجدہم کو پیش کیا۔ چنانچہ ۱۳۹۰ھ سے تادمِ تحریر وہ اس منصب پر فائز ہیں ان کی بلا کی استقامت دیکھئے کہ تقریباً چالیس سال ہوئے، اس طویل عرصہ میں صرف ایک مرتبہ اختتامِ سال اور

افتتاح سال میں بیماری کی وجہ سے غیر حاضر رہے۔

جامعہ سے علیحدگی اور واپسی

۱۳۹۴ھ، م۱۹۷۴ء میں ایک انتشار ہوا جس کی وجہ سے چند روز تعلیم بند رہی، ہنگامی طور پر چند روز کی تعطیل کردی گئی، انتشار والے سال کے اختتام پر چند اساتذہ جامعہ سے مستعفی ہوگئے تھے ان میں مفتی صاحب بھی تھے، حالانکہ جامعہ کے مہتمم صاحب نے بعد استعفاء تنہائی میں بلا کر مفتی صاحب سے باصرار کہا تھا کہ آپ استعفاء واپس لے لیجئے، لیکن مفتی صاحب نے اس وقت کے سنگین حالات کے پیش نظر صاف کہہ دیا تھا مجھے جامعہ میں نہیں رہنا ہے، حتی کہ گھر والوں کو اور گھریلو سامان ڈابھیل سے خانپور منتقل کرچکے تھے، سالانہ تعطیل میں حسب معمول ماہِ شعبان میں سہارن پور حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے کی نیت سے حاضر ہوئے اس دوران جامعہ کے مہتمم صاحب نے ڈابھیل میں دوبارہ رکھنے اور کسی اور جگہ جانے نہ دینے کی اپنی سعی جاری رکھتے ہوئے فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ پر بھی خط لکھا تھا کہ مفتی صاحب کو ڈابھیل ہی لوٹنے کے لئے فرمائیں۔ مہتمم صاحب کو پتہ تھا کہ مفتی صاحب ان کے شیخ و مربی کے مشورہ کے بغیر مستقبل کا فیصلہ کرہی نہیں سکتے اس لئے خط لکھا تھا۔ مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کو جامعہ میں دوبارہ لانے کے لئے دوسری کوشش یہ کی کہ مولانا محمد شفیع میاں (جامعہ کے سابق استاذ حفظ و رکنِ شوری م۱۴۱۷ھ) جو حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ان کے ذریعہ بھی مفتی صاحب کو جامعہ میں دوبارہ بھیجنے کی حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں یہ بات باربار پہنچائی تھی۔ شروع رمضان میں تو فقیہ الامت نے مفتی صاحب کو کچھ نہ چھیڑا، جوں جوں ماہِ مبارک ختم ہونے کے قریب ہوتا

گیا مفتی صاحب نے حضرت کا عندیہ معلوم فرمایا کہ آئندہ کے لئے کہاں جاؤں؟ حضرت نے فرمایا کہیں سے بلاوا آیا ہے؟ تو مفتی صاحب نے نفی میں جواب دیا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ ڈابھیل سے حضرت مہتمم صاحب نے تاکید کی ہے کہ ڈابھیل واپس بھیج دیجئے اس لئے میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ڈابھیل ہی چلے جایئے، حضرت کا یہ فیصلہ مفتی صاحب کے نفس پر بڑا شاق گزرا، مفتی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ڈابھیل سے از خود استعفاء دے کر چھوڑ چکا ہوں اب کیا پھر جاؤں؟ حضرت نے فرمایا میری رائے اور منشاء پوچھتے ہو تو یہی ہے کہ ڈابھیل جاؤ! باقی آپ کو اختیار ہے۔ مفتی صاحب نے حضرت ہی کے منشاء پر عمل کرتے ہوئے ڈابھیل واپسی کا فیصلہ کرلیا۔

حضرت مہتمم صاحبؒ نے مفتی صاحب کو باوجود استعفاء دینے کے دوبارہ کیوں طلب کیا؟ میرے نزدیک اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ چھ سال کے دوران کام کی لگن اور طرزِ تدریس اور صلاحیتوں کی وجہ سے مہتمم صاحب کے معتمد بن چکے تھے، شاید کوئی راقم کے خیال کو حسنِ اعتقاد پر محمول کرے اس لئے بہتر ہے کہ خود حضرت مہتمم صاحبؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ کے مابین اس حادثہ کے خطوط کے دو اقتباس پیش کر دوں، مفتی صاحب کو دوبارہ رکھنے کے لئے مہتمم صاحب نے جو خط حضرت فقیہ الامت کی خدمت میں لکھا تھا حضرت کی طرف سے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا ”جس مدرس پر آپ کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اور کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی اگر مناسب سمجھیں تو ان کو تنہائی میں بلا کر دریافت کرلیں تا کہ غلط فہمی دور ہو جائے......

احقر محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۸/ ۷/ ۹۴ھ

حضرت فقیہ الامت کے منشاء کے مطابق ڈابھیل دوبارہ واپسی کا فیصلہ کرلیا،

حضرت نے مولانا محمد شفیع میاں صاحب کی زبانی حضرت مہتمم صاحب پر کہلوا دیا اور خط بھی لکھ دیا تھا، اس خط کا ایک اقتباس یہ ہے:

پہلے خط میں آپ نے مولوی احمد خانپوری کے متعلق لکھا تھا کہ وہ ہمیشہ میرے بہت ہی معتمد رہے ہیں۔ میں نے جواب میں لکھا تھا کہ جو شخص آپ کا معتمد رہا ہے اور کبھی آپ نے اس کو شکایت کا موقع نہ دیا ہو، بہتر یہ ہے کہ اس کو تنہائی میں بلا کر گفتگو کر لیں، غلط روایتوں سے بدگمانیاں طرفین میں پیدا ہو جاتی ہیں، کوتاہیاں بھی کچھ نہ کچھ سب میں ہوتی ہیں، تاہم صلح صفائی کر لینے کے بعد تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوتاہیاں اتنی نہیں کہ بات یہاں تک پہنچے، بدگمانیاں اور غلط روایتوں کو زیادہ دخل ہے، مگر آپ نے ان سے گفتگو نہیں کی، میں نے یہاں ان سے گفتگو کر کے آمادہ کر لیا ہے، میرے کہنے پر وہ دوسری جگہ بات کرنے سے رک گئے ہیں میں نے مولانا شفیع میاں کو اس کی بھی خبر کر دی اور انہوں نے آپ کو لکھ بھیجا۔

اب میری رائے یہ ہے کہ مولوی احمد صاحب خانپوری کو میں بعد عید متصلاً بھیج رہا ہوں (حالاں کہ وہ اخیر ذی قعدہ تک یہاں حضرت شیخؒ کی خدمت میں ٹھہرنا چاہتے ہیں) آپ ان کو تنہائی میں بلا کر اپنے سابق تعلقِ اعتماد کو یاد دلائیں اور فرمائیں کہ میں اسی قدیم اعتماد کی بناء پر آپ سے کہتا ہوں کہ اپنا استعفاء واپس لیں۔ وہ واپس لے لیں گے، کسی مزید مدرس کی آپ کو ضرورت نہیں ہوگی۔

حضرت فقیہ الامت کا مفتی صاحب کو دوبارہ جامعہ بھیجنے کا فیصلہ مفتی صاحب پر بہت گراں اور نفس پر انتہائی شاق گزرا تھا اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ فرمایا ''میرا سلوک تو اسی میں طے ہو گیا کہ حضرت نے کان پکڑ کر مجھے دوبارہ ڈابھیل بھیج دیا''

جو لوگ جامعہ کے سابق مہتمم صاحب کے مزاج شناس اور ان کے طرزِ اہتمام سے واقف ہیں ان کو بتلانے کی ضرورت نہیں، جو لوگ ناواقف ہیں ان سے کہنا ہے کہ جامعہ ڈابھیل کی تاریخ میں بالخصوص حضرت مولانا محمد سعید بزرگ ؒ جیسے رجال شناس وقدر داں کے دورِ اہتمام میں کسی مدرس کے مستعفی ہونے کے بعد دوبارہ جامعہ میں لانے کے لئے اس قدر تگ ودو کی گئی ہو جتنی مفتی صاحب کے بارے میں حضرت مہتمم صاحب نے کی کم از کم میرے علم میں نہیں۔

اس واقعہ سے حضرت مہتمم صاحب کا گروہی و جماعتی تعصّبات سے اوپر اٹھ کر جامعہ کے مفادات وترقیات کو ہر دم ملحوظ رکھنے کا مزاج ظاہر ہوتا ہے، اور یہی راز ہے کہ ان کے دورِ اہتمام میں جامعہ ہر نوع کی ترقیات سے مالا مال ہوا۔

ناظمِ تعلیمات

۱۳۹۴ھ کے خلفشار کی وجہ سے طلبہ میں ذہنی آزادی آ گئی، تعلیمی نظم ونسق درہم برہم ہو چکا، انتظامیہ اور طلبہ کے مابین ربط ڈھیلا ہو گیا، جامعہ کی حالت مریض کی سی ہو چکی تھی، اور اسے کسی مسیحا نفس کا انتظار تھا جو اپنے نفس کی روحانی گرمی سے اس میں دوبارہ جان ڈالتا، حضرت مہتمم صاحب کو جامعہ کے نظام تعلیم اور طلبہ کے اصلاحِ حال کے لئے ''ناظمِ تعلیمات'' کی سخت ضرورت تھی، مہتمم صاحب جو ہر شناس تھے وہ مفتی صاحب کی علمی، درسی وتدریسی اور نظم ونسق کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے، سابق چھ سالوں میں اس کا مشاہدہ کر چکے تھے۔

؎ قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

چنانچہ حضرت مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کے متعلق ''ناظمِ تعلیمات'' کی

رائے جامعہ کی مجلسِ شوریٰ کے سامنے رکھی جس پر جمیع ارکانِ شوریٰ کے اتفاق سے مفتی صاحب کو ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ مطابق ۵/ مئی ۱۹۷۵ء جامعہ کا ''ناظمِ تعلیمات'' طے کیا گیا، مفتی صاحب نے اس باب میں قدم کیا رکھا، جامعہ کے دن پھر گئے، نظامِ تعلیم و تربیت رو بہ ترقی ہوتا گیا، جامعہ کی ترقی کے لئے کس طرح مصروف رہے اور کس طرح آگے چلتے اور بڑھتے رہے اور اس کو بامِ عروج تک پہنچانے میں ان کو کیسی تند و تیز ہواؤں اور حوصلہ شکن وصبر آزما حالات کا مقابلہ کرنا پڑا اس کے لئے آپ ہی کے دو ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیے: فرمایا (۱) میں نے جامعہ کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دی ہے (۲) اس کا تعلیمی نظام بلند سے بلند کر کے چھوڑا۔

راقم کا خیال ہے کہ نظامتِ تعلیم میں غیبی نصرت آپ کے شاملِ حال تھی، اپنے شیخ ومربی حضرت فقیہ الامتؒ کے مشورہ کے بعد اس ذمہ داری کو قبول فرمایا تھا، ان کی توجہ و دعا پشت پناہی کا کام کررہی تھی، وقتاً فوقتاً اس راہ کی مشکلات میں حل کے لئے فقیہ الامت سے راہ نمائی حاصل کرتے، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں جس کو تفصیل مطلوب ہو ''مکتوباتِ فقیہ الامت قسطِ رابع'' کا مطالعہ کرلیں۔

اس دور میں طلباء کی اصلاح کے لئے حضراتِ اساتذہ کے نام سرکلر بک میں جتنے مضامین ہیں وہ مفتی صاحب ہی کے مجوزہ اور افکار ذہن ہیں، اس پر دستخط حضرت مہتمم صاحب کے ہیں مگر مہتمم صاحب کے سامنے طلباء کے اصلاحِ حال کے لئے تجویز آپ ہی رکھتے تھے وہ مضامین دل کش اور دل فریب ہیں۔

آپ کا نظامتِ تعلیم کا دور جامعہ کا زرین اور سنہری دور ہے، جب جامعہ کی تعلیمی نظم کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی اس وقت متعدد اساتذہ آپ کے ہم سن اور تعلیمی درجہ

میں گویا آپ کے برابر تھے، بعض اساتذہ اکابر کے درجہ میں تھے، اور چند حضرات آپ کے چھوٹے کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن آپ نے ایسی خوش اسلوبی سے نظامت کو چلایا اور سب سے حسنِ معاملہ کا ایسا نقشہ باندھا کہ اکابر اساتذہ آپ کی محنت کے پیشِ نظر آپ کو عظمت ومحبت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

جن حضرات کو انتظام سے سابقہ پڑتا ہے وہ جانتے ہیں کہ بسا اوقات اس راہ میں نرم وگرم حالات بھی پیش آتے ہیں، آپ کو بھی پیش آئے مگر چوں کہ آپ کا برتاؤ عزیز طلباء سے ایک شفیق مربی کا اور مخلصانہ تھا اس لئے اس کے اچھے ہی نتائج مرتب ہوئے، اگر کبھی کسی طالبِ علم کی تادیب کی نوبت آتی تو اس میں کبھی بھی جذبۂ انتقام اور شفائے غیظ کا رنگ نہیں ہوتا تھا بلکہ شفقت ومحبت کا رنگ جھلکتا تھا، بعض اوقات ایسی بات فرماتے کہ طلبہ اس کو آپ کے کشف والہام پر محمول کرتے تھے، ایسے واقعات بھی ہیں۔

کسی طالبِ علم کی شرارت یا زیادتی کی وجہ سے کوئی بات پیش آتی یا تعلیم یا نماز میں غفلت محسوس ہوتی تو عصر کی نماز کے بعد مسجد میں جامع نصائح سے نوازتے۔ ویسے تو یہ معمول شروع میں ہر ہفتہ میں پابندی سے کئی سال رہا، بعد میں حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً اس پر عمل ہوتا رہا، نیز سال کے اوائل واواخر میں دل سوزی اور جم کر نصیحت فرماتے تھے، چنانچہ تعلیمی سال کے شروع میں مدرسہ میں آمد کی غرض، طلبِ علم کے فضائل، تصحیحِ نیت، تعلیم میں انہماک، غیر ضروری امور اور بری صحبت سے پرہیز، علم اور متعلقاتِ علم کے آداب، تضییعِ اوقات، بن سنور کر رہنے اور فضول خرچی سے اجتناب وغیرہ وغیرہ امور پر بہت ہی اہتمام سے روشنی ڈالتے اور اس سلسلہ میں اکابر کے واقعات بھی بیان فرماتے۔

اسی طرح سالانہ تعطیل سے قبل آدابِ سفر اور سفر وحضر میں نماز کی پابندی، اہلِ

بستی کی خدمات، گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے رہنے اور ان کے لئے بوجھ نہ بننے اور بری صحبت سے بچنے وغیرہ وغیرہ امور کی تاکید فرماتے۔

مدرسہ میں مقیم طلبہ کو پنج گانہ نماز میں جماعت کے اہتمام پر خوب زور دیتے، اس سلسلہ میں کوتاہی برداشت نہ کرتے، طالبِ علم کے مسبوق ہونے پر باز پرس فرماتے، اس وقت جامعہ میں دیگر مدارس کے بالمقابل جو نماز کا اہتمام دیکھا جاتا ہے میں تو سمجھتا ہوں یہ آپ کی سابق جاں فشانی کا ثمرہ ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ خود آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے نماز کا خاص ذوق نصیب فرمایا ہے، تمام دیگر مصروفیتوں کے باوجود نماز با جماعت اور صفِ اول کا ایسا اہتمام ہے کہ جس کی مثالیں اہلِ علم میں بہت کم یاب ہیں، آپ کو مہینوں نہیں بلکہ برسوں تک کبھی مسبوق دیکھنا احقر کو یاد نہیں، آپ اپنے دورِ نظامت میں صبح سویرے اذان سے پہلے دار الاقامہ میں پہنچ جاتے اس وقت دار الاقامہ میں سپر وائزر طلباء کو بیدار کر چکا ہوتا مگر پھر بھی بعض طلباء بستر پر پڑے رہتے، آپ کی آمد کی اطلاع بلکہ آہٹ محسوس ہوتے ہی (آپ کو اللہ جل شانہ نے جو رعب وجلال عطا فرمایا اس کے پیشِ نظر) ان کی نیند ایسی غائب ہوتی کہ گویا وہ سوئے ہی نہیں، اس وقت عجیب منظر ہوتا، کوئی پائجامہ پہن رہا ہے، تو کوئی کرتہ لے کر مسجد کی طرف بھاگتا، کوئی غسل کے لئے بالٹی ٹٹول رہا ہے، تو کوئی استنجاء خانہ کا رخ کرتا ہے، کوئی بغیر ٹوپی اور بغیر چپل ہی مسجد کی راہ اختیار کرتا، آپ کی تشریف آوری سے دار الاقامہ آناً فاناً خالی ہو جاتا اور یوں صبح صادق صبحِ قیامت کا منظر پیش کرتی، گویا شیخ سعدی شیرازیؒ کی ''کریما'' کا عملی درس نہار منہ شروع ہو جاتا:

یکے پاسبان و یکے پادشاہ	یکے داد خواہ و یکے باج خواہ
یکے بر حصیر و یکے بر سریر	یکے در پلاس و یکے در حریر

یکے در تنعم یکے در عذاب	۞	یکے در مشقت یکے کامیاب

الغرض طلبۂ عزیز کی اصلاح وتربیت میں آپ ہر لمحہ کوشاں رہتے، یہی وجہ ہے کہ ابتدائی درجات سے لے کر آخری درجات تک کے تمام طلباء آپ کی باوقار شخصیت کو ایک مربی کی حیثیت سے جانتے پہچانتے، اتنے بڑے جامعہ میں جس میں ملک و بیرونِ ملک کے کئی سو طلباء زیرِ تعلیم ہوں ان کے افعال وکردار کی اخلاقی تربیت اور وہ بھی حسن و خوبی کے ساتھ بہ جائے خود اتنا بڑا کارنامہ ہے جو قوتِ قدسیہ کو چاہتا ہے۔

در بابِ نظامت حضرت اقدسؒ کی آپ پر خصوصی نظر وعنایت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آپ جب ۱۴۰۵ھ میں نظامتِ تعلیم سے سبک دوش ہوئے اور جامعہ کے استاذ صاحب (جو خود بھی بڑے بارعب و باوقار ہیں) کو نظامتِ تعلیم کے لئے تیار کرنا چاہا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ ”آپ کے سر پر تو بزرگوں کا ہاتھ ہے“ معذرت ظاہر کردی۔

بیس سال نظامتِ تعلیم کے ہوچکنے کے بعد چند مشکلات کے پیشِ نظر تدریس کے ساتھ نظامت کا کام بوجھ محسوس ہونے لگا، چنانچہ ایک خط میں حضرت فقیہ الامت کو لکھا ”نظامت کا کام بھی بڑا مشکل ہے اس کے لئے بھی دعا فرمائیں، حضرت اقدس کی غائبانہ توجہات وعنایات کا خواہش مند ہوں“۔ (مکتوبات فقیہ الامت: ۴/ ۲۰۹)

ایک اور خط میں تحریر فرمایا:

”دن بہ دن نظامت کی ذمہ داری کا بار زیادہ محسوس کرتا جا رہا ہوں اور اکثر و بیشتر یہ جذبہ اور خواہش شدت سے دل میں ہوتی ہے بلکہ دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالی عافیت کے ساتھ اس ذمہ داری سے سبک دوش فرمائے، اور تدریسی مشغولیت کے لئے خاص فرمائے، خصوصاً اس لئے بھی کہ حضرت مہتمم صاحب دن بہ دن اپنی ذمہ داری

میرے سر ڈالنے لگے ہیں اور طلباء اور مدرسین کے معاملات خاصے پریشان کن رہتے ہیں۔حضرت والا توجہات و دعاؤں سے مدد فرمائیں۔(ایضاً ۲۴۸)

بار بار اس راہ کی پیچیدگیوں کو حضرت مہتمم صاحب کے سامنے پیش کر کے اس ذمہ داری سے سبک دوشی کی درخواست کرتے لیکن شنوائی نہ ہوتی بالآخر ۱۴۰۴ھ میں نظامتِ تعلیم سے مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئے،تحریراً استعفاء پیش کر دیا جو مجلسِ شوریٰ نے باتفاقِ رائے مسترد کر دیا،نامنظوری کی خبر ان الفاظ میں دی گئی:

۵/ ۷/ ۱۹۸۴ء

محترم جناب مولانا احمد خانپوری صاحب

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ مہتمم صاحب نے آپ کی جانب سے موصول استعفاء نامہ درسلسلۂ ناظمِ تعلیمات ۸/ شوال ۱۴۰۴ھ کو مجلسِ شوریٰ میں پیش کیا تھا،جس پر تبادلۂ خیال کے بعد مجلسِ شوریٰ باتفاقِ ارکان آپ کے استعفاء نامہ کو نامنظور کرتی ہے، جس سے آپ مطلع رہیں۔

خادم: محمد سعید بزرگ (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

جب شرافت سے کام نہ چلا تو مفتی صاحب نے ایک نہایت اہم فیصلہ کیا وہ یہ تھا کہ اگر نظامت کی ذمہ داری سے سبک دوش نہ کیا تو پھر جامعہ سے رختِ سفر باندھنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

حضرت مہتمم صاحب ۱۳۹۴ھ کے انتشار میں مفتی صاحب کے فیصلۂ استعفاء کو آزما چکے تھے اس لئے ان کو یقین ہو گیا کہ اب کی بار نظامت والا استعفاء نامنظور کرنا گویا ایک مؤقر باصلاحیت مدرس سے ہاتھ دھونا ہے۔استعفاء کی اصل کاپی موجود ہے راقم اس کو

بعینہٖ قارئین کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہے، استعفاء نامہ پر تاریخ نہیں لکھی ہے لیکن اس کے جواب میں ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ نوشتہ ہے۔

نظامتِ تعلیم سے استعفاء

باسمہٖ تعالیٰ

محترم المقام حضرت قبلہ مہتمم صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون

اس سے قبل بھی اپنی بات پیش کر چکا ہوں، اب آخری عرض ہے کہ نظامت کی وجہ سے جو زدوکوب کی نوبت آتی ہے اس سے طبیعت پر بے حد اثر پڑتا ہے، دو روز سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں، اسی زدوکوب کی نحوست ہے کہ درسِ حدیث کے نتیجہ میں جو قلبی سکون ہونا چاہئے اس سے بھی محروم ہوں۔ اس اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ کے ہاتھوں یہ نظام چلا رہا ہے مجھے اس مخمصہ سے نجات دلائیں، اب میں تمام ذہنی و دماغی تاثرات سے عاجز آچکا ہوں، نہ رات میں نیند ہے اور نہ دن میں آرام، اگر اسی طرح بزرگوں کے ذریعہ میرے اوپر دباؤ ڈلوا ڈلوا کر مجبور کرتے رہے اور اس ذہنی انتشار سے نجات نہ دی تو اندیشہ ہے کہ کبھی میں کوئی غلط اقدام نہ کرلوں۔

آپ اپنے صاحب زادہ مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو باوجود شوریٰ کی منظوری کے اس کام میں نہیں لگا رہے ہیں اور مجھ پر دباؤ ڈلوا ڈلوا کر کام کروا رہے ہیں یہ دو پیمانے کیوں؟ کیا میں کبھی اپنے اس ذہنی مخمصہ سے نہ نکلوں؟ کیا اس کی صورت صرف یہی ہے کہ میں جامعہ چھوڑ دوں؟ کیا میرے لئے صرف تدریس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو نیابتِ اہتمام پر لگائیں اور وہ دھیرے

دھیرے یہ ذمہ داریاں سنبھال لیں؟

کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ طلبہ کے ساتھ میری طرف سے ہونے والی مار پیٹ تشدد وغیرہ سے بچ سکوں۔ کیا کوئی ایسی صورت نہیں کہ میں خاموشی اور سکون کے ساتھ یہاں تدریسی خدمات انجام دے سکوں اس طرح کہ سب میرے شر سے محفوظ رہیں اور میں سب کے شرور سے محفوظ رہوں؟ اگر آپ مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو اس ذمہ داری سے علیحدہ رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں تو پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ مولانا یوسف صاحب کو نائب ناظمِ تعلیمات کا چارج (باقاعدہ تنخواہ کے ساتھ) دیں اور ان کے دو تین گھنٹے اس طرح خالی کر دیں جس طرح میرے ہیں اور طلباء کے سب معاملات انہی کے سپرد فرما دیں اور مجھے طلباء کے ہر معاملات سے الگ فرما دیں؟

میں اب اتنا کمزور ہو چکا ہوں کہ مجھ میں اس بار برداری کی قوت نہیں ہے۔ بار بار درخواست دینے پر بھی آپ توجہ نہیں فرماتے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ شریفانہ طریقہ سے کوئی بات پیش کرنا جرم ہے جس کی سزا یہ کہ وہ بات مانی نہیں جائے گی۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے تو اب مجھے نہایت خاموشی کے ساتھ یہاں سے رختِ سفر باندھنا چاہیئے۔ والسلام

مذکورہ بالا تحریر کا طرزِ نگارش صاف بتا رہا ہے کہ آپ نظامت سے نہایت ہی عاجز آ چکے تھے، جس کی وجہ سے بہت ہی دل برداشتہ تھے اور استعفاء کی نا منظوری کی صورت میں رختِ سفر کا تہیہ کر لیا تھا۔

چنانچہ حضرت مہتمم صاحب کے لئے استعفاء منظور کئے بغیر چارۂ کار نہ تھا، منظور کر لیا، جس کی اطلاع حسبِ ذیل الفاظ میں دی گئی، منظور نامہ سے حضرت مہتمم صاحب کے عالی ظرف، شریفانہ برتاؤ اور حسنِ معاملہ کا جہاں اندازہ ہوتا ہے اسی طرح ان کی

بزرگانہ شفقت، خورد نوازی سطر سطر سے جھلکتی ہے۔

استعفاء کی منظوری

۲۰/ جمادی الاول ۱۴۰۵ھ مخدومی حضرت ناظم صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ نے مشرف فرمایا، مجھ ناکارہ کی معذوری کی وجہ سے آپ کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور پہنچ رہی ہے جس سے بہت زیادہ شرمندگی ہے، آپ کے مخلصانہ تعاون نے مجھے ایک حد تک بے فکر بنا رکھا ہے جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء میں دل سے اس تعاون کی قدر کرتا ہوں۔

الحمد للہ تعلیمی سال بہ خیر اطمینان سے ختم ہو رہا ہے، ان شاء اللہ آئندہ تعلیمی سال کے شروع سے مولوی یوسف صاحب کو نائب ناظم بنا کر آپ کے مشورہ سے تقسیم کار پر عمل کیا جائے گا تقسیمِ اسباق کے وقت ان کے اسباق کم کر دئے جائیں گے، اور خادم زادہ احمد سلمہ کو بھی اس تقسیم کار میں شامل کریں گے، بے فکر رہیں اور اپنا مخلصانہ تعاون جاری رکھیں۔ فقط

احقر خادم محمد سعید عفی اللہ عنہ۔ ۱۱/ فروری ۸۵ء

۱۴۰۵ھ کے بعد نظامت سے دست بردار ہو کر صرف درس و تدریس کی خدمت سرانجام دیتے رہے، لیکن بایں ہمہ نظامت سے ضابطہ کا تعلق ختم ہونے کے بعد بھی رابطہ کا تعلق باقی رہا، چنانچہ بعد کے دور میں آنے والے ناظم تعلیمات حضرات کے دورِ نظامت میں طلبہ کے اہم اور پیچیدہ مسائل میں اور اس راہ کے دیگر امور میں پیش پیش رہے اور حتی الوسع اس خدمت میں ذرہ برابر کمزوری اور کوتاہی نہیں آنے دی۔ لیکن یہ ہاتھ بٹانا از راہِ تبرع تھا آپ کی ذمہ داری میں داخل نہیں تھا، اس لئے کہ جب آپ کو ۱۴۰۶ھ میں جامعہ میں صدر مفتی کے منصب پر فائز کیا تھا تو آپ نے شرط کی تھی کہ اِفتاء کا کام یکسوئی چا

ہتا ہے نظامت کے ساتھ اِفتاء کا کام مشکل ہے، چنانچہ آپ کی شرط منظور کی گئی تھی۔

جامعہ کا دارالافتاء اور اس کے فقہائے سبعہ

ہندوستان میں جب تک اسلامی حکومت رہی اس وقت تک عموماً اسلامی قانون رائج رہا، لیکن جب مسلم دورِ حکومت ہماری شامتِ اعمال سے ختم ہوا، اسلامی نظام بھی رخصت ہوا، انگریز کے ناپاک قدم جب سے اس ملک میں پڑے انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اسلامی نظام کے ساتھ اسلامی تعلیم کو بھی ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، لارڈ میکالے کے کالے نظامِ تعلیم نے مسلمانوں کو کتاب وسنت اور احکامِ شریعت کے علم سے دور کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ لوگ اسلامی اور دینی اصطلاحات سے بھی جاہل وناواقف رہنے لگے۔

اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے ان علمائے کرام کو جنہوں نے بطورِ خود اسلامی نظام کی یادگار کو کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھنے کے لئے تن، من اور دھن کی بازی لگا دی۔

۱۲۸۳ھ، م ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، جب اس کی شہرت بامِ عروج پر پہنچی تو عوام مسلمین مسائلِ شریعت کے سلسلہ میں دارالعلوم کے علماء سے رجوع کرنے لگے اور چند ہی سال کے بعد دارالعلوم کے اربابِ حل وعقد نے دارالِافتاء کی ضرورت محسوس فرمائی۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱۳۱۰ھ میں حضرت قطبِ عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سرپرست دارالعلوم کی تجویز سے دارالِافتاء کے لئے باضابطہ عہدۂ اِفتاء تجویز ہوا، اور حضرت اقدس نے اپنی فراستِ باطنی سے وہ تمام جوہر جو ایک ذمہ دار مفتی میں درکار ہیں حضرت مفتیٔ اعظم (مراد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۴۷ھ) مفتیٔ اول دارالعلوم دیوبند) میں دیکھ کر آپ کو عہدۂ اِفتاء کے لئے نامزد فرمایا۔

اس لئے حضرت مفتیٔ اعظم دار العلوم کے مفتی ہی نہیں بلکہ یہاں کے عہدۂ افتاء کا نقطۂ اولی بھی ہیں جس کا آغاز ہی حضرت ممدوح کی ذات گرامی سے کیا، اور آپ یہاں کے قصرِ افتاء کے لئے خشتِ اول ثابت ہوئے جس پر آگے کی تعمیر کھڑی ہوئی۔ (مقدمۂ فتاوی دار العلوم)

۱۳۴۶ھ، م ۱۹۲۷ء میں دار العلوم دیوبند میں زبردست اسٹرائک ہوئی جس کی وجہ سے برگزیدہ علمائے ربانی کی ایک جماعت ڈابھیل کے چھوٹے سے مدرسہ میں منتقل ہو گئی جن کی آمد سے ۱۳۴۶ھ میں مدرسہ تعلیم الدین نامی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کے قالب میں تبدیل ہو گیا، اس مقدس جماعت کی تشریف آوری کے بعد سملک و ڈابھیل کے زمین و آسمان ہی بدل گئے، اس جماعت میں فقہ، حدیث اور تفسیر کے ائمہ بھی موجود تھے، فقہ کے امام سے مراد دار العلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کی شخصیت ہیں (جو ضعف کی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد تشریف لائے تھے) جن کے تفقہ و تدین کے چرچوں سے ہندوستان گونج رہا تھا۔

جامعہ ڈابھیل میں جب سے فتاوی نویسی کا سلسلہ شروع ہوا منصبِ افتاء پر جن ماہر مفتیانِ کرام کا تقرر عمل میں آتا رہا ان کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

(۱) مفتیٔ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ: (م ۱۳۴۷ھ)

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کے بڑے بھائی تھے، ۳۵ سال مسلسل دار العلوم دیوبند میں فتوی کی اہم خدمت آپ ہی کے سپرد رہی اس عرصہ میں ہزارہا فتاوی تحریر فرمائے جو ''عزیز الفتاوی'' اور ''فتاوی دار العلوم'' کے نام سے منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔

محرم الحرام ۱۳۴۷ھ کی آخری تاریخوں میں امام العصر محدث دوراں حضرت

علامہ انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث اول جامعہ ڈابھیل یکا یک علیل ہوکر تبدیلِ آب وہوا اور علاج کی غرض سے دیو بند تشریف لے گئے تو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سے درخواست کی گئی کہ آپ تشریف لاکر بخاری شریف ختم کرادیں۔

حضرتؒ نے درخوست قبول فرمالی اور ۱۷/ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ کو جامعہ میں تشریف لے آئے اور بخاری شریف کے درس میں مشغول ہو گئے، ابھی تشریف آوری کے دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ جمادی الأخری کے اوائل میں ایک اہم اور ضروری کام کی وجہ سے آپ کو دیو بند تشریف لے جانا پڑا، دیوبند پہنچتے ہی بیمار پڑ گئے، اور ۱۲/ جمادی الأخری ۱۳۴۷ھ یومِ جمعہ کو جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر اختیار کیا۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب جامعہ کے پہلے مفتی ہیں، جامعہ میں قلیل عرصہ (دو ماہ تقریباً) قیام رہا، حضرت قاری محمد طیب صاحب کی تحریر کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے: دارالعلوم دیو بند کی طرح یہاں کے عہدۂ اِفتاء کا نقطۂ اولی اور خشتِ اول آپ ہی ہیں جس پر آگے کی تعمیر کھڑی ہوئی۔

(۲) حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (متوفی ۱۴۰۴ھ)

آپ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے صاحب زادے ہیں، ۱۳۴۶ھ میں جو قافلہ دارالعلوم دیو بند سے سرزمینِ ڈابھیل میں وارد ہوا اس میں آپ بھی شامل تھے، جامعہ کے مفتیٔ اول حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے وصال کے بعد حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کو دارالاِفتاء کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔

جامعہ کی اردو روئداد میں عنوان قائم کیا گیا ہے ''حضرت مفتی صاحب کے بعد منصبِ اِفتاء'' کے ذیل میں لکھا ہے: حضرت مرحوم (مراد حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ)

کی وفات کے بعد سے شعبۂ اِفتاء کے اہم فرائض آپ کے خلف الصدق مولانا حافظ قاری مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سلمہ سے کلیۃً متعلق ہیں، مولانائے موصوف اپنے والد مرحوم کی نگرانی میں سالہا سال تک فتوی نویسی کی ذمہ دارانہ خدمات انجام دیتے رہے۔

مرحوم کی حیات ہی میں آپ کی مہارتِ اِفتاء مسلم تھی، اور حضرت مرحوم کو آپ کے فتاوی پر پورا اعتماد واطمینان تھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ تدریس کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ آپ اس عہدہ کے فرائض بھی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں، اور جامعہ میں ہندو بیرونِ ہند سے جو استفتاء آتے ہیں ان کے جوابات کی خدمت مستقل طور پر آپ ہی کے سپرد ہے۔ (روئداد ۱۳۴۷ھ)

۱۳۴۶ھ تا ۱۳۵۱ھ جامعہ میں تدریسی اور فتاوی نویسی کی خدمات انجام دیں، ۱۳۵۱ھ میں ایک تاریخی فتوی ظالم انگریز کے خلاف جرأت مندانہ اقدام کرتے ہوئے تحریر فرمایا جو جامعہ سے علیحدگی کا سبب بنا۔ فتوی اور اس سلسلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے راقم کا مرتبہ ''اجلاس صد سالہ'' ص۱۸۲ تا ۱۸۵۔

(۳) حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ (متوفی ۱۳۷۱ھ)

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کی تشریف بری کے بعد جامعہ کے اہتمام کے ساتھ فتاوی نویسی کی خدمات تقریباً تین سال تک حضرت مولانا احمد بزرگؒ نے انجام دیں۔ حضرت مولانا احمد بزرگؒ امام ربانی، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے آخری مرید، حضرت شیخ الھند مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ کے شاگرد وخادم، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے صحبت یافتہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سابق مہتمم ہیں۔ جامعہ کے مہتمم بنائے

جانے سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون (برما) کے دارالِا فتاء میں مفتیٔ اعظم برما کی حیثیت سے ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۱ء تک وقیع خدمات انجام دے چکے تھے، مولانا احمد بزرگؒ کی دینی و ملی خدمات کے موضوع پر راقم کی کتاب ''نقوشِ بزرگاں'' جلد اول کا مطالعہ کیجئے۔

(۴) مفتیٔ گجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ (متوفی ۱۳۷۸ھ)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے خصوصی شاگرد تھے، ۱۳۵۴ھ میں جامعہ کے منصبِ اِفتاء پر تقرر ہوا، اس سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون برما میں مفتیٔ اعظم کی حیثیت سے وقیع خدمات انجام دیں، وہاں ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء یعنی دس سال قیام رہا۔

گجرات میں آپ کی ذات مرجعِ خلائق تھی، گجرات کے نہ صرف عوام بلکہ علماء میں بھی آپ کے فتاوی کو قدر ومنزلت حاصل تھی۔

آپ کے فتاوی گجرات کے ہفتہ وار اخبار ''مسلم گجرات'' اور ''ماہنامہ الاصلاح'' میں شائع ہوتے تھے، ان فتاوی کی پانچ ضخیم جلدیں آپ کے پوتے، جامعہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم نے بڑی عرق ریزی کے بعد از سرِ نو جدید ترتیب دے کر شائع فرمائے ہیں، شائع شدہ حصہ کم ہے، ابھی اور ہزاروں گجراتی و اردو فتاوی منظرِ عام پر لانے کی کاوش جاری ہے جو کم از کم دس جلدوں پر مشتمل ہوں گے۔ مفتی بسم اللہ کے فتاوی پر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے اطمینان ظاہر فرمایا ہے۔

آپ کے انتقال کے بعد مجلسِ خدام الدین سے ''الاصلاح'' کا خصوصی شمارہ شائع کیا گیا جو مختلف حضرات کے مضامین وخراجِ عقیدت پر مشتمل ہے، اس میں ایک مضمون حضرت مولانا مفتی احمد بیماتؒ سابق شیخ الحدیث فلاح دارین ترکیسر کا ہے اس میں ہے:

''کسی مسئلہ میں چند مفتیانِ کرام کے فتاوی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی

خدمت میں پہنچے، حضرت نے جب مفتی اسماعیل صاحبؒ کا فتوی ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ ''اس شخص کے فتوی میں تفقہ کی خوشبو آتی ہے''۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے ایک شاگرد مولانا مفتی عبدالباقی صاحب مدظلہ (مقیم برطانیہ) سے فرمایا تھا کہ: ''ہمارے ساتھی مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب بڑے اونچے فقیہ ہیں، ان کے فتاوی دیکھتے رہنا''۔

مفتی بسم اللہ صاحب دار الإفتاء کے چوتھے صدر مفتی ہیں، فتاوی کی تعداد اور مدتِ خدمت دونوں حیثیت سے سابق مفتیانِ کرام پر فوقیت کے حامل ہیں، ۲۳/ سال جامعہ کے دار الإفتاء کے منصب پر فائز رہے، فتاوی کی تعداد ۳۵/ ہزار بتائی جاتی ہے۔

نوٹ: مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب کی سوانح کا جامع مرقع حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا ہے، جو ''فتاوی سنگرہ'' جلد اول کے شروع میں ہے، راقم الحروف اسی مرقع کی روشنی میں چند اضافوں کے ساتھ ''نقوشِ بسم اللہ'' مرتب کر رہا ہے جو عنقریب منظرِ عام پر آئے گی ان شاء اللہ، اس میں مفتی بسم اللہ صاحب کی دینی وملی خدمات کی تفصیلات ہوں گی۔

حضرت مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد ۱۳۸۴ھ تک (شوال ۱۳۷۸ھ تا ۱۳۸۴ھ) چھ سال تک مسندِ اِفتاء خالی رہا، باقاعدہ کسی مفتی کا تقرر بہ حیثیت مفتی عمل میں نہیں آیا، استفتاء کی آمد اور اس کے جوابات کا سلسلہ پھر بھی کچھ نہ کچھ جاری تھا، مہتممِ جامعہ مولانا محمد سعید بزرگؒ فتاوی نویسی کا کام حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً حضراتِ اساتذہ سے لیتے تھے، اس دور کے نقولِ فتاوی کے رجسٹر میں مجیب کی جگہ مولانا احمد بیمات صاحب اور مولانا قمر الدین صاحب بڑودویؒ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔

(۵) حضرت مفتی اسماعیل محمد گورا راندیریؒ (متوفی ۱۳۸۹ھ)

اس سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون برما میں مفتی کی حیثیت سے دس سال تک (۱۹۵۲ءتا ۱۹۶۲ء) اہم خدمت انجام دے چکے تھے، آپ کے فتاوی بھی ہفت واری اخبار ''مسلم گجرات'' میں شائع ہوتے تھے، مفتی گورا صاحب اپنی خندہ پیشانی اور ملنساری کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے، اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے ہند و بیرونِ ہند میں مشہور تھے، آپ کے جوابات ''قلّ ودلّ'' کے مصداق ہوتے تھے۔

(۶) حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے شاگرد ومجاز ہیں، دیوبند میں حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحب سے فتاوی نویسی کی مشق کی، شیخ الحدیث صاحب اور فقیہ الامت کے ایماء پر جامعہ میں افتاء کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی، ۶/ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ میں جامعہ ڈابھیل میں تقرر ہوا، تدریس کے ساتھ جامعہ کے سابق مفتی حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب گورا کے زیر نگرانی فتاوی تحریر کرتے رہے، ان کے معتمد تھے، ۱۳۸۹ھ میں مفتی گورا صاحب کے وصال کے بعد جامعہ کے صدر مفتی منتخب کئے گئے۔

آپ کے فتاوی گجراتی اخبار ماہنامہ ''تبلیغ'' میں شائع ہوتے تھے، آپ کے دور صدارت میں مفتی بنانے کا کورس جاری ہوا، اپنے دورِ صدارت میں ۲۰/ مفتی بنائے، فقہ و فتاوی سے خاص مناسبت تھی، فنِ فقہ میں مہارت کے بعض واقعات راقم نے مکتوباتِ فقیہ الزمن کے مقدمہ میں تحریر کئے ہیں ۱۴۰۶ھ میں جامعہ ڈابھیل سے مستعفی ہوئے۔

مفتی صاحب مسندِ افتاء پر

(۷) حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم

آپ جامعہ کے ساتویں مفتی ہیں، افتاء میں خدمات کے سلسلہ میں سابق تمام مفتیانِ کرام سے فوقیت لے گئے، آپ کی خدمات کے مختلف پہلو ہیں ان ہی کو یہاں اجاگر کرنا ہے، سب سے پہلے افتاء کی مدتِ خدمت پر نظر کرنا ہوگا اس کو جاننے کے لئے سابق مفتیانِ کرام کی مدتِ خدمت جاننا ضروری ہے:

نمبر شمار	مفتیانِ کرام	ابتداء	انتہاء
۱	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (مدتِ خدمت تقریباً دو ماہ)	۷/ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ	اوائلِ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ
۲	حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (مدتِ خدمت ساڑھے چار سال)	۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ	ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ
۳	حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ (مدت خدمت تقریباً ۳/ سال)	ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ	یکم ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ
۴	حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ۔ (مدتِ خدمت تقریباً ۲۳/ سال)	یکم ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ	۱۶/ شوال ۱۳۷۸ھ
	منصبِ افتاء خالی	۱۶/ شوال ۱۳۷۸ھ	۱۳۸۴ھ
۵	حضرت مولانا مفتی اسماعیل گورا صاحب راندیریؒ (مدتِ خدمت ۶/ سال)	۱۳۸۴ھ	ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

۶	حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب دامت برکاتہم ۔(مدتِ خدمت تقریباً ۱۷/سال)	ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ	۳۰/ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ
۷	حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم (تادمِ تحریر مدتِ خدمت ۲۳/سال ۴/ماہ)	۳۰/ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ	تاحال

۱۳۹۶ھ کے خلفشار کے زمانہ میں (جس کا ذکر سابق میں گزر چکا) حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ایماء پر "بذل المجہود" کی طباعت میں تعاون کی غرض سے "بیروت" تشریف لے گئے تھے، اس وقت تین، چار ماہ فتاوی نویسی کا کام حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ نے انجام دیا تھا، مفتی اسماعیل صاحب کی تشریف آوری کے بعد فتوی کا کام اصل کی طرف منتقل ہو گیا تھا، چونکہ وہ کام صدر مفتی کی حیثیت سے نہیں کیا تھا اس لئے مذکورہ مدتِ خدمت میں راقم نے اسے شمار نہیں کیا۔

بہرحال جامعہ میں فتوی کی عظیم ذمہ داریاں جو ۲۳/سال سے زائد عرصہ پر محیط ہیں جزوِ زندگی بنی ہوئی ہیں، اس آخری دور میں اور زیادہ ہمہ گیر ہو گئیں، دنیا بھر کے ممالک سے فقہی سوالات کا تانتا بندھا رہتا ہے، جن مسائل میں مفتیانِ کرام کے مختلف فتاوی ہوں وہ بھی محاکمہ کے لئے آپ ہی کے پاس بھیجتے ہیں، روزانہ کی ڈاک میں فتاوی کے علاوہ آپ کے مریدین و متعلقین کے خطوط بھی بہ کثرت آتے ہیں، آپ کی مقبولیت کی بناء پر بعض تشنگانِ علم اِفتاء کا کورس مکمل کسی اور جگہ سے کر چکنے کے باوجود فیض یاب ہونے کے لئے آتے ہیں۔

آپ کے تلامذہ جنہیں آپ سے بلا واسطہ فیض یاب ہونے کا موقع ملا اور مفتی کا کورس مکمل کیا اور اپنے اپنے علاقوں میں فتاوی نویسی اور دیگر خدماتِ دینیہ میں مشغول ہیں ان کی بڑی تعداد ہے، ان سب امور کی تفاصیل کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے،

راقم اختصاراً صرف چند پہلوؤں کا ذکر کرتا ہے:

تدریس سے افتاء کی طرف منتقل ہونے میں دار الافتاء کے سرپرست حضرت فقیہ الامتؒ کا مشورہ

۱۴۰۶ھ میں عید الاضحیٰ سے پہلے جامعہ کے صدر مفتی حضرت مولانا اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ (خلیفہ ومجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حال مقیم بریڈفورڈ، برطانیہ) جامعہ سے مستعفی ہو گئے، جامعہ کے دور اندیش اور مردم شناس مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ نے فتاوی نویسی کے لئے مفتی صاحب مدظلہ کو نامزد کرنا چاہا، مگر مفتی صاحب کے تمام امور حضرت اقدسؒ کے مشورہ کے تابع تھے، اس لئے اثبات یا نفی میں جواب دئے بغیر حضرت اقدسؒ سے مشورہ طلب فرمایا، مفتی صاحب نے حضرتؒ کے یہاں ایک سال اِفتاء کا کورس مکمل کیا تھا اور فتاوی نویسی کی مشق بھی کی تھی، حضرتؒ آپ کی صلاحیتِ خداداد سے خوب واقف تھے، اس لئے دار الافتاء کے لئے کوئی جدید انتظام کا مشورہ دینے کے بجائے حضرت مہتمم صاحب کے خیال کی تائید وتوثیق فرمائی، چنانچہ حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ کے مستعفی ہونے کی خبر اور اِفتاء کے لئے حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے کی گئی پیش کش کی خبر دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحب بنام فقیہ الامت ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مہتمم صاحب نے ایک دن مجھے بلا کر فرمایا کہ تجھے دار الافتاء میں وقت دینا ہے، اس لئے کہ مفتی اسماعیل صاحب الگ ہورہے ہیں، اور مفتی عباس صاحب کا بھی دیوبند جانے کا نظام بن رہا ہے، اس لئے تو ہی اس میں تین چار گھنٹے وقت دے، میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا... حضرت والا جو ارشاد فرمائیں اس پر ان شاء اللہ تعالی عمل ہوگا۔

حضرت فقیہ الامتؒ نے جواب تحریر فرمایا:

میری رائے تو یہ ہے کہ اِفتاء کے لئے کسی دوسرے انتظام کی ضرورت نہیں اب مولوی عباس صاحب کو بھی یہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں، آپ کا کچھ وقت فارغ کیا جائے، آپ فتوی لکھیں اوران سے کام لیا جائے، اللہ تعالی نصرت فرمائے....

اُملاہ: العبد محمود غفرلہ،۱۲/ ۱۱/ ۱۴۰۶

یہی جواب حضرت مہتمم صاحب کے نام لکھا اس کے الفاظ ہیں:

''میرے خیال میں مولانا احمد صاحب خانپوری مدظلہ کا کچھ وقت اِفتاء کے لئے تجویز ہوجائے اور وہ اپنی نگرانی میں مولوی عباس صاحب سے کام لیں، تو ان شاء اللہ تعالی جامعہ کا یہ شعبہ بھی ٹھیک چلتا رہے گا اور کسی جدید مفتی کے تقرر کی ضرورت نہیں پیش آئے گی''

منصبِ افتاء پر آنے کے چند روز بعد ایک فاضلِ جامعہ جو اُس وقت جامعہ کے مدرس تھے اور اِس وقت دارالعلوم زکریا لینیسیا ساؤتھ افریقہ میں استاذِ حدیث ہیں (مراد استاذِ محترم حضرت مولانا سلیمان چوکسی صاحب مدظلہ) انہوں نے ایک خواب دیکھا جو انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

خواب

میں نے خواب دیکھا کہ ایک جگہ مدرسہ جامعہ کی مملوکہ ہے جہاں بڑے بڑے درخت تھے، انہی درختوں کے بیچ میں جگہ جگہ لوگوں کی جوکٹی ہوئی کھیتیاں پڑی تھیں جس کی حفاظت کے لئے ایک گھر بنا ہوا تھا، یہ گھر بہت پرانا تھا، البتہ مضبوط تھا، اسی جگہ کے کنارے پر ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ تھا، جس کی یہ کیفیت تھی کہ ٹھنڈک کی کثرت کی وجہ سے برف بن جاتا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت استاذی مولانا احمد صاحب

خانپوری دام مجدہ مدرسہ کا ان کا موجودہ رہائشی مکان چھوڑ کر اسی مکان میں رہنے کے لئے منتقل ہو گئے، اس کے بعد موصوف کے گھر (خواب ہی میں) نظام الدین مرکز سے مولانا ابراہیم دیولوی زید مجدہ مہمان بن کر تشریف لائے، مہمان کی خدمت کے لئے استاذ المکرّم نے مجھ ناچیز (سلیمان کاوی) کو مامور فرمایا، اور فرمایا کہ مہمان کے لئے کسی درخت کے نیچے سونے کا انتظام کرو، میں نے حسب الحکم اسی پانی کے چشمہ کے قریب نظم کیا۔ اسی درمیان میں مہمان نے میزبان سے پوچھا کہ مکان کیوں تبدیل کرلیا۔ میزبان نے فرمایا کہ یہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا مکان ہے، چونکہ یہاں سکون زیادہ ہے، پانی وغیرہ کا بھی نظم ہے اس لئے یہاں منتقل ہو گیا ہوں۔ فقط بندہ: سلیمان چوکسی

یہ خواب آج سے تقریباً ۲۳/ سال پہلے دیکھا گیا تھا اس کی تعبیر روزِ روشن کی طرح عمل میں آچکی ہے یعنی خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، خود حضرت مفتی صاحب نے راقم سے خواب کی تعبیر ان الفاظ میں بیان فرمائی:

''حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو خواب میں دیکھنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فتاوی کے باب میں اللہ تعالی کی کفایت واعانت شامل ہوگی (کفایت اللہ میں ترکیبِ اضافی کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ راقم) پانی کا چشمہ ٹھنڈک کی کثرت کی وجہ سے برف بن جاتا تھا، اس سے میں سمجھا کہ فتاوی نویسی میں رفتہ رفتہ جماؤ پیدا ہوگا''۔ انتھی بلفظه.

راقم کہتا ہے: خواب کے ایک جزء کی تعبیر رہ گئی وہ ہے ''مدرسہ کا ان کا موجودہ رہائشی مکان چھوڑ کر اسی مکان میں رہنے کے لئے منتقل ہو گئے'' کیا ایسے واضح جزء کی تعبیر کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ نہیں اور بالکل نہیں عیاں راچہ بیاں، مکیں کو جماؤ نصیب ہوگا تو کیا مکان کے بغیر؟ جی ہاں مکان کو بھی جماؤ ہوگا اور ہوا ؎

گر نہ بیند بَروز شپّرہ ٔ چشم	چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

شرائطِ مفتی کا تحقق

فتاوی نویسی کا کام نہایت ہی نزاکت بھرا کام ہے، مفتی کے لئے مستقل شرائط و اوصاف بیان کئے گئے ہیں جب تک وہ شرائط واوصاف فتوی دینے والے میں نہ پائے جائیں وہ فتوی دینے کا اہل نہیں، یہاں ان شرائط واوصاف کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتانا ہے کہ مفتی صاحب میں وہ اوصاف تدریجاً قدرتی طور پر کیسے پیدا ہوئے۔

اللہ تعالی جب کسی بندہ سے کام لینا چاہتا ہے تو خود ہی اسباب پیدا فرما دیتا ہے، اور جب کسی سے توفیق سلب کرنا چاہتا ہے تو باوجود اسباب و وسائل مہیا ہونے کے قدرتی طور پر موانع پیش آجاتے ہیں۔ قدرت کا یہ نظام دینی و دنیوی تمام امور میں جاری ہے، اللہ تعالی کو مفتی صاحب سے فتاوی نویسی کا کام لینا تھا تو زمانۂ طالبِ علمی ہی سے مفتیوں کی صحبتوں سے حظِ وافر عطا فرما دیا تھا۔

(۱) دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے اساتذہ میں گجرات کے مشہور مفتیانِ کرام مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری اور مفتی عبد الغنی کاوی صاحب اور مفتی سید مصلح الدین صاحب کا ذکر تفصیل سے سابق اوراق میں گزر چکا ہے نیز اسی زمانہ سے مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کی خدمت میں حضرت کے فتاوی نقل کرنے کے لئے دولت کدہ پر روزانہ حاضری ہوتی تھی، جب تدریس کے لئے ڈابھیل تشریف لائے اس وقت بھی ایک مدت تک ہر جمعہ کو برابر حضرت کے پاس حاضری دیتے رہے، اور یہ نیازمندانہ تعلق حضرتؒ کے آخری لمحۂ حیات تک باقی رہا۔

۱۳۷۸ھ میں فقیہ الامتؒ سے فتاوی نویسی سیکھی، اس وقت سے جو تعلق قائم ہوا

وہ گہرا و مسلسل تھا جو طویل عرصہ یعنی تیس سال پر محیط ہے، ہندوستان کے دو مایۂ ناز و مشہور مفتی صاحبان (مراد مفتی لاجپوری صاحبؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ) کی عنایات و توجہات اور پاکیزہ صحبت و لمحات جس شخصیت کو نصیب ہوئے ہوں اس کے بابصیرت و ماہر ہونے میں کیا تردد ہوسکتا ہے؟

فتاویٰ کے باب میں ماہر مفتی سے تلمذ و صحبت کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ فتویٰ کا کام صرف جزئیات یاد کرنے یا کتابوں کی مراجعت کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں اور بھی بہت سے اصول مدِنظر رکھنے پڑتے ہیں اور ان میں سے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو لگے بندھے قواعد کے علاوہ مفتی کے لئے اپنے خداداد ملکۂ فقہیہ اور اس کے مزاج و مذاق سے تعلق رکھتی ہیں جو صرف کتابوں کے پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول کے لئے کسی ماہر مفتی کی طویل صحبت کی بھی ضرورت ہے، لو أن الرجل حفظ جميع كتب اصحابنا لا بد أن يتلمذ للفتوى حتى يهتدي اليه. (شرح عقود رسم المفتی ۱۷۹)

بایں ہمہ جب مسندِ اِفتاء آپ کو سپرد کی گئی تو بعض کرم فرما حضرات نے اعتراض کیا کہ جب تک سند نہ ہو اس وقت تک فتویٰ پر دستخط صحیح نہیں، اس کی اطلاع حضرت فقیہ الامتؒ کو کی گئی حضرت نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

''سند کا مضمون آپ کاتب سے لکھوالیں، میں وہاں حاضر ہوں گا تب دستخط کرالیں، آپ کی اطلاع کے لئے یہ بھی لکھتا ہوں کہ میرے پاس سند نہیں، کسی چیز کی بھی سند نہیں، ساری عمر اسی طرح گزر گئی ہے بے سند کے، اور کسی نے بھی نہیں پوچھا کہ تیری سند دکھا۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۴/۳۰۱)

(۲) کوئی بڑا آدمی یونہی آسانی سے بڑا نہیں بن جاتا بلکہ کسی بھی علم و فن میں کوئی

مقام حاصل کرنے کے لئے بڑے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، مفتی صاحب کو عربی اول سے بخاری شریف تک تدریجاً درس و تدریس کا موقع ملا جس کے سبب درسِ نظامی کے تمام علوم اور بالخصوص فقہ وفرائض سے خاص مناسبت پیدا ہوچکی تھی، فتاوی نویسی میں خاص فقہ وفرائض سے زیادہ تر واسطہ پڑتا ہے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کو سالہا سال پڑھا چکے تھے اس کے مسائل وضوابط پر گہری نظر تھی، جس طرح ہدایہ اپنی بعض منفرد خصوصیات کی بنا پر فقہ حنفی کی کتابوں میں ممتاز حیثیت کی حامل ہے اسی طرح تدریس کے دور میں مفتی صاحب کا درسِ ہدایہ ممتاز ومقبول درس شمار کیا جاتا تھا، بلکہ بعض طلباء درسِ ہدایہ کی مقبولیت سن کر محض ہدایہ پڑھنے کی خاطر جامعہ میں داخلہ لیتے تھے اور یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے ہدایہ کی تصنیف ۱۳ سال میں مکمل فرمائی: وهل هذا القبول الا بماروی أن صاحب الهداية بقی فی تصنیفها ثلث عشر سنة. (مقدمۂ ہدایہ علامہ لکھنوی)

مفتی صاحب نے بھی تقریباً ۱۳/ سال ہدایہ کا درس دیا تو مصنف کے ساتھ سنین میں حسنِ اتفاق سے قبولیت کی وجہ ظاہر ہے۔

علم الفرائض سے مناسبت کے سلسلہ میں بعض باتیں سابق اوراق میں گزر چکی ہیں وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

(۳) مفتی کے لئے ورع وتقوی، دیانت وامانت سے متصف ہونا بہت ہی ضروری ہے وينبغی أن يكون المفتی ظاهر الورع مشهوراً بالديانة الظاهرة والصيانة الباهرة. (شرح عقود رسم المفتی ۷)

اور یہ اوصاف عموماً اہل اللہ کی صحبت کے بغیر عادتاً حاصل ہونا مشکل ہے، مفتی صاحب کو اہل اللہ کی صحبت سے بھی وافر حصہ نصیب ہوا، چنانچہ کئی رمضان شیخ المشائخ

حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی بابرکت صحبت میں گزارے، ان کی حیاتی میں اور انتقال کے بعد فقیہ الامت سے باطنی فیوض سے مستفید ہوتے رہے، اس کی شہادت خود حضرت فقیہ الامتؒ کے گرامی ناموں میں موجود ہے، دو تین اقتباس پیش کرتا ہوں:

۸۸/۹/۵ کے گرامی نامہ میں جامعہ میں تقرر کے سلسلہ میں جامعہ کے مہتمم صاحب کے نام آپ کے متعلق تحریر فرمایا: وہ صالح ہیں، ذہین ہیں، متقی ہیں، ذی استعداد ہیں، ذاکر ہیں''

حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں صرف ایک سال گزارا تھا اس پر اوصافِ خمسہ سے متصف بتلا دیا حالاں کہ حضرتؒ کسی کا تزکیہ وتعریف فرمانے میں بہت محتاط تھے۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں ''جامع الکمالات مولانا احمد صاحب ....حق تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے اگرچہ وہ ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہ آتا ہو، اب آپ کے ذریعہ دوسروں کو وہ سب کچھ پہنچ رہا ہے اور ان شاء اللہ پہنچتا رہے گا۔ (مکتوبات ۴/۳۴۴)

ایک گرامی نامہ میں رقم طراز ہیں ''میں اگرچہ دیوبند میں ہوں لیکن دل آپ کے ساتھ لگا ہوا ہے اور آپ کے کارناموں سے مسرور ہوں''۔ (ایضاً ۳۲۳)

کہنا یہ ہے کہ آپ مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی بھی ہیں، نواب قطب الدین صاحب مصنف ''مظاہرِ حق'' نے غالباً امام مالکؒ کے حوالہ سے لکھا ہے من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق، ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق، ومن جمع بينهما فقد تحقق.

یعنی جو شخص فقیہ ہو جائے مگر صوفی نہ ہو وہ خشک بے کیف وبے نور رہتا ہے، اور جو صوفی ہو گیا فقیہ نہ ہوا وہ زندیق اور ملحد ہو گیا، اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا وہ محقق ہو گیا۔ (مجالسِ حکیم الامت ۲۹۲)

(۴) علم کا فیض دوسروں تک پہنچانے کے لئے تحریر کا واضح، شگفتہ، دل کش اور

عام فہم ہونا بہت ضروری ہے، جس زبان میں تحریر لکھی جائے اس زبان سے پورے طور پر واقفیت بھی لازمی امر ہے، بحمد اللہ مفتی صاحب کی گجراتی تحریر ہو یا اردو، صاف خط میں عام فہم اور جامع ہوتی ہے، گجراتی تو خیر آپ کی مادری زبان ہے، آپ کے والد صاحب گجراتی زبان کے ماہر اور اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے، خاندانی وموروثی اثرات بڑے طاقت ور ہوتے ہیں وہ نسل درنسل منتقل ہوتے رہتے ہیں اور بچوں میں اس کے اثرات کم وبیش پائے ہی جاتے ہیں، کچھ یہ آبائی اثر مفتی صاحب میں بھی منتقل ہوئے کہ گجراتی زبان وحساب پختہ ہے۔ اردو تحریر میں گجراتی کی بو تک نہیں آتی جس کا ثبوت یہ فتاوی کا مجموعہ ہے۔

''فتاوی رحیمیہ'' جلد اول و دوم حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ کے فتاوی گجراتی زبان میں ماہنامہ ''پیغام'' میں شائع ہوتے رہتے تھے، اصل زبان میں ان کا مجموعہ شائع ہونے کے بعد اسے اردو میں منتقل کر دیا گیا ہے، گجراتی سے اردو میں منتقل کرنے کی اہم خدمت جن حضرات نے انجام دی ان میں مفتی صاحب کا بھی بڑا حصہ ہے، اردو ایڈیشن پر تبصرہ نگار نے لکھا:

''گجراتی سے اردو ترجمہ خود مفتی صاحب (مراد مفتی لاجپوری صاحبؒ) کا نہیں ہے بعض دوسرے حضرات نے کیا ہے اور وہ خود بھی بے حد قابلِ تحسین ہے، کہیں سے ترجمہ پن ظاہر نہیں ہوتا''۔ (ماہنامہ الفرقان ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ)

۱۹۹۵ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا احمد آباد میں تاریخی اجلاس منعقد ہوا تھا، اس میں مجلسِ استقبالیہ کا صدر حضرت مفتی صاحب کو بنایا گیا تھا اس اجلاس کا خطبۂ استقبالیہ آپ نے تحریر فرما کر سنایا، وہ خطبہ اجلاس کا لبِ لباب اور نچوڑ تھا، خطبہ کا عنوان تھا ''اسلام کا مستقبل یقیناً روشن ہے مگر ہمارا مستقبل؟'' اور اس وقت خطبۂ استقبالیہ مستقلاً چھپا اور اجلاس میں تقسیم ہوا تھا۔

بعد میں ماہنامہ الفرقان لکھنؤ دسمبر ۱۹۹۵ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا، اس کے سرورق پر ''الفرقان'' کے مدیر حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد میں ۷/ ۸/ اکتوبر ۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بارہواں اجلاس منعقد ہوا تھا، اجلاس کی مجلسِ استقبالیہ کے صدر حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ (صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) تھے جو نہ صوبۂ گجرات بلکہ ملک کے بالغ نظر اور فقیہ النفس، اہلِ علم میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، انہوں نے جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا وہ اکثر حاضرین کے خیال میں پورے اجلاس کا حاصل تھا اور اسے ملتِ اسلامیہ کے نام مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پیغام کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

ذیل میں ہم اپنے قارئین کے لئے وہ خطبۂ استقبالیہ بعینہ پیش کررہے ہیں، اس خطبہ کے لئے نیز اجلاس کے شاندار انتظامات کے لئے ہم مولانا محترم کو اور ان کے توسط سے تمام ارکانِ استقبالیہ کو مبارک باد بھی پیش کرتے ہیں۔ (ماہنامہ الفرقان دسمبر ۱۹۹۵ء)

''خطبۂ استقبالیہ'' کی جامعیت ومقبولیت کی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ ان دنوں میں مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کی دلی دعا وخصوصی توجہ مفتی صاحب کی طرف منعطف تھی، جن دنوں میں خطبہ تیار ہورہا تھا ان دنوں میں ایک رقعہ مفتی صاحب کے نام تحریر فرمایا:

باسمہ تعالی

محترم المقام حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا، عرض ایں کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے

اجلاس کے لئے ایک پیغام ارسال کیا ہے، اس کی فوٹو کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، آپ نے خطبۂ استقبالیہ تیار فرمالیا ہوگا، اللہ تعالیٰ غیب سے باتیں القاء فرمائیں اور مدد فرمائیں، دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی خوب لاج رکھے اور خوب خوب مدد فرمائے، اجلاس کو ہر اعتبار سے کامیاب فرمائیں، دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ فقط والسلام۔

چنانچہ حضرت لاجپوریؒ کی دعا کی لاج رکھی گئی اور خوب خوب کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔

(۵) مفتی کو ریاضی کے علوم سے کچھ نہ کچھ مناسبت ضروری ہے، سمتِ قبلہ اور اوقاتِ صلاۃ کو بتلانے میں ان علوم سے استمداد بھی ناگزیر ہے۔ بحمد اللہ دار العلوم دیوبند میں فنون والے سال میں مفتی صاحب محنتِ شاقہ سے ان علوم کو حاصل کر چکے تھے جس کی تفصیل حاصل کردہ نمبرات والے اوراق میں گزر چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ سمتِ قبلہ اور رؤیتِ ہلال والے مسائل پر مفتی صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے اور حضرت فقیہ الامتؒ نے ایسے ہی ایک فتوی پر دادِ تحسین دی ہے۔ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

ینبغی للمفتی أن یتزین بالعلوم الریاضیة، وقد کان عنی بها من سلفناوأئمتنا للحاجة الماسة الیها فی القضاء والإفتاء فی النوازل،ومن اهمها تحریر سمت القبلة فإنه یتوقف علی معرفة أصول فن المیقات، وکذا تحریر اوقات الصلوات فی البلاد علی معرفة عروضها وأطولها المقدرة فی علمها.

(تکملة المصباح فی رسم المفتی ومناهج الإفتاء ۲/۲۱)

فتوی کے بارے میں مفتی صاحب کا خصوصی مذاق

(۱): آپ انتہائی وسیع المطالعہ ہونے کے باوجود اس قدر محتاط ہیں کہ اپنی ذمہ داری پر مسئلہ نہیں لکھتے، اگر وہ مسئلہ کسی کتاب سے لکھا ہو چاہے وہ کتاب ''اردو'' کی ہی

کیوں نہ ہو اس کا حوالہ ضرور تحریر فرماتے ہیں، اسی لئے آپ کے فتاوی میں عربی کی طرح اردو کتابوں کے حوالجات بہ کثرت نظر آویں گے۔ دراصل یہ احساسِ ذمہ داری کی بات ہے، حوالہ دے کر مفتی بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے جیسا کہ علامہ شامی کا اندازِ نگارش ہے ''وہ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں'' کے قائل ہیں، اپنے الفاظ میں بات کم کرتے ہیں زیادہ تر دوسروں کی عبارتیں نقل کر دیتے ہیں، حوالہ کے اہتمام کے سلسلہ میں فرمایا:

''حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ کا قول حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم تاکیداً بیان فرماتے تھے کہ حوالہ اسی کتاب کا دینا ضروری ہے جس کتاب سے مسئلہ لکھا ہے، اس کتاب میں جو حوالہ لکھا ہے اس کا کبھی حوالہ نہیں دینا چاہئے، ایسی حماقت کبھی مت کرنا ایسا کرنے میں آدمی مار کھا جاتا ہے، یہ بہت قیمتی اصول ہے کیونکہ نسخوں وغیرہ کے فرق کی وجہ سے فرق پڑ سکتا ہے، ہاں اس کے حوالہ کے ساتھ اس کتاب کا نام لکھ سکتے ہیں مثلاً ''فتاوی رحیمیہ'' میں ابنِ قیم کی زاد المعاد کے حوالہ سے کوئی مسئلہ لکھا ہے تو یوں لکھا جائے:

''زاد المعاد منقول از فتاوی رحیمیہ'' یا یوں لکھا جائے'' فتاوی رحیمیہ میں زاد المعاد کے حوالہ سے لکھا ہے'' لیکن واسطہ حذف کر کے لکھنا غلط ہے۔

فتاوی نویسی کی مشق کرنے والے طلباء کو بار بار یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ جو عبارت جس کتاب سے لی ہے اس کتاب کا نام ضرور لکھو چاہے تم نے چھوٹے رسالہ ہی سے عبارت کیوں نہ لی ہو، ایسا ہرگز نہ کرو کہ تم چھوٹے رسالہ سے عبارت لو اور اس رسالہ کا حوالہ نہ لکھو؛ بلکہ اپنی بات بڑی کتاب کی طرف منسوب کرنے کے لئے اس چھوٹے رسالہ میں موجود بڑی کتاب کا حوالہ لکھ دو اس سے علم میں بے برکتی ہوتی ہے۔ پھر شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی کتاب ''ڈاڑھی کا وجوب'' منگوائی اور صفحہ ۲۱ کی یہ عبارت ''مولانا سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنے رسالہ ''ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں'' میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی منڈانے کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے'' پڑھ کر سنائی۔ پھر فرمایا مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم حضرت شیخؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور تم نے دیکھ لیا کہ حضرت شیخؒ نے ان کی کتاب سے جو عبارت لی ہے اس کا حوالہ لکھ دیا ہے، تو کیا اس سے حضرت شیخؒ کی شان گھٹ گئی؟ ہرگز نہیں۔

اگر تم اپنے علم میں برکت پیدا کرنا چاہتے ہو تو میری اس بات پر عمل کرو کہ جس کتاب سے جو عبارت لو وہاں اس کتاب کا حوالہ لکھ دو، چاہے وہ چار صفحے کا کتابچہ ہی کیوں نہ ہو اس سے علم میں برکت ہوگی۔

(۲): خاص خاص اہم فتاوی کے جوابات اصل استفتاء پر تحریر کرنے سے پہلے دوسرے کاغذ پر رف جواب تیار کرنے کا معمول ہے، پھر دارالإفتاء میں کام کرنے والے دیگر حضرات کو بتلاتے ہیں، اس سلسلہ میں کوئی معقول بات کہی جائے تو اسے فوراً قبول فرمالیتے ہیں، اپنی رائے پر بلا وجہ جزم کی عادت نہیں، بارہا ایسا ہوا کہ ہم خدام نے کوئی بات کہی تو جواب میں فوراً ترمیم فرمادی۔

یہی معمول حضرت فقیہ الامتؒ کا تھا کہ حضرت اہم فتاوی کے جوابات دیگر مفتیانِ کرام سے استصوابِ رائے کے بعد تحریر فرماتے تھے، اکابر کا یہ معمول آدابِ فتوی کے قبیل سے ہے: يستحب أن يقرأ ها على حاضريه ممن هو اهل لذلك ويشاورهم ويباحثهم برفق وانصاف وإن كانوا دونه وتلا مذته للإقتداء بالسلف. (فصل آداب الفتوى شرح عقود رسم المفتى ٢٠)

(۳): حق بات لکھنے میں کسی عظیم شخصیت سے محض شخصیت کی بنا پر مرعوب نہیں ہوتے۔ باہر کے ایک ملک سے وہاں کے مشہور عالم نے شوہر کو ویزا نہ ملنے پر ''عدمِ ادائیگی حقوق'' کو بنیاد بنا کر میاں بیوی کے مابین فسخِ نکاح کا حکم نافذ کر دیا، ان عالم صاحب کا خط مفتی صاحب پر بھی آیا جس میں اس کی اطلاع دی گئی تھی، ان کو تفصیلی خط لکھا جس میں فقہی اعتبار سے جو اشکالات تھے اس کی طرف توجہ دلائی اخیر میں صاف لکھ دیا ''آپ نے جس عجلت سے فسخ کا فیصلہ کیا ہم تو اس کی جرأت نہیں کر سکتے، مندرجہ بالا نکات کے پیشِ نظر .... فیصلۂ فسخ سے مجھے اتفاق نہیں ہے''

(۴): مستفتی بعض مرتبہ سوالات میں گڈ مڈ کر کے مختلف امور کے متعلق حکمِ شرعی معلوم کرنا چاہتا ہے، استفتاء میں نمبرات قائم نہیں کرتا، ایسے استفتاء کے جواب کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے استفتاء میں نمبر ڈال دیتے ہیں پھر ان میں سے ہر سوال کا نمبر وار جواب تحریر فرماتے ہیں؛ تاکہ جواب سمجھنے میں کوئی پیچیدگی باقی نہ رہے، نمبرات دیکھتے ہی معلوم ہو جائے یہ فلاں سوال کا جواب ہے۔

اور اگر متعدد سوالات کا حکمِ شرعی ایک ہو تو اس میں یہ طریقہ اختیار فرماتے ہیں کہ ابتدائی سوال کا حکمِ شرعی مفصل تحریر فرمانے کے بعد اسی نوع کے دیگر سوالات کے جوابات میں یوں تحریر فرماتے ہیں ''اس کا حکم فلاں نمبر میں'' یا ''اس کا حکم گزر چکا ملاحظہ فرمالیں''۔

(۵): جب تک جواب پر مکمل شرحِ صدر نہ ہو اصل استفتاء والے کاغذ پر نقل نہیں کرتے، بارہا ایسا ہوا کہ استفتاء کا جواب کتبِ فقہیہ کی روشنی میں مفصل لکھ لیا، بعد میں کوئی اور فقہی عبارت یا کسی مفتی صاحب کے فتوی کی وجہ سے رجحان بدل گیا تو سابق جواب کو ختم کر کے بدلے ہوئے رجحان کے مطابق جواب لکھ کر روانہ کر دیا۔

(۶): ڈابھیل کے دار الاِفتاء کو گجرات میں مرکزیت کا مقام حاصل ہے، یہاں دیگر مفتیانِ کرام کے فتاوی برائے تصدیق آیا کرتے ہیں، ایسے فتاوی کی تصدیق میں یہ معمول ہے کہ جب تک اس پر شرحِ صدر نہ ہو دستخط نہیں فرماتے ہیں، اطمینان ہونے پر دستخط سے اعراض بھی نہیں فرماتے، اور اگر نفسِ جواب پر شرحِ صدر ہو؛ لیکن کوئی ضروری وضاحت رہ گئی ہو تو نوٹ قائم کر کے وضاحت تحریر کرتے ہیں پھر تصدیق فرماتے ہیں۔

(۷): جس مسئلہ کی پوری تحقیق مستحضر نہیں ہوتی اس کے متعلق برملا مجمع میں کہہ دیتے ہیں ''کتاب میں دیکھنے کے بعد بتلایا جائے گا'' کبھی فرماتے ہیں ''مجھے معلوم نہیں''۔ اسی طرح ایسی زبان میں سوال ہو جس کو آپ نہیں جانتے مثلاً انگریزی زبان، یا انگریزی زبان میں کوئی تحریر سائل نے بھیجی جس کے سمجھنے پر جواب کا دار و مدار ہے مثلاً طلاق نامہ، وصیت نامہ وغیرہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''میں انگریزی نہیں جانتا آپ اس کا ترجمہ کرنے کے بعد بھیجیں تب جواب دیا جائے گا''۔

(۸): آپ کے فتاوی میں مختصر و طویل دونوں طرح کے فتاوی ہیں، کئی فتاوی تو مستقل رسالہ کی شکل میں ہے، طویل فتاوی کا شرعی حکم تحریر کرنے سے پہلے جواب کی تفہیم کی خاطر تمہیدی امور تحریر کرتے ہیں مثلاً یوں تحریر فرماتے ہیں: ''اصل جواب سے پہلے بطورِ تمہید چند امور پیش کئے جاتے ہیں'' یا اسی کے قریب قریب مفہوم والے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔

(۹): شرعی حکم جاننے سے اصل مقصود اس پر عمل کرنا ہے، عمل پر ابھارنے کے لئے یا منکرات سے روکنے کے لئے اس سلسلہ میں وارد احادیثِ نبویہ و آثارِ صحابہ بہترین ذریعہ ہیں، اس لئے فتاوی میں ترغیبی و ترہیبی احادیث طویل فتاوی میں ذکر کرنے کا معمول ہے۔

(۱۰): اہلِ علم کی طرف سے استفتاء کے جواب میں بطورِ دلیل نصوصِ شرعیہ یا کم

ازکم کتبِ فقہیہ سے عبارت یا اس موضوع پر لکھی گئی کتاب کا نام تحریر کرنے کا معمول ہے۔

(۱۱): کسی ایسے علاقہ سے استفتاء آیا کہ وہاں اہلِ علم موجود ہیں، دارالاِ فتاء قائم ہے ایسے استفتاء کے جواب میں بہت چوکنا رہتے ہیں، اگر ایسا استفتاء جمعہ وعیدین کی نماز سے متعلق ہو مثلاً سائل نے پوچھا ہے کہ ہماری بستی میں جمعہ وعیدین جائز ہیں یا نہیں؟ تو شرعی حکم لکھنے کے بجائے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ اپنے یہاں کے علماء کو اپنی بستی کا حال بتلا کر حکمِ شرعی معلوم کرلیں۔

(۱۲): وراثت، شرکت وغیرہ کے متنازع فیہ مسائل میں فریقین کی جانب سے استفتاء آئے تو عموماً شرعی حکم تحریر نہیں فرماتے؛ بلکہ ان کو مشورۃً آپس میں صلح کی ترغیب دیتے ہیں، اگر فریقین استفتاء کے شرعی حکم تحریر کرنے پر مصر ہوں تو ان سے کہا جاتا ہے ''دونوں فریق واقعی صورتِ حال آپس میں مل کر تحریر کریں اور اس استفتاء پر فریقین کے دستخط ہوں، اس کے بعد جواب دیا جائے گا'' ایسی صورت اختیار کرنے سے ناحق فریق کی قلعی کھل جاتی ہے، کبھی تو ایسا فریق استفتاء پر دستخط تحریر کرنے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا۔

(۱۳): اہلِ علم کے درمیان یہ بات مسلم ہے کہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ اجمعین کے فقہی مسالک میں سے کسی مسلک پر فتوی دینے کے لئے اس مسلک کے راجح ومفتی بہ قول سے پورے طور پر واقفیت ضروری ہے، بدوں واقفیت کے دوسرے مسلک کی محض کتبِ فقہیہ کا مطالعہ کرکے فتوی دینے میں زبردست غلطی کا احتمال ہے، دوسرے مسلک کے متبعین کی طرف سے جب کوئی استفتاء آتا ہے اس میں حضرت مفتی صاحب کا مذاق یہ ہے کہ ان کے استفتاء کا جواب ہی تحریر نہیں فرماتے، اور سائل کو اس کے مسلک کے اہلِ علم اورار بابِ فتاوی کی طرف رجوع کا مشورہ و پتہ تحریر فرما دیتے ہیں، مثلاً علاقۂ کوکن سے کوئی

سوال آتا ہے تو وہاں کے شوافع علماء سے رجوع کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا ''ہم سے اپنے فقہ (حنفی فقہ) کا مطالعہ ہو نہیں پاتا دوسرے کو کیا بتلاویں''

سالِ گذشتہ انگلینڈ کے شہر باٹلی کے علماء کی طرف سے رؤیتِ ہلال کے نظام کو شرعی اصول وضوابط کے مطابق قائم کرنے کے لئے تحریری شکل میں ایک دستور العمل برائے تصدیق وتائید آیا تھا، اس میں ائمۂ ثلاثہ (حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کے مسالک کی کتبِ فقہیہ سے ''رؤیتِ ہلال'' کے سلسلہ میں عربی عبارتیں نقل کی گئی تھیں اس دستور العمل کی تصدیق کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''اس تحریر میں ائمۂ ثلاثہ کے مسلک پر جو گفتگو کی گئی ہے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ان کے یہاں راجح قول کیا ہے اس کا حتمی فیصلہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں، اس لئے تحریر کے اس حصہ پر اپنی منفی یا مثبت رائے پیش کرنے سے (ہم) قاصر ہیں''۔

۱۴۱۳ھ میں شافعی المسلک ایک طالبِ علم نے دارالافتاء سے فراغت حاصل کی اس کو سند نہیں دی۔

(۱۴): میری نظر میں مفتی صاحب اکابرِ دیوبند کی روایات کے حامل ہیں، اکابرِ دیوبند سے عقیدت ووارفتگی اوران کی اتباع کا جیتا جاگتا مرقع ہیں، بیانوں میں، مجالس میں علمائے دیوبند کے ملفوظات وواقعات بے ساختہ نوکِ زبان پر آہی جاتے ہیں، تو کیا آپ کی تحریر اکابرِ دیوبند کے معمولات اوران کے نظریات سے خالی ہوسکتی ہے؟ ہر گز نہیں، کئی فتاوی میں شرعی حکم تحریر فرمانے کے بعد اس مسئلہ میں اکابر کا مسلک ومعمول تحریر فرمایا ہے۔

مشتے از خروارے کے طور پر چند یہ ہیں:

(۱): جمعہ کے روز فجر کی نماز میں مسنون قرأت پر کراہت کے شبہ کا ازالہ

(۲): تراویح میں بسم اللہ بالجہر کا مسئلہ

(۳): عیدین میں دعاء نماز کے بعد کرے یا خطبہ کے بعد؟ حضرات اکابر کا معمول

(۴): نکاح کے بعد منقول الفاظِ دعاء کے علاوہ دیگر الفاظ سے دعاء کرنا

(۵): دینی امور کے لئے مسجد میں چندہ

مذکورہ عنوان کے ذیل میں اکابر دیوبند کا عمل دیکھ لیا جائے۔

(۱۵): متعدد دارالإ فتاء سے فتوی حاصل کرنے والے مستفتی کا طریقہ آپ کو پسند نہیں، اس لئے کہ سوال سے مقصد حکمِ شرعی پر عمل کرنا ہے، مذکورہ طریقہ اختیار کرنے میں بعض مرتبہ مکائدِ نفس کی آمیزش ہوتی ہے کہ جو فتوی اپنی نفسانیت اور مقصد کے مطابق ہو اس پر عمل کیا جائے گا، ایسا طریقہ اختیار کرنے والا خود مستفتی تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

بعض مرتبہ زیراکس شدہ استفتاء یا خود مستفتی کی تحریر سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص نے متعدد جگہ پوچھا ہے۔

ایسے ہی ایک مستفتی نے متعدد معتبر دارالإ فتاء کے جوابات پیش آمدہ مسئلہ کے سلسلہ میں حاصل کر کے مفتی صاحب کے نام روانہ کئے اور مفتی صاحب سے بھی فتوی لینا چاہا، اس کے سوال کا جواب تو نہ دیا مگر تنبیہ کرتے ہوئے ایک اصولی بات تحریر فرمائی جو مفتیانِ کرام کے لئے نہایت ہی مفید اصول ہے۔

مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

باسمہٖ تعالیٰ

ملک میں مختلف دارالإ فتاء میں خدمت دینے والے متعدد حضرات مفتیانِ کرام ان کی خدمت میں پیش کئے گئے سوالات کے جوابات شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں تحریر

فرماتے ہیں، ان سے پوچھے گئے مسائل میں ایک قسم تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی نص صریح غیر متعارض موجود ہو اس کا حکم تو واضح ہے اور اس کے جواب کے سلسلہ میں حضرات مفتیان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف بھی نہیں ہوتا۔

البتہ بعض مسائل وہ ہیں جن کے سلسلہ میں مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق کوئی صریح حکم نہ ہو، وہاں صورتِ مسئلہ کا تجزیہ کرکے اس کا جواب اصولِ شرع کی روشنی میں حضرات مفتیان تحریر فرماتے ہیں، اور اس میں اندازِ تجزیہ کی وجہ سے جوابات میں اختلاف بھی ہوتا ہے، اس لئے مستفتی کو چاہئے کہ جس مفتی پر اعتماد ہو اس سے دریافت کرکے اس کے جواب کے مطابق عمل کرے، اور اگر ایک سے زیادہ مفتیان پر اعتماد ہو تو جس پر زیادہ اعتماد ہے ان سے پوچھ کر عمل کرے۔

آپ نے اس اصول پر عمل نہ کرتے ہوئے متعدد دارالاِ فتاء میں اپنا استفتاء بھیج کر جواب حاصل کیا، اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا جن سے آپ دوچار ہیں، اس کے بعد بھی آپ ابھی اسی روش پر چلتے ہوئے مزید ایک دارالاِ فتاء میں اپنا معاملہ پیش کررہے ہیں، ظاہر ہے کہ آپ نے جتنے جوابات ارسال فرمائے ہیں ان میں سے کسی ایک کے مطابق ہی جواب ہوگا تو اس صورت میں آپ کا تذبذب کیسے دور ہوگا؟ اس لئے واقعہ تو یہ ہے کہ اپنا تذبذب دور کرنے کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ درست نہیں، آپ یہ سوچ کر کہ مجھے اپنے اس معاملہ میں کل اللہ کے سامنے پیش ہوکر جواب دینا ہے اس لئے کوئی ایسی شکل جس میں ادنی سا شائبہ مؤاخذہ کا آپ کے دل میں آتا ہو اس کو اختیار کرنے کے بجائے وہ شکل اختیار کریں جس کے متعلق آپ کا دل یہ گواہی دیتا ہو کہ یہ صورت مکمل مبنی بر احتیاط ہے، امید ہے کہ آپ کے لئے غور وفکر اور عمل کی راہ واضح ہوجائے گی۔ فقط۔

املاہ: احمد خانپوری

(۱۶): ایک مرتبہ ایک استفتاء آیا جس میں اصل مستفتی نے اپنا نام و پتہ ظاہر نہ کیا کسی اور کے نام سے پوچھا، بندہ کو سوال پڑھتے ہی شبہ ہوا کہ یہ سوال فلاں جگہ سے متعلق ہے، اصل مستفتی اور ہے، چنانچہ تحقیق کی گئی تو شبہ صحیح نکلا، بندہ نے حقیقتِ حال سے حضرت کو مطلع کیا تو فرمایا اس کا جواب نہ لکھا جائے، بندہ نے اس خیال سے کہ اصل مستفتی بڑے آدمی ہیں اگر انہوں نے جواب طلب کیا تو کیا بتلاؤں گا؟ حضرت سے عرض کیا کہ وہ جواب طلب کرے تو کیا کیا جائے؟ حضرت نے جواباً فرمایا وہ ہم سے طلب نہیں کر سکتے پھر گجراتی میں ایک مَثَل سنائی جس کی اردو تعبیر ہے ''چور کی ماں کوٹھی میں سر دے کر روتی ہے'' یعنی چور کی ماں اپنے بیٹے کے کرتوت پر رنجیدہ ہو کر چھپ کر روتی ہے اور بھڑاس نکال لیتی ہے کسی کے سامنے نہیں کہہ سکتی۔

مطلب یہ تھا کہ اصل مستفتی نے جب اپنے آپ کو پردۂ خفاء میں رکھا ہے تو وہ ہمیں کس منہ سے پوچھ سکتا ہے اور ہم سے کیوں جواب طلب کر سکتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ سوال اس دن سے آج تک جوں کا توں رکھا ہوا ہے کسی نے جواب طلب نہیں کیا۔

(۱۷): کسی استفتاء کا جواب دینے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا جواب فتنہ فرو ہونے کے بعد تحریر فرماتے ہیں، ایک مرتبہ فرمایا: حضرت مفتی لاجپوریؒ کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے استفتاء کا جواب جلد نہ دیا جائے۔

(۱۸): آپ اپنی دعاؤں میں مستفتی کے شر سے بچنے کی دعاء کا خاص اہتمام فرماتے ہیں ''المصباح'' کی ایک عبارت سے آپ کے اس معمول کی تائید ہوتی ہے:

وحقيق بالمفتى أن يكثر الدعاء بالحديث الصحيح: اللهم رب جبرئيل وميكائيل

وإسرافيل فاطر السمٰوات والأرض عالم الغيب والشهادة أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، إهدني لما اختلف فيه من الحق بإذنك،إنك تهدى من تشاء إلى صراط مستقيم، ويقول إذا أشكل عليه شيء: يا معلّم إبراهيم علِّمني. (تكلمة المصباح في رسم المفتي ومناهج الإفتاء ۲/ ۲۷)

(۱۹): کسی استفتاء کا صریح حکم تلاش کے باوجود کتبِ فقہ میں نہیں ملتا ہے تو اپنے فقہی ذوق سے اس مسئلہ کے لئے استیناس کیا جائے ایسی کوئی عبارت تحریر کر کے جواب تحریر فرماتے ہیں اخیر میں لکھ دیتے ہیں ''دیگر مفتیانِ کرام سے پوچھ کر پھر عمل کریں'' یہ آپ کا احتیاط ہے ورنہ اصل جواب وہی ہوتا جو لکھا گیا۔

یوں تو فتاوی نویسی میں مفتی صاحب کے مزاج و مذاق کی اور بھی باتیں ہیں جس کا احاطہ نہ مقصود ہے اور نہ مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے ممکن ہے، چند موٹی موٹی باتیں جو اس وقت یاد آ گئیں انہیں بے ربط تحریر میں پیش کر دیا ہے ؎

قیاس کن گلستانِ من از بہارِ من

فتاوی اور فقہی بصیرت پر اکابر علماء کا اعتماد

جامعہ کا دار الإفتاء فتاوی کا مرجع ہے اس کے فتاوی کا کام معمولی کام نہیں، مگر بزرگوں کی توجہ اور مفتی صاحب کی خداداد صلاحیت نے اِفتاء میں بہت جلد اور انتہائی درجہ کی مقبولیت حاصل کر لی، اللہ تعالی نے آپ کو دربابِ فتاوی وہ مقام عطا فرمایا جو اس دور میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔

چھوٹوں کی تحریر اپنے بڑوں کے متعلق عام طور پر اعتقاد یا غلو پر محمول کی جاتی ہے، اس لئے مجھ جیسے بے بضاعت کا مفتی صاحب کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ آپ کونسے درجہ کے

فقیہ ہیں فقیہِ نفس، فقیہِ وقت، فقیہِ عصر، فقیہِ زمن، فقیہِ دوراں مشکل ہے کیونکہ فقیہ النفس جیسے اشخاص کی پہچان بھی ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تبحرِ علمی کی دولت سے نوازا ہو۔

البتہ حضرت مولانا سجاد صاحب نعمانی دامت برکاتہم نے اپنی تحریر (جو ص ۲۰۸ پر گزر چکی) میں مفتی صاحب کے متعلق ''فقیہ النفس'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس لئے حضرت نعمانی دامت برکاتہم کی تحریر کی روشنی میں کہا جائے کہ آپ فقیہ النفس ہیں تو اس کی گنجائش ہے، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے مخصوص تلمیذ، فقیہ النفس مفتیٔ اعظم گجرات حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ کے در بابِ فقہ وفتاویٰ کے معتمد، فخرِ گجرات حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے منظورِ نظر ہونے سے کس کو انکار ہے، ان حضرات کی بابرکت صحبتوں سے اگر فقیہ النفس کا وصف پیدا ہو جائے تو بجا ہے۔

''فقیہ النفس'' فقہاء کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقہ میں کثرتِ ممارست کے بعد ایک ایسا ذوقِ سلیم عطا فرمایا ہو جس کی روشنی میں وہ کتابوں کی مراجعت کے بغیر بھی صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہو۔

حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ محنت، للّٰہیت اور بزرگوں کی صحبت وتربیت کے نتیجہ میں اپنے خاص بندوں کے قلوب کو وہ کسوٹی عطا فرما دیتا ہے جو صحیح وغلط کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے''

(البلاغ اشاعتِ خاص ۴۱۷)

راقم کے خیال میں کسی درجہ میں یہ کسوٹی والی نعمت بزرگوں کی صحبت کی برکت سے مفتی صاحب کو حاصل ہے، دیکھا گیا کہ پیش آمدہ کسی مسئلہ میں کتبِ فقہیہ کی طرف مراجعت کے بغیر آپ نے کوئی موقف اختیار فرمایا، یا اس مسئلہ پر کوئی رائے قائم فرمائی بعد

میں دیگر مفتیانِ کرام نے غور وفکر کیا یا بعد میں مسئلہ کی مؤید کوئی عبارت ملی جس سے مفتی صاحب کے موقف یا رائے کی تائید ہوتی۔

اسی طرح کتبِ فقہ کی عبارتوں سے مسائل کی تخریج میں بھی اللہ تعالی نے خاص ملکہ عطا فرمایا ہے، اہلِ علم جانتے ہیں ہر مسئلہ کے لئے صریح جزئیہ کا موجود ہونا ضروری نہیں بعض مرتبہ کوئی جامع عبارت اپنے اندر بے شمار جزئیات کو سموئے ہوئے ہوتی ہے؛ لیکن یہ جاننا کہ کونسی عبارت ایسی جامع ہے ایسا مشکل کام ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا، جن کو فقہ کا ذوقِ سلیم حاصل ہو، طویل عرصہ تک فقہ سے مزاولت رہی ہو، جن پر اللہ تعالی کی خصوصی عنایات ہوں اس کا کام ہے۔

میرے اِفتاء کے سال ایک سوال آیا کہ مدتِ رضاعت میں بہن کے لئے بھائی کو دودھ پلانا جائز ہے یا نہیں؟ احقر نے اپنی بساط کے مطابق تمام مظان دیکھ لئے مگر کسی جگہ صریح جزئیہ نہیں ملا، حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ ''جزئیہ نہیں ملتا'' فرمایا رضاعت کی تعریف کیا ہے؟ دیکھا تو اِن الفاظ میں رضاعت کی تعریف کی گئی ہے ”هو مص الرضيع من ثدى الآدمية“ اس پر فرمایا بہن ''آدمیۃ'' میں داخل ہے۔ رضاعت کی تعریف جو بار بار احقر کی نظر سے گزری تھی اسی سے مسئلہ کا حل فرمالیا۔

علاقۂ پالن پور کے علماء ومفتیانِ کرام میں آپ کی فقہی بصیرت مسلم ہے وہ حضرات اہم مسائل میں مفتی صاحب کی طرف رجوع فرماتے ہیں، ایک وقت تو ایسا گزرا ہے کہ وہاں کے مشہور دار العلوم چھاپی کے دار الِافتاء سے جدید مسائل جس میں ہوٹل، شرکت، سہکاری منڈی وغیرہ کے بارے میں لمبے لمبے استفتاء آئے اور کئی ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، ان تمام سوالات کے جوابات مختصر ومفصل دیئے گئے، بعض کتابی شکل میں شائع ہوچکے ہیں۔

۱۴۱۷ھ میں وہاں کے ایک مشہور مفتی صاحب نے دو پرچے ارسال فرمائے، ایک پرچہ میں عشر کے وجوب کے قول کی عبارتیں تھیں، دوسرے میں عشر کے وجوب میں احوط والا قول اختیار کیا گیا تھا، ان مفتی صاحب کا منشاء یہ تھا کہ عشر کے وجوب والے پرچہ پر دستخط ثبت ہو، تا کہ اسی کو شائع کر کے اہلِ زمین پر عشر واجب کر دیا جائے۔

ہندوستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اگر عشری ہے تو عشر واجب ہے یا احوط، یہ مسئلہ ہمارے اکابر میں مختلف فیہ رہا ہے اس پر مستقل تصانیف وفتاوی موجود ہیں۔

ان مفتی صاحب کے ارسال فرمودہ پرچوں میں عشر کے احوط والے پرچہ پر بایں الفاظ دستخط فرمائی ''عشر کی ادائیگی ہی احوط ہے اس لئے مضمونِ بالا کی تائید کرتا ہوں''۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

پھر ۱۴۲۰ھ میں دوبارہ یہ مسئلہ زور وشور کے ساتھ اٹھا، وجہ یہ تھی کہ اُن مفتی صاحب کا رجحان عشر کے وجوب والے قول کی طرف تھا، انہوں نے عشر وخراج کے وجوب پر اپنی تحقیق کے مطابق فقہ حنفی کے مأخذ سے استدلال کر کے فتوی مرتب کیا تھا کہ اس فتوی کی اشاعت کر کے عوام الناس کو ترغیب دی جائے اور اسی پر پورے علاقہ میں عمل ہو؛ لیکن وہاں کے مؤقر وبارسوخ علمائے کرام نے سوچا کہ عوام میں انتشار نہ ہو اس لئے فتوی کی اشاعت سے پہلے دیگر مفتیانِ کرام کی تائید حاصل کر لی جائے، اسی سلسلہ میں ایک وفد حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ڈابھیل پہنچا اور وہاں کے مفتی صاحب والا فتوی پیش کیا، مفتی صاحب نے فتوی ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا ''عشر کے وجوب پر مبسوط کی جس عبارت سے استدلال کیا ہے اس کے سمجھنے میں تسامح ہوا ہے''۔

یہی وفد پھر دار العلوم دیو بند حضرت مفتی محمد سعید صاحب پالن پوری مدظلہ کی خدمت

میں پہنچا، انہوں نے بھی مفتی صاحب کی تائید فرمائی، اور فرمایا عبارت سمجھنے میں خطا ہے، اس پر طے ہوا کہ دارالعلوم چھاپی میں ایک مجلس منعقد کی جائے جس میں گجرات کے مؤقر مفتیانِ کرام جمع ہوں اور اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال کریں؛ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب پالن پوری، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری، حضرت مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی، اور علاقۂ پالن پور کے مفتیانِ کرام کو مدعو کیا گیا، جن میں صاحبِ فتوی مفتی صاحب بھی تھے۔

۲۸/ ربیع الآخر بوقت صبح تین گھنٹہ تک مجلس جاری رہی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلے طے ہوا کہ عشر کے وجوب پر صاحبِ فتوی مفتی صاحب نے جو دلائل جمع کیے ہیں وہ سنائے جائیں؛ چنانچہ انہوں نے شروع سے اخیر تک تمام دلائل پڑھ کر سنا دیئے، مبسوط کی عبارت آئی تو اسی پر خوب بحث ہوئی جس میں عبارت ”لأنهم أسلموا عليها“ کا مطلب صاحبِ فتوی مفتی صاحب نے سمجھا تھا کہ وہ لوگ خود مسلمان ہو گئے، اس پر حضرت مفتی صاحب نے جرح فرمائی یہ مراد نہیں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کسی جگہ کا پورا علاقہ مسلمان ہو جائے اور وہ حصہ دارالاسلام بنے وہاں کے لئے یہ حکم بیان کیا گیا ہے، رہی یہ بات کہ عشر وصول کیا جائے یا نہیں؟ اس کے لئے دارالاسلام ہونا ضروری ہے، دارالاسلام ہی میں متعینہ مقدار وصول کی جاسکتی ہے، ہندوستان میں جبکہ لوگ مسلمان تو ہوئے ہیں؛ لیکن یہ علاقہ دارالاسلام نہیں بنا، لہذا وجوبی طور پر عشر وصول نہیں کیا جاسکتا۔

مفتی صاحب کے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ اپنے شاگرد کی پوری تقریر غور سے سن رہے تھے، انہوں نے بھی آپ کی تائید فرمائی۔

حضرت مفتی صاحب نے عبارت کے ٹھیٹھ منطقی نتیجہ پر زور دینے کے بجائے سیاق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو مطلب سمجھا یا دیگر مفتیانِ کرام نے بھی اس کی تائید کی،

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس مجلس میں صاحبِ فتوی مفتی صاحب اپنی تائید میں کوئی بات پیش فرماتے تو مفتی صاحب برجستہ مدلل تردید فرماتے، دیگر کوئی مفتی صاحب نے ایک اشکال کیا تو ان کو بھی تسلی بخش جواب دیا، گویا اس مجلس میں آپ کا تفقہ روئیں روئیں سے ٹپک رہا تھا اور فقہی بصیرت موجزن تھی۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے: بالآخر صاحبِ فتوی مفتی صاحب کو بدلالتِ حال اور دیگر مفتیانِ کرام کو بدلالتِ قال اقرار کرنا پڑا کہ عشر میں احوط والا قول ہی اختیار کیا جائے۔

مجلس کے اخیر میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا:

''میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری زمینوں میں کچھ واجب نہیں ہے بلکہ واجب ضرور ہے اور وہ چیز واجب ہے جو مکی دور میں مسلمانوں پر واجب تھی؛ اس لئے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مکی دور میں ہوئی ہے وہاں بھی مسلمان کچھ نہ کچھ بلا تفصیل کے ادا کرتے ہوں گے، مدینہ چونکہ دارالاسلام تھا اس لئے تفصیلات آئیں اور ان تفصیلات کے مطابق عشر وخراج وصول کیا جانے لگا، ہمارے اوپر وہی واجب ہے جو مکی دور میں واجب تھا یعنی اپنی زمین کی پیداوار میں سے کچھ نہ کچھ نکالنا چاہئے، میری رائے بہت پہلے سے یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام زمین میں عشر یا نصف عشر دیانۃً واجب ہے یعنی فیما بینه و بین الله، نہ دینے میں عنداللہ گرفت ہوسکتی ہے''۔

دارالعلوم چھاپی میں منعقدہ مجلس کی تفصیلِ بالا میرے رفیقِ درس حضرت مفتی صاحب کے تلمیذ مولانا محمد فاروق قاضی صاحب زید مجدہم (استاذِ حدیث دارالعلوم چھاپی) نے تحریر کی تھی جو خود اس مجلس میں شریک تھے، انہوں نے خط کے اخیر میں لکھا:

''میں اپنے ساتھیوں کے سامنے حضرت الاستاذ کا تقوی، استعداد وصلاحیت

اکثر و بیشتر بیان کرتا رہتا تھا؛ لیکن ظاہر ہے پھل جب تک چکھا نہ جاوے ذائقہ کا لطف و مزہ نہیں آسکتا، میرے یہاں کے ساتھیوں نے ڈیڑھ دن میں حضرت والا کا تقوی اور آپ کی استعداد و صلاحیت اور علم میں رسوخ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا‘‘۔

مفتی صاحب نے جن اکابر کے زیرِ سایہ تربیت پائی تھی ان میں سرِ فہرست آپ کے محبوب شیخ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ہیں، مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کو بھی آپ کے فتاوی پر بڑا اعتماد تھا، زندگی کے اخیری دورِ نقاہت اور بینائی میں کمزوری کے زمانہ میں جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو راندیر سے آدمی بھیجتے یا بذریعۂ رقعہ مفتی صاحب کو یاد فرماتے، بعد مشورہ پیش آمدہ مسئلہ میں آپ کی رائے معلوم فرماتے، فتاوی رحیمیہ کی اخیری جلدوں کے فتاوی آپ کی نظر سے گزارنے کے بعد ہی شائع کئے گئے، ان جلدوں میں بعض فتاوی کا گجراتی سے اردو ترجمہ کرنے کی سعادت مفتی صاحب کی وساطت سے راقم الحروف کے حصہ میں آئی، مترجَم تمام فتاوی مفتی صاحب کی تنقیح و ترمیم کے بعد شامل کئے گئے۔

چنانچہ حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ رقم طراز ہیں:

میرے عزیز مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم (مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) کا بہت ہی ممنون و مشکور ہوں، اس جلد کی تیاری میں ان کا بڑا حصہ ہے، مولوی رشید احمد ابن جناب اسماعیل (عرف بھائی میاں) لاجپوری دام مجدہ و حبہ (متعلم دار الإفتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) جو فتاوی رحیمیہ کے بڑے قدرداں ہیں، درمیانِ مطالعہ انہوں نے احساس کیا کہ فتاوی رحیمیہ گجراتی میں ایسے بہت سے فتاوی ہیں جو اردو میں شائع نہیں ہوئے ہیں، ایسے فتاوی کی انہوں نے فہرست مرتب کی، ان فتاوی کا اردو میں ترجمہ کی خدمت مفتی عبدالقیوم

صاحب دام مجدہ رفیق دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے مفتی احمد خانپوری صاحب کی زیر نگرانی انجام دی وہ فتاوی شاملِ اشاعت ہیں، مفتی احمد صاحب نے تمام فتاوی کا ترجمہ اسی طرح پوری جلد کا مسودہ بنظرِ غائر ملاحظہ فرمایا۔ (تشکر و امتنان فتاوی رحیمیہ ۸/ ۱۸)

یہی بات جلد نہم کے ''تشکر و امتنان'' میں حضرت لاجپوریؒ نے پھر دوہرائی ہے۔ (ملاحظہ کیجئے فتاوی رحیمیہ ۹/ ۱۶)

فتاوی رحیمیہ کی اخیری جلد میں حضرت لاجپوریؒ نے مفتی صاحب کی توثیق و تعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی:

عزیزم مفتی احمد خانپوری دام مجدہ ماشاء اللہ نوجوان صالح اور جید عالم وفاضل ہیں، احقر کی انہوں نے بہت خدمت کی ہے، ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے، ماشاء اللہ اس وقت عظیم دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بخاری شریف جلد ثانی کا کامیاب درس دے رہے ہیں، اور صدر مفتی بھی ہیں، فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے معتمد خاص اور خلیفہ بھی ہیں، احقر سے زمانۂ طالبِ علمی سے تعلق رہا ہے، روزانہ میرے پاس تشریف لاتے تھے، آج ماشاء اللہ دینی ٹھوس خدمت کر رہے ہیں، اللہ تعالی نے مقبولیت عطا فرمائی ہے، بہت مصروف رہتے ہیں، مگر بڑے ذوق وشوق سے اس جلد کا مسودہ بنظرِ غائر ملاحظہ فرمایا، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین (تشکر و امتنان فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۱۹)

مفتی صاحب فطرتاً ذہین تھے اس پر حضرت فقیہ الامت اور حضرت لاجپوریؒ اعلی اللہ مقامهما جیسے نادرِ روزگار اور فقید المثال فقہاء اور صاحبِ فتوی استاذوں وبزرگوں کی صحبت وتربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا، اس وجہ سے دیگر علوم متداولہ پر عبور اور تبحر رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے اصل جواہر وکمالات فقہ وفتاوی کی صدر نشینی میں کھلے،

مفتی صاحب کے بعض فتاوی پر ان حضرات کے تائیدی دستخط اس کا واضح ثبوت ہے:

(۱): جناب شبیر ٹیلر صاحب (ڈیوزبری برطانیہ) نے وہاں کے مشہور و متنازع فیہ مسئلہ رمضان وعیدین میں رؤیتِ ہلال کے موضوع پر ایک استفتاء بھیجا تھا، مفتی صاحب نے اس کا مدلل و مفصل جواب تحریر فرمایا، جب یہ جواب فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی نظر سے گزرا، اس پر حضرت نے ان الفاظ میں دادِ تحسین دی اور اظہارِ مسرت فرمایا:

''آپ کا فتوی ماشاء اللہ بہت جامع اور مفید معلومات پر مشتمل ہے، اور آپ کا طرزِ استدلال نہایت پختہ ہے، کیا اچھا ہو کہ یہ چھپ جائے، دوسروں کو بھی زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے''۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/۳۱۳)

یہ فتوی اس مجموعہ میں شامل ہے ملاحظہ کیجئے: کتاب الصوم

(۲): ۱۴۱۶ھ میں دورِ حاضر کے کھیلوں میں معروف کھیل (کرکٹ، فٹ بال، ٹینس) کے بارے میں آپ نے مفصل و مدلل فتوی تحریر فرمایا تھا، جو اس وقت ماہنامہ ''النور'' جون ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا تھا، جو اس مجموعہ میں شامل ہے، اس کو حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ نے بہت پسند فرمایا اور ان الفاظ میں تصدیق فرمائی:

الجواب صحیح: ماشا اللہ بہت عمدہ اور قابلِ عمل جواب ہے، اس کی خوب اشاعت کی جائے، احقر کا بھی اس کے متعلق ایک جواب فتاوی رحیمیہ جلد ہفتم ۲۷۵ تا ۲۸۰ پر موجود ہے مناسب معلوم ہو تو اسے بھی شامل فرمالیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ

(۳): فخرِ گجرات حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم سے مفتی

صاحب کو خصوصی تعلق ہے، زمانۂ طالبِ علمی سے مفتی صاحب کو بے پایاں شفقتیں ملیں، ایک مرتبہ فرمایا کہ ”میرے دو استاذ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری اور حضرت مولانا آدم صاحب طالع پوریؒ مجھے بہت چاہتے تھے“۔

اول الذکر نے آپ کی خداداد صلاحیت کی بناء پر دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے لئے بھی کوشش کی، اور اس سلسلہ میں وہاں کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ کو بھی آمادہ کیا؛ مگر مفتی صاحب کو ان کے شیخ و استاذ نے جامعہ بھیجا تھا، اس لئے ڈابھیل کو دارالعلوم پر ترجیح دی اور یہیں جمے رہنا پسند فرمایا۔

حضرت پالن پوری مدظلہ جامعہ ڈابھیل کی شوریٰ کے رکنِ رکین ہیں، اسی سلسلہ میں ۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ کو جامعہ میں تشریف آوری ہوئی، موقع کی مناسبت سے بعد نمازِ ظہر جامعہ کے کتب خانہ میں اساتذہ کے لئے خصوصی مجلس منعقد کی گئی، جس میں حضرت مولانا نے اساتذۂ جامعہ کو قیمتی نصائح فرمائیں، جس میں شدہ شدہ بات یہاں تک پہنچی کہ اساتذہ کو کسی ایک فن میں مہارت وبصیرت پیدا کرنا ضروری ہے مثلاً ”نور الإیضاح“ پڑھانے والا اس فن سے متعلق تمام کتابیں دیکھ لیں (جیسے مالا بدمنہ، قدوری، کنز الدقائق، شرحِ وقایہ، ہدایہ) تو فنِ فقہ سے مناسبت پیدا ہوگی، طلباء کو فن پڑھانا چاہئے، کتاب نہیں، سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب جو قریب ہی دو زانوں باادب تشریف فرما تھے، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”جیسے مولوی احمد کی فقہی بصیرت ہمارے یوپی میں مشہور ہے“۔

(۴): امریکہ کی معروف ایم وے نامی کمپنی میں شرکت کے جواز وعدمِ جواز کے بارے میں سوالات اٹھے، اربابِ افتاء کی طرف سے دونوں طرح کے رجحان سامنے آئے، کوئی جائز کہتا ہے تو کوئی ناجائز۔

ان دِنوں کی بات ہے یو پی کے مشہور عالم، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خصوصی فیض یافتہ، جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب وارانسی کے شیخ الحدیث کا مفتی صاحب پر فون آیا کہ ''ہمارے یہاں تو آپ کے فتوی کا انتظار ہے، آپ کا جو فتوی ہوگا اسی پر یو پی میں عمل ہوگا''۔

یہ دو مثالیں تحریر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ آپ کی فقہی بصیرت اور اصابتِ رائے صرف گجرات میں نہیں؛ بلکہ اس کی صدائے بازگشت یو پی میں بھی سنی گئی۔

حضرت لاجپوریؒ زندگی کے اخیری سالوں میں متعدد امراض کی وجہ سے بہت ہی ضعیف ہو چکے تھے، آنکھوں میں بصارت ختم ہو چکی تھی، بالکل صاحبِ فراش تھے، حالت بالکل نازک ہوگئی، اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا تو خدام نے تیمّم کر کے نماز پڑھنے کو کہا مگر تیار نہ ہوئے اور فرمایا کسی طرح وضو کرا کر ہی نماز پڑھاؤ۔

ایک روز مفتی صاحب کی تشریف آوری ہوئی، خدام نے مفتی صاحب کے ذریعہ کہلوایا کہ آپ تیمّم کر کے نماز پڑھنے کو کہئے؛ چناچہ مفتی صاحب نے کہا تو بات قبول کر لی اور تیمّم کر کے نماز پڑھنا شروع فرما دیا، دوسرے روز پھر مفتی صاحب حاضر ہوئے تو فرمایا کل سے آپ کے کہنے سے تیمّم کر کے نماز پڑھتا ہوں، اس کے چند روز بعد حضرتؒ کا وصال ہو گیا۔

جیسے حضرت نانوتویؒ بیماری میں تکلیف اٹھا کر وضو کرتے تھے اس پر ایک روز مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''ایسی حالت میں رخصت پر عمل کرنے میں احتیاط برتنا میرے نزدیک اچھا نہیں، اللہ تعالی کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے مرادف ہے اس وقت آپ کو تیمّم کرنے ہی میں ثواب زیادہ ملے گا''

اس کے بعد حضرت نانوتویؒ نے ان کے فرمانے کو قبول کرتے ہوئے تیمّم کرنا شروع فرمادیا، مذکورہ واقعہ سے یہ بتلانا ہے کہ حضرت لاجپوریؒ کو مفتی صاحب کی فقہی بصیرت پر مکمل اعتماد تھا، جیسے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے نزدیک حضرت فقیہ الامتؒ کی فقہی بصیرت مسلّم تھی، حضرت شیخ کو ذاتی طور پر کسی مسئلہ میں تحقیق کی ضرورت پیش آتی تو حضرت فقیہ الامتؒ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

فتویٰ پر عمل

مفتی صاحب کے مزاج و مذاق کا ایک حصہ فتویٰ پر عملی زندگی سے ہے، یہ حصہ نازک ہے کسی مسئلہ کا حکم لکھنا اور فتویٰ تیار کرنا آسان کام ہے، لیکن اس فتویٰ پر پابندی سے خود عمل کرنا مشکل ہے، ہمارے اکابر کے بارے میں پڑھا اور سنا کہ وہ حضرات اپنے نفس کے معاملہ میں متشدد تھے کہ کسی خلافِ اَولیٰ فعل کو اپنے لئے گوارا نہ کرتے تھے، مگر عام لوگوں کے لئے بڑے نرم تھے ہم نے مفتی صاحب کو ایسا ہی پایا۔

جھینگا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اکابر علماء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، دونوں طرف سے رسائل وفتاوی منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔

اس مسئلہ میں مفتی صاحب کا رجحان حضرت فقیہ الامتؒ کے رجحان کی طرح عدمِ جواز کا ہے، اور یہی حکم فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں، اسی کے مطابق آپ کبھی بھی جھینگا نہیں کھاتے، اگر کوئی کھاتا ہے تو اس پر نکیر بھی نہیں فرماتے، اس لئے کہ بعض علماء اس کے جواز کے قائل ہیں؛ گویا اس مسئلہ میں آپ کا عمل اپنے شیخ کے عمل کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ ایک موقع پر کھاتے وقت دسترخوان پر ایک سالن جھینگا بھی تھا، کسی نے حضرت فقیہ الامتؒ سے پوچھ لیا کہ حضرت آپ یہ نہیں کھاتے؟ تو حضرت نے نہایت ہی جامع ارشاد فرمایا:

نہ ایں کار می کنم نہ انکار می کنم

یعنی میں نہیں کھاتا اور کھانے والے کو روکتا بھی نہیں ہوں۔

امریکہ اور اس کے اسلام دشمن حلیفوں نے عالمِ اسلام کو جارحیت اور بربریت کا نشانہ بنا رکھا ہے، اس سلسلہ میں ۱۴۲۲ھ میں جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے ایک استفتاء کا جواب دار العلوم دیوبند سے صادر ہوا، جس میں اسلام دشمن طاقتوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ لازم قرار دیا، کیونکہ یہ ظلم وعدوان میں تعاون ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔

یہ فتوی پورے ہندوستان میں مستند مفتیانِ کرام کی خدمت میں تصدیق کے لئے بھیجا گیا، ان تصدیق کنندگاں میں حضرت مفتی صاحب بھی ہیں۔

امریکی مصنوعات میں مشہور مشروب پیپسی (PEPSI) اور سیون اپ (7UP) ہے، دستخط کے وقت سے کبھی بھی اس مشروب کو نہیں پیا، کسی دعوت میں کوئی پیش کرتا ہے تو صاف انکار فرماتے ہیں ''کہ میں یہ نہیں پیتا'' مگر اسی دسترخوان پر دوسرے شوق سے پیتے ہیں ان کو روکتے بھی نہیں، یہ عمل فتوی پر دستخط کے پیشِ نظر دیانۃً ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے سیون اپ پیش کی، بھولے سے ایک گھونٹ پی کر پوچھا یہ کونسا مشروب ہے؟ بتلایا گیا سیون اپ، تو فرمایا ''آپ نے ہم کو گناہ میں مبتلا کر دیا بھائی ہم نے فتوی پر دستخط کر رکھی ہے، اب تو گھر جا کر دو رکعت صلوٰۃ توبہ پڑھنی پڑے گی''۔

فتاوی سے رجوع

جدید مسائل کا حل کتبِ فقہیہ میں صراحۃً نہیں پایا جاتا، بلکہ مفتی کتب فقہ سے اخذ واستنباط سے کام لے کر حل پیش کرتا ہے، اس لئے اس میں غلطی کا احتمال بہ نسبت دیگر جوابات کے زیادہ پایا جاتا ہے، علمائے کبار کو بھی ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے؛ لیکن

جب بھی ان کے سامنے اپنی غلطی واضح ہوگئی تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو ماہنامہ "النور" میں ترجیح الراجح کا ایک مستقل عنوان تھا، اس میں حضرت مرجوع عنہ مسائل کا اعلان فرماتے، درحقیقت یہ ہمارے حضرات کے تدین وتقوی کی دلیل ہے۔

حضرت مفتی صاحب کو ایک آدھ مرتبہ ایسا موقع پیش آیا ہے:

امریکہ کی مشہور ایم وے (M.WAY) نامی کمپنی جو عرصۂ دراز سے دنیا کے مختلف ممالک میں اپنی مصنوعات فروخت کررہی ہے، اس سلسلہ میں کسی جگہ سے استفتاء آیا، اس میں کمپنی کے طریقۂ کار کی جو نوعیت لکھی تھی اس کے پیشِ نظر آپ نے ایم۔وے کمپنی میں شرکت کے جواز کا فتوی تحریر فرمایا؛ لیکن بعد میں تحقیقات اور دیگر علمائے عرب وہند کے فتاوی سے ایم۔وے کمپنی کی دھوکہ بازی اور مال کے استحصال کا پہلو سامنے آیا تو علی الاعلان سابق فتوی سے رجوع فرمالیا اور ایم۔وے کمپنی میں شرکت کے عدمِ جواز کا فتوی صادر فرمایا۔

عدمِ جواز کا اعلان ماہنامہ "بیانِ مصطفیٰ" اکل کوا کے ذریعہ کیا، رجوع کی تحریر حسبِ ذیل ہے:

M.WAY کمپنی کے متعلق دئے گئے ایک فتوی سے رجوع

گذشتہ کچھ عرصہ سے M.WAY کمپنی کے ساتھ تجارت میں شریک ہونے اس کی اسکیم میں شامل ہونے اور دوسروں کو اس میں شرکت پر آمادہ کرنے کے متعلق حکمِ شرعی معلوم کرنے کے لئے بہت سے حضرات نے زبانی اور کچھ نے تحریری سوالات پیش کئے۔

مذکورہ کمپنی کے طریقۂ کار کی جدت اور دقت وپیچیدگی کی وجہ سے کئی دنوں تک

کوئی بھی اس کا طریقۂ کار صحیح طور پر پیش نہ کر سکا، پھر ایک دن جناب انعام الحق بنارسی (رانی تالاب سورت) کمپنی کے ایجنٹ کو لے کر دار الاِفتاء میں پہنچے، جس نے اپنے طور پر کمپنی کے طریقۂ کار کو ہمارے سامنے پیش کیا، یہ ایجنٹ بھی گجراتی زبان میں شائع شدہ کمپنی کا کوئی لٹریچر اور مواد لے کر نہیں آئے تھے۔

اس کے بعد جناب انعام الحق صاحب نے ایک سوال نامہ مرتب کر کے پیش کیا، ان کے مذکورہ سوال نامہ کے بعد بھی کمپنی کے طریقۂ کار پر غور وفکر اور باہمی مشورے ہوتے رہے، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بھڑکودروی صاحب سے بھی اس سلسلہ میں گفتگو کی، اور پھر اس کو دلالی کا مسئلہ بتاتے ہوئے جائز قرار دیا، تاہم بہ طورِ احتیاط ابھی تک استفتاء کا جواب روانہ نہیں کیا، مگر سائل کی جانب سے جواب کا مطالبہ زور پکڑتا رہا، اور دوسری طرف دیگر علمائے کرام سے بھی اس سلسلہ میں گفتگو کی تو بھی اس کے ناجائز ہونے کی کوئی واضح دلیل سامنے نہیں آئی، چنانچہ کچھ مدت کے بعد وہ جواب روانہ کر دیا گیا، اس کے بعد مظاہر العلوم سہارن پور کے دار الاِفتاء کے ایک جواب میں جواز کا حکم دیکھنے میں آیا۔

مگر ابھی کچھ ہی دنوں پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب (دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر) کی جانب سے ایک تحریر موصول ہوئی، جس میں کمپنی کے طریقۂ کار کا تجزیہ کرتے ہوئے وہاں کے مفتی حضرت مولانا مفتی نذیر احمد قاسمی صاحب کا تحریر کردہ جواب پڑھا، جس میں انہوں نے اس کمپنی کی تجارت اور طریقۂ کار میں شامل ہونے کو مدلل طور پر ناجائز قرار دیا ہے، ان کی تحریر کے آخر میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم کی جانب سے بھی عدمِ جواز کے فتوی کی بات کہی گئی ہے۔

ان کے اس جواب پر ہمیں بھی عدمِ جواز پر مکمل اطمینان ہو گیا ہے، اور اب ہم اگلے

جواب سے رجوع کرتے ہوئے مذکورہ کمپنی کے ساتھ تجارت کرنے اور شریک ہونے کو ناجائز سمجھتے ہیں، دیانۃً اس کا اعلان ضروری ہونے کی وجہ سے یہ تحریر بہ طورِ طباعت روانہ کی جارہی ہے۔

جو حضرات مذکورہ فتوی کی نقل چاہتے ہوں وہ دار الاِفتاء جامعہ ڈابھیل سے حاصل کرسکتے ہیں۔ (ماہنامہ بیانِ مصطفیٰ اکتوبر ۲۰۰۱ء)

تحریر پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جواز کا فتوی دینے سے پہلے کس قدر احتیاط وتحقیق سے کام لیا، اور جب رجحان بدل گیا اور مسئلہ کا دوسرا رخ واشگاف ہوا تو اس کی اشاعت واعلان میں اس سے زیادہ احتیاط کیا، جواز کا فتوی شخصی طور پر دیا گیا تھا، کسی رسالہ میں نہیں چھپا تھا، جبکہ عدمِ جواز کا اعلان ''بیانِ مصطفیٰ'' کے ذریعہ کر کے ہزاروں شخصوں کو باخبر کیا گیا، اس لئے کہ مذکورہ رسالہ ہزاروں کی تعداد میں چھپتا ہے، ملک و بیرونِ ملک میں پہنچتا ہے، صرف اسی پر بس نہ کیا بلکہ ایم۔ وے کمپنی کی چال بازی اور امت کے اموال کو استحصال سے بچانے کی خاطر اس موضوع پر علمائے عرب کے عربی فتاوی کو اپنے شاگردوں کے ذریعہ اردو جامہ پہنا کر برِصغیر کے چنیدہ مفتیانِ کرام کے فتاوی کے ساتھ ''ملٹی لیول مارکیٹنگ کا شرعی حکم'' نامی رسالہ شائع کروایا۔

ظاہر سی بات ہے فقہی مسائل میں اس قدر احتیاط جس شخص کا مذاقِ زندگی بن چکی ہو وہ کسی مسئلہ میں خودرائی اور تفرد اختیار کرنے سے کس درجہ دور ہوگا اس کو بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۲): ۱۴۲۰ھ کے رمضان میں فتاوی رضویہ کی ایک روایت کے متعلق ہر طرف سے شور اٹھا، روایت یہ ہے ''پندرہ رمضان جمعہ کے دن چاشت کے وقت آسمان سے ایک ہولناک آواز سنائی دے گی جس کے سننے سے ہزاروں انسان دم توڑ دیں گے'' اسی حدیث

میں اس بلا سے نجات پانے کے لئے سات تدبیریں بتلائی گئی ہیں، اتفاق سے ۱۴۲۰ھ میں رمضان کی پندرھویں تاریخ جمعہ کے روز پڑ رہی تھی، لوگ خوف زدہ تھے، مفتی صاحب سے اس سلسلہ میں سوال کیا گیا، آپ نے روایت کی تحقیق کروائی کہ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ بسیار تلاش کے بعد علامہ سیوطی کی کتاب "اللآلئ المصنوعه". (۳۲۲/۲) میں مل گئی؛ چناچہ ایک پمفلٹ کی شکل میں اس کو شائع کر دیا، اس پر مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ کے دستخط بایں الفاظ ثبت ہے: "میں بھی اس مضمون سے متفق ہوں"۔

۱۴۲۸ھ میں اتفاق سے رمضان کی پندرھویں تاریخ اور جمعہ جمع ہو گئے تو لوگوں میں دہشت پھیل گئی، آپ نے دوسرا فتوی ۱۴۲۰ھ کے مضمون کے خلاف صادر فرمایا، اور فتوی کے اخیر میں تحریر فرمایا:

نوٹ: اس سے پہلے ۱۴۲۰ھ میں مذکورہ روایت سے متعلق ایک تحریر دی گئی تھی، اب جبکہ اس روایت (کے ضعیف وموضوع ہونے) کی پوری حقیقت سامنے آ چکی ہے تو سابق تحریر خود بہ خود ختم ہو جاتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص سابق تحریر پیش کرے تو اس کی طرف دھیان نہ دیں۔ فقط واللہ تعالی أعلم۔

أملاہ: احمد خانپوری، ۱۱/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

دراصل غلط فہمی اس لئے ہوئی تھی کہ علامہ سیوطیؒ نے "اللآلیٔ المصنوعه" میں اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا ہے، بعد میں دیگر اہلِ علم نے توجہ دلائی کہ اس حدیث کے رواۃ مجہول اور جھوٹے ہیں؛ نیز علمائے حدیث نے اس حدیث کو قابلِ رد اور بے بنیاد قرار دیا ہے، جیسا کہ مستدرك حاكم ۸۵۸۰، الموضوعات ۱۹۰/۳، تلخیص

الموضوعات ٨٧٤، الضعفاء الكبير ٥٢/٣، كشف الخفاء ٤٢٣/٣، نقد المنقول ١٠/١، **میں** اس کی تصریح موجود ہے۔

مولانا طلحہ بلال منیار صاحب نے مذکورہ حوالجات ایک تحریر میں شائع کئے ہیں، جب حدیث کی حقیقت ظاہر ہوچکی تو مفتی صاحب نے بلاتردد سابق تحریر سے رجوع فرمایا۔

تفرد سے نفرت، اہلِ علم سے استفادہ

مفتی صاحب کو کسی مسئلہ میں ''تفرد'' اختیار کرنے سے نفرت ہے، اہم مسائل میں اپنے بڑوں کی طرف رجوع فرماتے رہے ہیں، جب تک حضرت فقیہ الامت بقیدِ حیات تھے ان کی تشریف آوری پر اہم استفتاء ان سے استصواب کئے بغیر تحریر نہ کرتے، ان دنوں میں اگر دیوبند جانے کا اتفاق ہوتا تو اہم استفتاء اپنے ساتھ لے جاتے، وہاں جا کر اس مسئلہ میں حضرت کا عندیہ معلوم کرتے، اسی طرح حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ کی خدمت میں حاضری کے وقت معمول رہا۔

۱۴۱۹ھ میں ''اکابرینِ گجرات'' نامی گجراتی کتاب کی تکمیل پر اس کے مؤلف مولانا حکیم عبدالحی کفلیتویؒ کو مبارک بادی پیش کرنے کے لئے ''ویسمہ'' میں ایک اہم اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں مہمانِ خصوصی کے طور پر فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (متوفی ۲۰۰۲ء) کو مدعو کیا تھا، اس وقت تین روز قاضی صاحب کا قیام جامعہ میں رہا، دیکھا گیا کہ مفتی صاحب بعض مسائل میں ان کے ساتھ تبادلۂ خیال فرما رہے ہیں۔

جامعہ ڈابھیل میں فقہ وفتاوی سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم تشریف لاتے تو ان کو دارالإفتاء ضرور لاتے، ہم خدام بھی حاضر ہوتے، ایسے مواقع میں دیکھا گیا کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ زیر بحث ہوتا، آنے والے عالم کی بات پوری سنجیدگی اور اہمیت کے ساتھ بغور سنتے۔

چند سال پہلے قریب کی ایک بستی سے سوال آیا جس کا خلاصہ یہ تھا: مسجد کی وقف زمینیں خطرہ میں ہیں، غیر مسلم کے قابض ہونے کا امکان ہے، کیا ان حالات میں اوقاف کی زمینیں بیچ کر اس کی قیمت سے بیرونی ممالک میں کوئی بلڈنگ خریدی جاسکتی ہے؟ اس بلڈنگ کا کرایہ مسجد ہی کے کاموں میں صرف کیا جائے گا۔

مفتی صاحب نے ازخود استفتاء کا جواب تحریر نہیں فرمایا بلکہ ان کو مشورہ دیا کہ گجرات کے مؤقر مفتیانِ کرام کو اپنی بستی میں مدعو کریں وہ حضرات جو فیصلہ کریں اس پر عمل کریں۔

ایک مرتبہ یہاں دارالإفتاء میں ایک استفتاء کا حکمِ شرعی تحریر کرنے میں وصیت کے ایک مسئلہ میں ''مفید الوارثین'' کے ایک مسئلہ پر اشکال پیدا ہوا، یہ واقعہ ۱۴۲۵ھ کا ہے حضرت فقیہ الامت کا سن ۱۴۱۷ھ اور حضرت لاجپوریؒ کا ۱۴۲۲ھ میں وصال ہو چکا تھا، تو اپنے محبوب استاذ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی خدمت میں مدلل طور پر اشکال تحریر فرما کر بھیجا اور دفعِ اشکال کی درخواست کی۔ افادہ کی غرض سے اشکال اور اس کا جواب پیش کیا جاتا ہے:

وصیت کا ایک مسئلہ

گرامی نامہ حضرت مفتی صاحب: بنام حضرت اقدس مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہما

باسمہٖ سبحانہ و تعالیٰ

مخدوم محترم و معظم حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

میں یہاں پر بہ خیر و عافیت رہتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں آپ کی خیر و عافیت کے لئے دعا گو ہوں، یہاں دارالإفتاء میں پیش شدہ ایک معاملہ کی شرعی تحقیق کے دوران

حضرت اقدس مولانا سید اصغر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کی تصنیف مفید الوارثین کے ایک مسئلہ پر اشکال پیدا ہو گیا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ سے تسامح ہوا ہے، مفید الوارثین میں حسبِ ذیل مسئلہ ہے: ''جس کے لئے وصیت کرتا ہے وہ بوقتِ وصیت زندہ ہو، میت کی وفات کے بعد اس کا زندہ ہونا شرط نہیں۔ پس اگر کسی مردہ شخص کے لئے وصیت کی تو معتبر نہ ہوگی، اور اگر زندہ شخص کے لئے وصیت کی لیکن وہ وصیت کرنے والے کے سامنے ہی مر گیا تو یہ وصیت جائز ہوگی، اور جس کے لئے وصیت کی تھی اس کی جگہ اس کے وارث اس وصیت کے مستحق ہو جائیں گے۔ (مفید الوارثین ۷۷)

آگے صفحہ ۷۸ پر تحریر فرماتے ہیں: ''چھٹی شرط یہ ہے کہ جس شخص کے لئے وصیت کی ہے وہ میت کا وارث نہ ہو، اگر وارث کے لئے وصیت ہوگی تو باطل اور غیر معتبر ہوگی؛ البتہ اگر باقی وارث اس کو جائز رکھیں اور منظور کر لیں تو معتبر ہو جائے گی۔

شرح: یہ جو بیان ہوا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں یہاں وہ وارث مراد ہے جو بوقتِ وفات میت شرعاً وارث ہو اور اس کے مال سے حصہ پاوے، پس اگر کوئی شخص بوقتِ وصیت تو وارث تھا مگر مورث کی وفات کے وقت وارث نہیں رہا تو اس کے لئے جو وصیت ہوئی ہے وہ جائز ہوگی۔

مثالِ اول: جب زید نے بھائی کے لئے وصیت کی تو چار وارث موجود تھے ایک والدہ، ایک زوجہ، ایک ہمشیرہ، ایک بھائی، سب سمجھتے تھے کہ یہ وصیت باطل ہوگی مگر زید کے انتقال کے دو روز پہلے اس کے ایک بیٹا پیدا ہو گیا، اب یہ بھائی صاحب حصہ دار وارث تو نہ رہے (کیونکہ بیٹے کی موجودگی میں میت کا بھائی محروم رہتا ہے) مگر زید نے جوان کے لئے وصیت کی تھی وہ صحیح و معتبر ہوگی، کیونکہ بوقتِ وفاتِ زید وہ وارث نہیں تھے۔

مثالِ دوم: زید نے اپنے بھائی کے لئے وصیت کی، بظاہر سب اس کو ناجائز سمجھ رہے تھے مگر اتفاق سے زید کی حیات ہی میں اس کے بھائی کا انتقال ہوگیا تو یہ وصیت جائز اور معتبر سمجھی جائے گی، اوراس وصیت میں جس قدر مال وغیرہ زید نے اپنے بھائی کے لئے مقرر کیا تھا وہ زید کے بھائی کی اولاد وغیرہ کو مل جائے گا، اگر بھائی نہ مرتا تو یہ وصیت باطل رہتی؛ البتہ میراث سے حصہ ملتا اب جبکہ بھائی مرگیا تو وہ وارث ہی نہ رہا اس لئے وصیت اس کے لئے جائز ہوگی اوراس کے پس ماندوں کو دی جائے گی''۔(مفید الوارثین ۷۸،۷۹)

وصیت کے سلسلہ میں کتبِ فقہ میں جو تفصیلات ہیں ان سے جو چیز میری سمجھ میں آئی وہ پیش کرتا ہوں:

(۱): وصیت کا رکن ایجاب وقبول ہے، موصی کی طرف سے ایجاب اور موصی لہ کی طرف سے قبول ہونا ضروری ہے، جب تک کہ دونوں نہیں پائے جائیں گے رکن مکمل نہیں ہوگا۔

بدائع الصنائع میں ہے: وأما ركن الوصية: فقد اختلف فيه، قال أصحابنا الثلاثة رحمهم الله هو الإيجاب والقبول، الإيجاب من الموصى والقبول من الموصى له، فما لم يوجدا لا يتم الركن، وإن شئت قلت: ركن الوصية الإيجاب من الموصى وعدم الرد من الموصى له، وهو أن يقع اليأس عن رده، وهذا أسهل لتخريج المسائل على ما نذكر، وقال زفرؒ الخ(۳۳۱/۷)

(۲): موصی لہ کا قبول جو وصیت کا ایک رکن ہے وہ موصی کی موت کے بعد ہونا چاہئے، موصی کی زندگی میں موصی لہ کی طرف سے وصیت کو قبول یا رد کرنا معتبر نہیں، اگر اس نے موصی کی زندگی میں رد کردیا لیکن موصی کی وفات کے بعد قبول کیا تو وہ معتبر ہے، اوراگر موصی کی زندگی میں قبول کرلیا اور موصی کی وفات کے بعد رد کردیا تو وہ رد ہی سمجھا جائے گا۔

”مجمع الأنهر“ میں ہے:(ولا بد فی الوصية من القبول) (ويعتبر) القبول (بعد موت الموصى)لأن أوان ثبوت حكمها بعد موت الموصى (ولا اعتبار بالرد والقبول فی حياته)ای حيات الموصى كما إذا قال لإمرأته أنتِ طالق غداً على درهم، فإن ردها وقبولها باطل قبل الغد (وبه)ای بالقبول (تملك) الوصية ولا تملك قبله؛ لأن الوصية إثبات ملك جديد ولا يملك أحد إثبات الملك لغيره بلا إختيار. (مجمع الأنهر ٢/٦٩٣،٦٩٤)

”در ر المنتقى على هامش المجمع الانهر“ میں ہے: (و)إعلم أنه لا بد فی الوصية من القبول صريحاً أو دلالةً بأن يموت الموصى له بعد موت الموصى كما فی الخلاصه، وقال زفر: الركن الإيجاب،وفی القهستانی وغيره القبول شرط للملك لا لصحة الوصية، ولا يشترط للملك القبض قبل القبول عملاً بشبهی الهبة والارث (ويعتبر)القبول (بعد موت الموصى)لا قبله (و)حينئذ (لا اعتبار بالرد والقبول فی حياته)لأن أوان ثبوت حكمها بعد الموت (وبه) أی بالقبول المذكور (تملك) لما مر (إلا أن يموت الموصى له بعد موت الموصى قبل القبول) والرد فهو من قبيل الإكتفاء (فإنه يملكها) بلا قبول (وتصير لورثته) استحساناً.(درر المنتقى على هامش المجمع الانهر٢/٦٩٣)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:قبول الوصية إنما يكون بعد الموت فان قبلها فی حال حياة الموصى أو ردها فذلك باطل، وله القبول برد الموت كذا فی السراجية. (هنديه٦/٩٠)

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے: ويعتبر قبولها أی قبول الوصية وردها بعد

الموت لأن الوصية تمليك مضاف الى ما بعد الموت فيعتبر قبولها بعده، شرح المجمع لابن ملك. (تنقيح الفتاوى الحامديه ۳۱۳/۲)

(۳): موصی لہ کا قبول جو رکن وصیت ہے کبھی صراحۃً ہوتا ہے اور کبھی حکماً ودلالۃً؛ چنانچہ اگر موصی کی موت کے وقت موصی لہ موجود تھا اس کے بعد صراحۃ قبول یا رد کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا تو اس صورت میں یہ اس کی طرف سے دلالۃً قبول شمار ہوگا اور مال موصی بہ اس موصی لہ کے ورثاء کو بطورِ وراثت دیا جائے گا؛ چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:ويشترط فى الوصية القبول صريحاً بأن يموت الموصى له قبل الرد والقبول فيكون موته قبولاً فترثها ورثته، كذا فى الوجيز الكردرى. (هنديه ۹۰/٦)

مجمع الانہر میں ہے:(إلا أن يموت الموصى له بعد موت الموصى قبل القبول فإنه)أى الموصى له (يملكها)أى الوصية (وتصير لورثته)أى ورثة الموصى له ولا حاجة إلى القبول وهذا استحسان. (مجمع الانهر ٦٩٣/٢،٦٩٤)

دررالمنتقی میں ہے:(إلا أن يموت الموصى له بعد موت الموصى قبل القبول)والرد فهو من قبيل الإكتفاء (فإنه يملكها)بلا قبول (وتصير لورثته) استحساناً. (درر المنتقى على هامش مجمع الأنهر ٦٩٣/٢)

درِمختار میں ہے: (وإنما يصح قبولها بعد موته)لأن أوان ثبوت حكمها بعد الموت (فبطل قبولها وردها قبله)وإنما تملك بالقبول (إلا إذا مات موصيه ثم هو بلا قبول فهو)أى المال الموصى به (لورثته)بلا قبول استحساناً كما مر. (درِمختار على هامش الشامى ٤٦٥/٥)

نوٹ: غالباً حضرت میاں صاحب ؒ کو اسی مسئلہ سے تسامح ہوا ہے۔

(۴): موصی کی زندگی میں موصی لہ کے انتقال کر جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے؛ چنانچہ **بدائع الصنائع** "بیان ماتبطل بہ الوصیۃ" میں ہے: وتبطل بموت الموصی لہ قبل موت الموصی لأن العقد وقع لہ لا لغیرہ فلایمکن إبقاؤہ علی غیرہ. (بدائع الصنائع ۷/۳۹٤)

(۵): وصیت کی تعریف درِمختار میں کی گئی ہے :(ھی تملیک مضاف الی ما بعد الموت) عیناً کان أو دیناً، قلت: یعنی بطریق التبرع. (درِ مختار علی ھامش الشامی ٥/٤٥٨)

تبیین الحقائق میں ہے: وفی الشرع ما ذکرہ فی المختصر فقال الوصیۃ تملیک مضاف إلی مابعد الموت یعنی بطریق التبرع سواءٌ کان عیناً أو منفعةً . (۱۸۲/٦)

جب یہ تملیک مضاف الی ما بعد الموت ہے تو موصی کی موت کے وقت موصی لہ اگر زندہ ہے تب ہی اس میں تملیک یعنی مالک بننے کی اہلیت ہے اور اگر موصی لہ کا انتقال موصی سے پہلے ہو چکا ہے تو اس میں مالک بننے کی صلاحیت اور اہلیت ہی نہیں رہی پھر یہ وصیت کیسے درست قرار دی جائے، عالم گیری میں ہے: وشرطھا کون الموصی اھلاً للتملیک والموصی لہ اھلاً للتملک والموصی بہ بعد الموصی مالاً قابلا للتملیک، وحکمھا: أن یملکہ الموصی لہ ملکاً جدیداً کما یملک بالھبة کذا فی الکفایة. (عالم گیری ٦/۹۰)

حضرت والا سے درخواست ہے کہ ان معروضات پر غور فرما کر جواب عنایت فرمائیں، اور اگر مفید الوارثین کے مسئلہ میں واقعةً تسامح ہوا ہے تو اس کو واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط والسلام۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

جواب از حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ

الجواب: دونوں جگہ حضرت میاں صاحب قدس سرہ سے تسامح ہوا ہے۔ ہدایہ میں صاف ہے: ولو مات الموصی له فی حیاة الموصی بطلت. (٦٦٨/٤)

پہلی جگہ خط کشیدہ عبارت اور دوسری جگہ مثالِ دوم صحیح نہیں، میاں صاحب قدس سرہ نے یہ مضمون درِمختار سے لکھا ہے، اور شامی سے مثالیں لی ہیں، مگر معلوم نہیں ایسا صریح تسامح کیسے ہوگیا، یہ تو طے شدہ امر ہے کہ موصی کے انتقال کے بعد موصی لہ کا وصیت کو قبول کرنا ضروری ہے، خواہ دلالۃً ہو، پس اگر وہ موصی کی حیات میں وفات پا گیا تو رکن یا شرط کہاں پائی گئی؟ واللہ اعلم۔

حررہ: سعید احمد عفا اللہ عنہ، ۱۰/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

ایک بکرے یا بڑے جانور کے ایک حصہ میں چند آدمی مل کر نبی کریم ﷺ یا کسی دوسری میت کی طرف سے قربانی کریں تو یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟ یہ مسئلہ قدیم زمانہ سے ہمارے اکابر کے درمیان موضوعِ بحث بنا رہا ہے، اسی سلسلہ میں ایک فتوی برائے تصدیق دارالاِفتاء ڈابھیل پہنچا، مشورہ کے بعد اس کا جائزہ لینے کے لئے رفیق دارالاِفتاء مولانا مفتی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سملکی سلمہ کو سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی تفصیل و تحقیق سے اس پر سیر حاصل کلام کیا جو تقریباً دوسو، ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے، مسئلہ مکمل ہونے کے بعد ملک کے بعض معروف اور مستند اہلِ فتوی کی خدمت میں برائے ملاحظہ پیش کرنے کا حکم دیا؛ تاکہ مسئلہ کا ہر پہلو مدلل طریقہ سے اہلِ علم کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔

سالِ گذشتہ مولانا ایوب بھٹکلی صاحب نے عورتوں کی نماز کے سلسلہ میں تفرد پر مشتمل ایک تحریر بھیجی، جس میں کتبِ فقہ میں لکھے ہوئے طریقۂ نماز اور بہشتی زیور کو نا قابلِ

اعتبار قرار دینے کی کوشش کی گئی تھی، راقم الحروف نے فقہ حنفی کی روشنی میں اس کا مفصل و تحقیقی جواب تیار کیا، بعض اہلِ علم نے اس فتوی کو شائع کرنے کی طرف توجہ دلائی، مگر مفتی صاحب نے فرمایا: شائع کرنے سے پہلے معروف و مستند مفتیانِ کرام کی خدمت میں فتوی برائے ملاحظہ و تصدیق بھیجا جائے؛ تا کہ انتشار نہ ہو، چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے منشاء کے مطابق اس پر عمل کیا گیا۔

طلباء کی تمرین و مشقِ فتاوی پر کڑی نظر

آپ ۱۴۰۶ھ میں منصبِ اِفتاء پر تشریف لائے، اس وقت شعبۂ اِفتاء میں داخل ہونے والے طلباء کے لئے مدتِ تعلیم صرف ایک سال مقرر تھی، ایک ہی سال میں کتبِ درسیہ و مشقِ فتاوی سے فارغ کر دیا جاتا، اس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب خود ہی شرح عقود رسم المفتی، الأشباہ والنظائر، نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف اور کبھی سراجی کا درس دیتے، درس میں معنی خیز تقریر فرماتے، مسئلہ کو مثالوں سے سمجھاتے، مسئلہ کو ذہن نشین کرانے کے لئے گجراتی طلباء کے پیشِ نظر گاہے گاہے نوکِ زبان پر گجراتی زبان کی مَثَل بھی آجاتی۔

۱۴۰۷ھ کے شعبۂ اِفتاء کے ایک طالبِ علم مفتی رشید احمد فریدی زید مجدہ کا بیان ہے "درجۂ اِفتاء میں تمام نصابی کتابیں حضرت الاستاذ نے بہ ذاتِ خود پڑھائیں اور باوجودیکہ بہ حیثیت مفتی حضرت کا پہلا سال تھا یعنی ۱۴۰۷ھ، مگر آپ نے اس طرح کتابوں کو حل فرمایا کہ بقولِ مفتی عباس صاحب بسم اللہ جو دو تین سال قبل سے معین مفتی کے طور پر کام کر رہے تھے، اور ہمارے ساتھ شریکِ درس ہوتے تھے "جیسے کوئی کہنہ مشق مفتی درس دیا کرتا ہے" ان کتابوں میں اہتمام سے عبارت کا ترجمہ بھی کرتے تھے اور مطلب واضح فرماتے تھے"۔

کبھی اکابرِ دیوبند بالخصوص فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ، حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ وغیرہ کے واقعات سناتے۔"الاشباہ والنظائر" میں "القاعدة التاسعة إعمال الكلام أولى من إهماله" کے ذیل میں وقف علی الاولاد کا طویل معرکۃ الآراء مسئلہ بیان کیا ہے جو کئی صفحات پر محیط ہے، درس میں جب یہ مسئلہ آتا تو باقاعدہ سراجی کے مناسخہ کی طرح بطن دربطن نقشہ بنا کر بلیک بورڈ پر سمجھاتے اور اس میں کافی وقت صرف ہوتا؛ مگر مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد ہی اطمینان کا سانس لیتے۔

اِفتاء کے طلباء کی تربیت اور اصلاح کی بھی فکر فرماتے، کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے بیعت ہونے کی طرف متوجہ فرماتے، دارالاِ فتاء کے سرپرست حضرت فقیہ الامتؒ نے اس شعبہ میں داخلہ لینے والے طلباء کے لئے "قواعد وضوابط" منتخب فرمائے تھے اس میں ہے "نیز ان طالبِ علموں کی صفائی باطن کے لئے ذکر واشغال بھی کرنا ہوگا" اس لئے اس شعبہ میں داخلہ لینے والے طالبِ علم کے لئے جس بزرگ سے مناسبت ہو ان سے اصلاحی تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔ پچھلے چند سالوں سے اِفتاء کا کورس پورا کرنے والے طلباء کے لئے رمضان المبارک جامعہ میں جاری خانقاہِ محمودیہ میں گزارنا لازم کر دیا ہے، کبھی تو سند اسی اہتمام کے خاطر روک دی جاتی ہے، اور ۲۷/ رمضان کو سند دی جاتی ہے۔

جب تک حضرت فقیہ الامتؒ بقیدِ حیات تھے اس وقت تک شعبۂ اِفتاء سے فارغ ہونے والے طلباء کا امتحان بہ ذاتِ خود حضرت تحریری وتقریری لیتے رہے، اس کے بعد ہی سند دی جاتی، اس سند پر حضرتؒ کے دستخط ثبت ہوتے، حضرت کے وصال کے بعد یہ مبارک سلسلہ ختم ہوگیا، بعدہ اِفتاء کے طلباء کے سالانہ امتحان کا پرچہ گجرات کے دیگر کوئی مفتی صاحب تیار کر کے امتحان لیتے رہے، چند سال کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔

اب جامعہ کے دیگر درجاتِ عربی وقرأت کی طرح اِفتاء کے طلباء کا جامعہ ہی میں امتحان لینے دینے کا کام ہوتا ہے پھر سند دی جاتی ہے۔

مفتی صاحب بھیڑ بھاڑ اور غوغا اور طلباء کی بے شوقی و بد ذوقی کو پسند نہیں فرماتے، آپ افراد سازی ومردم سازی کو پسند فرماتے ہیں، شعبۂ اِفتاء کے طلباء کی تعلیم وتربیت کے لئے جب ایک سال ناکافی ہونے لگا، اور ہر سال شعبۂ اِفتاء میں داخلہ کے لئے درخواستیں بڑھنے لگیں تو آپ نے حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا:

اب تک زیادہ سے زیادہ پانچ طلباء کا داخلہ مشقِ اِفتاء کے لئے کرتے رہے، لیکن درخواستیں زیادہ آتی ہیں اس لئے اب تعداد دگنی کرنے کا ارادہ ہے، اس سلسلہ میں مشورہ عنایت فرمائیں۔

حضرتؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ''اِفتاء میں طلبہ کے اضافہ کا ارادہ ہے اور ان کو شوق بھی ہے تو بہتر ہے''۔

چنانچہ ۱۴۱۵ھ سے تعدادِ طلبہ کے ساتھ ساتھ مدتِ تعلیم دو سال کر دی گئی، ہمارے یہاں دوسرے سال والے طلباء سے باہر سے آنے والے سوالات کے جوابات تیار کروائے جاتے ہیں، اولاً وہ طلباء پورا استفتاء اپنی کاپی میں نقل کرتے ہیں، پھر کتابوں سے تلاش کر کے جواب تیار کرتے ہیں، یہ طلبہ صبح پہلے گھنٹہ میں اپنی اپنی کاپیاں لے کر مشقِ فتاوی سنانے کے لئے حضرت مفتی صاحب کے پاس پہنچ جاتے ہیں، طلبہ کے جوابات بغور سنتے ہیں اور اس سلسلہ کی ہدایات سے نوازتے ہیں، طلبہ کی مشق پر کڑی نظر رکھتے ہیں، املائی اغلاط، فتوی نویسی کی اغلاط پر خاص طور پر ٹوکتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

تنبیہات وہدایات

(۱): ایک طالبِ علم نے مشقِ اِفتاء میں آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ صرف ؐ لکھا تھا، اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ فضائلِ اعمال جلد اول لے آؤ، پھر اس میں سے یہ عبارت پڑھ کر سنائی "اگر تحریر میں بار بار نبی کریم ﷺ کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا درود لکھے، اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے "صلعم" وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔ (فضائلِ اعمال جلد اول فضائلِ درود شریف ۱۴۱/۷)

پھر فرمایا کہ تم اپنے استاذ یا کسی بڑے کے نام کے ساتھ لکھتے ہو دامت برکاتہم یا مدظلہ العالی، نیز اگر کوئی آپ کے استاذ یا پیر کے نام کے ساتھ مدظلہ العالی یا اور دعائیہ جملہ نہ لکھے تو آپ کو ایک قسم کا رنج ہوتا ہے، پھر آپ اس پر کہتے ہو کہ فلاں نے صرف نام لکھا، بے ادب معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آپ کو ان باتوں پر تو رنج ہوا اور تم خود نبی ﷺ کے نام کے ساتھ درود شریف نہ لکھو اس پر رنج نہیں؟

(۲): ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے بغیر القاب کے محض ایسے ہی لکھا کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں، اس پر حضرت کو سخت صدمہ ہوا، اور چہرہ متغیر ہو گیا، اسی متغیر چہرہ کے ساتھ فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ جب میرا نام لکھتے ہو تو اس میں حضرت اقدس اور نہ جانے کیا کیا لکھتے ہو، جہاں لکھنا چاہیئے وہاں تو لکھتے نہیں (پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کی طرف لے گئے اور اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) یہ تو ہم سب کے اس راہ میں سر کے تاج ہیں، جہاں ان کی بات آگئی بس اس کے آگے کچھ نہیں، فتاویٰ میں ان کا قول مقدم ہوتا ہے۔

پھر فرمایا اپنے بڑوں کا ادب کرو، جب ان کا نام لکھو تو پورے احترام کے ساتھ لکھو، ان کو جو ہمارے بڑوں نے القاب دیئے ہیں پہلے اس کو لکھو پھر اخیر میں دعائیہ جملہ لکھو۔

اخیر میں فرمایا کہ تم میرے نام کے ساتھ جو کچھ لکھتے ہو مجھے پسند نہیں، ہاں حضرت ٹھیک ہے، اس لئے کہ آج ہر ایک کو حضرت کہا جانے لگا۔

(۳): ایک طالبِ علم نے حضرت تھانویؒ کے متعلق لکھا ''تحریر کرتے ہیں'' تو فرمایا ''تحریر فرماتے ہیں'' یوں ہونا چاہئے۔

(۴): ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے جوابی پرچہ پر لکھنے میں جلد بازی کی، کچھ تحریر کا بگاڑ تھا اور کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب تم جوابی پرچہ پر جواب لکھ لو تو اس کو اچھی طرح دھیان سے پڑھ لو، اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کو درست کر لو، جب پورا اطمینان ہو جائے تب میرے پاس لے آنا، پھر فرمایا کہ فتوی کے سلسلہ میں کبھی عجلت سے کام نہ لو۔

اس کے بعد فرمانے لگے کہ جو شخص اپنے اصل مقصد میں عجلت کرے وہ صحیح آدمی نہیں ہے، جیسے نماز میں عجلت کرنا، اسی طرح ہم لوگوں کو فتوی لکھنے میں عجلت کرنا۔

(۵): ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے جوابی پرچہ پر اس انداز سے لکھا کہ حاشیہ بالکل نہیں چھوڑا، بلکہ جہاں دوسرا صفحہ شروع ہوتا ہے وہاں لگے صفحہ کے ساتھ لکھنا شروع کیا، ذرہ برابر جگہ نہیں چھوڑی تھی، تو اس پر حضرت نے اس طالبِ علم سے مزاح کے انداز میں مخاطب ہو کر فرمایا ''آپ نے سوچا ہوگا کہ اگر میں حاشیہ چھوڑ کر لکھوں گا تو فضول خرچی ہوگی''۔

پھر فرمایا کہ لکھنے کا بھی ایک ادب ہے، اس کو سیکھو، پھر حضرت نے ہم طلباء سے پوچھا کہ ادب کہتے کس کو ہیں؟ پھر آپ نے خود ہی جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کو ادا کرنے کا عمدہ سے عمدہ طریقہ کہ اس کے مطابق اس کو انجام دینا اور پورا کرنا یہ اس چیز کا ادب ہے۔

فرمایا کہ لکھنے کا ایک ادب ہے، پڑھنے کا ایک ادب ہے، بولنے کا ایک ادب ہے،

چلنے اور بیٹھنے کا ایک ادب ہے۔ پھر فرمایا کہ اردو اِملاء پر مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مستقل رسالہ جس میں یہ چیزیں تک لکھی ہیں کہ کونسا نشان کہاں لگانا چاہیئے، تم لوگ مولانا کی کتابیں دیکھوتو معلوم ہوگا کہ وہ اپنی کتابوں میں اس کا کتنا اہتمام کرتے ہیں، نیز فرمایا کہ جناب عبد القادر فاتی والا صاحب کی کتابیں دیکھو کہ (گجراتی زبان میں) ان کے لکھنے کا انداز کتنا عمدہ ہے، ان چیزوں کو دیکھو اور لکھنے کا ادب سیکھو۔

(٦): ایک مرتبہ دورانِ مشقِ فتاوی طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ بینک کے سود کے سلسلہ میں ہم جو جواب دیتے ہیں کہ سرکاری غیر واجبی ٹیکس میں بینک کا سود ادا کرنے کی اجازت ہے وہ اس وقت ہے جبکہ بینک بھی سرکاری ہو، لیکن اب تو سرکاری بینک کے علاوہ پرائیویٹ بینک بھی بہت ساری ایجاد ہوئی ہیں، اب پرائیویٹ بینک کے سود کا حکم وہی نہ ہوگا جو سرکاری بینک کا ہے؛ بلکہ پرائیویٹ بینک کے سود کی رقم کا تو فقراء پر بلا نیتِ ثواب تصدق ہی ضروری ہوگا۔

پھر فرمایا کہ آپ لوگ مفتی بن رہے ہو، ایک مفتی ہونے کی حیثیت سے ان باتوں کو اپنے ذہن نشین کرلو، اور ہمیشہ چوکنا رہا کرو۔

(٧): ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے کسی سوال کے جواب میں بخاری شریف یا ترمذی وغیرہ حدیث کی کتاب سے حدیث لکھ کر براہِ راست اسی سے جواب لکھا، نہ فقہ کی کسی کتاب کا کوئی حوالہ لکھا اور نہ کسی قسم کی کوئی عبارت لکھی، اور اسی طرح کا معاملہ اس سے پہلے بھی اس سے سرزد ہوا تھا، اس کا جواب سن کر حضرت نے فرمایا کہ آپ بہت اچھا اجتہاد کرتے رہتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقہ کی کسی کتاب سے جواب لکھا کرو۔

(٨): حضرت یہ نصیحت بار بار فرماتے ہیں کہ فتاوی کے سلسلہ میں ہمارے اکابر

سب کچھ کر گئے ہیں، ہم کو جہاں تک ہو سکے انہیں کی عبارتوں کو نقل کرنا ہے، اس لئے کہ اس میں ہماری تربیت بھی ہے۔

(۹) ایک موقع پر فرمایا کہ ایک کتاب دیکھ کر مطمئن ہو کر بیٹھا نہ کرو، ایک مسئلہ پر ہر ہر کتاب اٹھا کر دیکھو، کم از کم اردو فتاوی ایک طرف سے سب دیکھ لو۔

(۱۰): بقیہ (بچا ہوا) اس لفظ سے پہلے اگر ''ما'' آئے تو اس وقت ہاء ساقط ہو گی (مابقی ہوگا) ورنہ (یعنی بغیر ''ما'') کے ہو تو ہاء باقی رہے گی ''بقیہ''

(۱۱): حوالہ ہمیشہ بین القوسین لکھو۔

(۱۲): آدمی اگر اپنے فرضِ منصبی کی فکروں میں لگا رہے تو دوسری فکروں سے مامون رہتا ہے، اگر فرضِ منصبی کی فکروں میں نہ لگے تو فضول فکروں میں لگ جاتا ہے، حالانکہ اول (فرضِ منصبی) کی فکروں میں لگا رہنا نعمت ہے اور دوسری فکروں کا مسلط ہونا عذاب ہے۔

(۱۳): ایک طالبِ علم نے مسجد میں تمبا کو کھانے کے مسئلہ میں لکھا کہ اعتکاف کی نیت کر لیوے پھر کھا سکتا ہے، تو اس پر فرمایا کہ یوں لکھو کہ اگر اعتکاف کی نیت کی تھی تب تو کھانے کی گنجائش ہے، ورنہ مسجد سے باہر جا کر کھا لیوے، پھر منہ صاف کر کے مسجد میں آوے، پھر تنبیہاً فرمایا کہ ہماری کوئی بات منشاءِ شریعت کے خلاف نہ ہو، آپ تو اس کو کھانے کے لئے اعتکاف کی نیت سکھلا رہے ہیں۔

(۱۴): فتوی جب ایسی زبان میں لکھا جائے جو بائیں جانب سے شروع ہوتی ہے جیسے گجراتی، ہندی، انگریزی زبان تو درمیان میں آنے والی عربی عبارت کو علیحدہ سطر میں لکھیں، تاکہ امتیاز ہو سکے۔

(۱۵): لفظ ''فقط'' مضمون ختم ہوتے ہی فوراً لکھ دیا جائے۔

(۱۶): ایک طالبِ علم نے زکوۃ کے مسئلہ میں غلطی کی تو ٹوکا اور دریافت فرمایا کہ کن چیزوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے؟ وہ طالبِ علم جواب نہ دے سکا، پھر دوسرے طالبِ علم سے دریافت فرمایا، اس نے جواب بیان کیا، پھر اس پہلے طالبِ علم سے فرمایا کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جو مفتی کو ہر وقت مستحضر ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ اس کے لئے کتاب دیکھنے کی ضرورت پڑے، مثال میں دنیوی عہدیداروں کو بیان کیا کہ ان کو بھی چند گرامر اور قوانین حفظ کرائے جاتے ہیں کہ نیند سے اٹھنے پر بھی فوراً بیان کر دیں۔

(۱۷): ایک طالبِ علم نے دستخط کے لئے جواب حضرت کے ہاتھوں میں دیا، آپ نے دیکھا کہ جواب علیحدہ صفحہ پر ہے اور دستخط علیحدہ صفحہ پر ہوگی، تو حضرت نے فرمایا کہ جواب اس طرح ختم کرو کہ دستخط اسی صفحہ پر ہو، تا کہ کوئی دستخط کا صفحہ علیحدہ نہ کر دے۔

(۱۸): ایک طالبِ علم نے لفظ ''چنداں'' (بمعنی اس قدر، اتنی، ایسی) کو ''چندہ'' لکھا تو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا مولوی کے ذہن میں ہمیشہ چندہ ہی ہوتا ہے۔

(۱۹): بین القوسین والی عبارت ایسی ہو کہ ماقبل اور مابعد سے جملہ کا ربط باقی رہے۔

(۲۰): لفظِ شبہ کا معنی اعتراض کے ہے، اور لفظِ شبہہ کے معنی مشابہت کے ہے۔

(۲۱): ''اجینا موٹو'' وغیرہ کے متعلق کوئی استفتاء آوے تو تنقیح کے طور پر یوں لکھ دیا جائے کہ اس کے سلسلہ میں مستند معلومات ہمارے پاس بھیجو پھر اس کا جواب دیا جائے گا۔

(۲۲): ایک طالبِ علم جواب کاغذ کے متعدد پرزوں پر لکھ کر لے گیا اور سنانے کے درمیان اٹک گیا، تو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: اس طرح کچا نہ لاؤ بلکہ اصل مکمل تیار کر کے لاؤ؛ تا کہ یہاں وہاں تلاش نہ کرنا پڑے، یہ ادب کے بھی خلاف ہے (اور ادب سے علم آتا ہے) اور مشقِ اِفتاء کے بھی خلاف ہے۔

(۲۳): فرمایا: سائل نے جس چیز کا سوال نہیں کیا اس کا خواہ مخواہ جواب دینا ایسا ہے کہ ''آ بیل مجھے مار''۔

(۲۴): ہمارے اکابرین میں سے کسی کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، اور ان کی رائے علیحدہ ہو تو اس کا بھی ذہن میں ہونا ضروری ہے۔

(۲۵): مفتی کو وقتی حالات کے مسائل مستحضر ہونے چاہئے، مثلاً قربانی کے موقع پر مسائلِ اضحیہ، رمضان کے موقع پر مسائلِ روزہ، عیدین کے موقع پر مسائلِ عیدین، ان اوقات کی آمد سے قبل اس موضوع پر پیش آنے والے مسائل کے جوابات کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہئے۔

(۲۶): ایک طالبِ علم نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتیٔ اعظم پاکستان کا نام ''مفتی شفیع صاحب'' لکھا، اس پر فرمایا کہ جس کا جو نام ہو وہ مکمل لکھا کرو، حضرت مفتی صاحب کا نام ''محمد شفیع'' ہے نہ کہ صرف ''شفیع''۔

(۲۷): طلباء میں ذوقِ جستجو و مطالعہ پیدا کرنے کے لئے ایک موقع پر فرمایا: بڑے حضرت (حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ) فرمایا کرتے تھے کہ فقہ ایک جنگل ہے، ہمیں اس میں ہمارے لائق قربانی کا جانور تلاش کرنا ہے۔

(۲۸): میت کے لئے قرآن خوانی کے ایک سوال پر فرمایا: ایصالِ ثواب کے مقابلہ میں میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا اہم ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی جیل خانہ میں ہے اس قیدی کو رہا کرنے کی کوشش کرنا اہم ہے، بہ نسبت ٹفن پہنچانے کے۔

ہمت افزائی

حضرت نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اچھی باتوں اور عمدہ جوابوں پر ان کی تعریف فرماتے، اور ان کی ہمت افزائی فرماتے، استاذ کا ایسا طرزِ عمل شاگردوں کے علم و

عمل میں رسوخ پیدا کرنے اور ان میں اضافہ کے لئے سر توڑ جدو جہد کرنے کا سبب ہے۔

مفتی صاحب کے پاس جن طلباء نے پڑھا ہے، مشق فتاوی کی ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ آپ محنتی طلباء سے بہت خوش ہوتے ہیں، گاہے گاہے ہدایا وتحائف سے ان کو نوازتے ہیں، کبھی اِفتاء سے فارغ ہونے والے طلباء کو سال کے اخیر میں گھر بلا کر عمدہ کھانوں پر مشتمل دعوت کھلاتے، کبھی نئی کتاب آتی تو خرید کر تقسیم کرتے، کبھی کوئی ہدیہ لاتا مٹھائی وغیرہ تو دار الاِفتاء کے طلبہ پر تقسیم کر دیتے، کبھی آم کے موسم میں آم کی دعوت کرتے، اگر کوئی طالبِ علم استفتاء کا دل لگتا عمدہ جواب تحریر کرتا تو نہایت ہی مسرت کا اظہار فرماتے ہیں، کبھی تو کسی ماہواری رسالہ میں طبع کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اور اپنی وساطت سے چھپواتے ہیں؛ چنانچہ بعض طلباء کے ایسے عمدہ جوابات وفتاوی ان کے فارغ ہونے سے پہلے ہی منظرِ عام پر آ گئے۔

میرے اِفتاء کے دوسرے یا تیسرے سال میں نے ایک سوال کا جواب تحریر کیا تو اس پر جھوم گئے اور فرمایا اِفتاء کے تمام طلباء کو پڑھاؤ، حالانکہ جواب میں بظاہر ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی، لیکن جواب سوال کے عین مطابقِ حال تھا اور نگینہ کی طرح جڑتا اور فٹ ہوتا تھا، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

استاذِ محترم مفتی عباس صاحب آپ کو صدر مفتی بنائے جانے کے وقت محررِ فتاوی کی حیثیت سے دار الاِفتاء میں خدمت انجام دے رہے تھے، آپ نے صدر مفتی بننے کے بعد حکم دے کر زیادہ سے زیادہ جوابات تحریر کرنے کی ترغیب دی، اس سے ان کو حوصلہ ملا۔

چنانچہ انہوں نے استاذِ محترم کے حکم کی تعمیل میں زیادہ سے زیادہ چھوٹے بڑے استفتاء کے جوابات تحریر فرمائے، ان کو کمپنیوں کے شیئرز کے مسائل میں دسترس حاصل ہے،

اس موضوع پر کوئی استفتاء آتا ہے تو ان ہی کے حوالہ کر دیتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ مسندِ اِفتاء پر آنے کے چند ماہ بعد مفتی عباس صاحب کو اپنے فتاوی کی تصدیق (الجواب صحیح لکھنے کا) حکم دیا، ابھی اخیر میں ایک آدھ سال پہلے احقر کو بھی یہی حکم دیا، مفتی صاحب کے تحریر فرمودہ فتاوی پر ہم جیسے شاگردوں کا ''الجواب صحیح'' لکھنا بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ آپ کا حکم ہے جس کی تعمیل کی جاتی ہے، دراصل یہ حضرت فقیہ الامتؒ کی تعلیم وتربیت کا اثر اوران کا اتباع ہے کہ حضرتؒ کے فتاوی پر ایسے حضرات کے دستخط ثبت ہیں جو حضرت کے ضابطے کے بڑے نہیں، یا ان اکابر کی اتباع ہے جن کے فتاوی پر ان کے شاگردوں کے دستخط موجود ہیں۔

آپ کے ایک شاگرد مفتی عبد الرشید صاحب جو بمبئی میں ایک دار الاِفتاء کے ذمہ دار مفتی ہیں، انہوں نے ایک مصنوعی معتوہ و پاگل کے متعلق تحقیقات ارسال کیں، درحقیقت یہ صاحب بیوی کو طلاق دے چکے تھے اس کے فراق میں اپنے آپ کو پاگل ثابت کر کے طلاق کے عدمِ وقوع کا فتوی حاصل کرنا چاہتے تھے، مفتی عبد الرشید صاحب نے فریقین کی زبانی وتحریری باتوں سے غیر معتوہ ثابت کر کے وقوعِ طلاق کا فتوی دینا چاہا، جواب کا خاکہ تیار کر کے برائے ملاحظہ مفتی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا، ان کی تحقیقات پر خوش ہو کر تحریر فرمایا:

باسمہ تعالی

عزیزم سلمہ اللہ تعالی وعافاہ! آپ کا خط ملا آپ کے مستفتی.......سے متعلق آپ کی تحقیقات اور پھر ان کے سوال کے جواب کا جو خاکہ تیار کیا ہے اس سے جی خوش ہوا، بالکل مناسب جواب ہے الخ۔

۱۴۱۴ھ میں دار الاِفتاء کا کورس مکمل کرنے والے طالبِ علم مفتی عبد اللطیف

صاحب امر پوری، پالن پوری جو دس سال درجۂ علیا کی کتابیں پڑھانے کے بعد اِفتاء پڑھنے کے لئے تشریف لائے تھے، جو اِس وقت جامعہ نذیریہ کاکوسی میں تدریس وفتاوی نویسی کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں، حضرت مفتی صاحب نے سالانہ اجلاس میں سندِ اِفتاء اپنے دستِ بابرکت سے عنایت کرتے ہوئے علی الاعلان فرمایا'' انہوں نے ہمارے اکابر کی یاد تازہ کردی کہ طویل عرصہ تک تدریس کے بعد اِفتاء کا شوق پیدا ہوا''۔

راقم کہتا ہے ایسے واقعات اسی جامعہ میں اس سے پہلے پیش آچکے ہیں:

۱۳۴۶ھ میں امام العصر علامہ کشمیریؒ اور ان کے رفقاء کی تشریف آوری کے بعد جو طلبہ اکابرِ علم وعمل سے اکتسابِ فیض کے لئے آئے ان میں بعض شیوخِ حدیث بھی تھے۔

راقم سے مولانا احمد موسی اسحاق پٹیل اکلیروی (متوفی ۱۴۲۹ھ) نے بیان کیا کہ ''شاہ صاحب کے پاس دورہ کے طلباء میں بعض شیوخ ہوتے، بعض دس برس بخاری شریف پڑھا کر آئے ہوئے، بعض پانچ مرتبہ، بعض تین مرتبہ پڑھا کر آئے ہوئے ہوتے''۔

مولانا اکلیرویؒ نے شاہ صاحب کا دور دیکھا ہے اس وقت وہ جامعہ میں زیرِ تعلیم تھے۔

تلامذہ

دار الاِفتاء کا قیام اور فتاوی نویسی کی تاریخ سابق اوراق میں گزر چکی، شعبۂ تخصص فی الفقہ کا افتتاح ۸/شوال المکرّم ۱۳۶۹ھ مطابق ۳/اکتوبر ۱۹۷۶ء بروزِ اتوار مفتیٔ اعظمِ ہند فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی زیرِ سرپرستی ہوا، اتوار کے روز بعد نمازِ ظہر شرح عقود رسم المفتی کا ایک سبق پڑھایا، اس کے بعد ایک نہایت مؤثر اور اہم تقریر فرمائی جس میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی، اس وقت یہاں کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم تھے،

ان کے دور میں ۲۰/طلباء نے اِفتاء کا کورس مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی، ۱۴۰۶ھ میں ان کی تشریف بری کے بعد حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو صدر مفتی مقرر کیا گیا، پہلے مدتِ تعلیم ایک سال تھی بعد میں یہ مدت ناکافی معلوم ہوئی تو حضرت فقیہ الامتؒ سے مشورہ کے بعد دو سال لازم کر دی گئی، نصابِ تعلیم وہی ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔

یہ خدامِ شریعت ہیں جو مانند پیمبر ہیں	۞	وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے ہیں

۱۳۸۸ھ سے مفتی صاحب نے باقاعدہ تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا، آپ کے درس کی مقبولیت کی بناء پر بے شمار تشنگانِ علم آپ کے علوم سے فیض یاب و بہرہ ور ہوئے۔

آپ کے صرف ان تلامذہ کی تعداد جنہیں آپ سے بلا واسطہ مستفیض ہونے کا موقع ملا ہزاروں سے کم نہ ہوگی اس وقت ہندو بیرونِ ہند، سعودیہ، ساؤتھ افریقہ، بوٹس وانا، ملاوی، بحرین، خلیجی ممالک، موریشیش، ٹرینیداد، زامبیا، پاکستان، محلد یپ، کینیڈا، چیلی، سُر ی نام، پنامہ، امریکہ، ٹرٹولہ (وسط امریکہ میں واقع ہے) بار بادوس، ریونین، نیوزی لینڈ، برطانیہ وغیرہ ممالک میں آپ کے شاگرد علماء و مفتیانِ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے، جن میں سے بہت سے اپنے اپنے مقام پر دینی، ملی، سماجی خدمات کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں، آپ کے تلامذہ کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت گجرات کے بڑے بڑے مدارس کے اساتذہ بلا واسطہ یا بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں جن میں بعض مہتمم بھی ہی۔

مثلاً (۱): جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم صاحب حضرت مولانا احمد بزرگ دامت برکاتہم مجاز حضرت فقیہ الامتؒ۔

(۲): دار العلوم مظہرِ سعادت کے مہتمم حضرت مولانا عبداللہ صاحب رویدروی دامت برکاتہم۔

ہندوستان کے بعد سب سے زیادہ تلامذہ کی تعداد ساؤتھ افریقہ میں ہے جو اپنے وقت کے ممتاز اور جید علماء کے درمیان ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔

مفتی صاحب کے تدریسی دور کے تلامذہ کے نام لکھنے اور ان حضرات کی خدمات ذکر کرنے سے قصداً تعرض نہیں کیا گیا، اس لئے کہ عین ممکن ہے بہت سے حضرات کے نام نہ آویں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض حضرات کا ذکر مختصراً آوے حالانکہ ان کی خدمات وسیع ہیں جس سے قارئین یا وہ حضرات امتیاز محسوس کریں؛ حالانکہ اس میں کسی امتیاز کو دخل نہیں بلکہ راقم الحروف کی ناواقفیت کو دخل ہوگا، اس لئے تدریسی دور کے تلامذہ کو چھوڑ کر صرف ملکوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

شعبۂ تخصص فی الفقہ کا کورس مکمل کرنے والے مفتیانِ کرام کی تعداد بانوے (۹۲) ہے جو طلباء بعض اعذار کی بنا پر تکمیل سے پہلے چلے گئے یا جن کو سماعت میں داخلہ دیا گیا تھا ان کو شمار نہیں کیا گیا، دار الاِفتاء کے فارغین الحمد للہ اکثر خدمتِ دین میں مصروفِ عمل ہیں بعض تدریس میں، بعض تدریس کے ساتھ فتاوی نویسی میں لگے ہوئے ہیں، بعض نے مستقل دار الاِفتاء کھول رکھا ہے اور ان کے فتاوی اُس علاقہ میں اعتماد کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، بعض کے انگریزی فتاوی انٹرنیٹ پر نشر کئے جاتے ہیں۔

شعبۂ تخصص فی الفقہ کا افتتاح حضرت فقیہ الامتؒ کی سرپرستی میں ہوا تھا، حضرتؒ کی اس شعبہ پر خصوصی توجہ تھی، حضرت مفتی صاحب نے ایک عریضہ میں حضرتؒ کے نام تحریر فرمایا تھا:

''دار الاِفتاء کا کام بھی بحمد اللہ تعالی اچھی طرح چل رہا ہے، سات نئے طلباء داخل ہوئے ہیں، دعاء فرمائیں اللہ تعالی سب کو علومِ نافعہ سے مالا مال فرمائے۔ آمین''۔

اس کے جواب میں حضرتؒ نے جو دعائیہ کلمات تحریر فرمائے اس کو غور سے پڑھئے، فارغین پر دعاء کو منطبق کیجئے، قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، کا ظہور ہوا ہے یا نہیں، فیصلہ کیجئے۔

حضرتؒ جواباً رقمطراز ہیں:

’’آپ دارالِافتاء میں کام کررہے ہیں، مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کے دارالِافتاء کو آباد فرمائے، اچھے قابل مدرس، مفتی وہاں سے تیار ہوں۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/۳۶۹)

تعدادِ فتاویٰ

دارالِافتاء کے پہلے مفتی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے فتاویٰ محفوظ نہیں، ان کے قیام کی مدت بھی قلیل ہے۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب اور مولانا احمد بزرگؒ کے فتاویٰ ایک نہایت ہی طویل عریض بوسیدہ رجسٹر میں محفوظ ہیں، اس رجسٹر کا حال ایسا تھا کہ ورق گردانی کے بعد وہ ورق صحیح سالم نہیں رہ سکتا، اس میں درج شدہ فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے بعض فتاویٰ پر اکابر علماء امام العصر علامہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ کے دستخط ثبت ہیں۔

راقم نے اس رجسٹر سے فرائض کا حصہ چھوڑ کر تمام فتاویٰ نقل کر کے محفوظ کر لئے ہیں، اس رجسٹر کے کئی صفحات کناروں سے پھٹے ہوئے تھے، بچا کچا جو مواد زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہا وہ انتہائی بوسیدہ ہو چکا تھا، ایسے خستہ رجسٹر میں استفتاء درج کرنے کے کالم میں بڑا عدد ۸۸۸ دستیاب ہوا، استفتاء نمبر ۵۹۲ تک مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کے، اور اس کے بعد تا ۸۸۸ مولانا مفتی احمد بزرگ صاحبؒ کے فتاویٰ ہیں، بعض استفتاء کے اندر کئی سوالات ہیں، رجسٹر کی بوسیدگی اور پھٹے ہونے کی وجہ سے فتاویٰ کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے، کم از کم ہزار ضرور ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

حضرت مفتی اسماعیل صاحب بسم اللہ کے فتاوی کی تعداد کے متعلق تاریخِ جامعہ میں لکھا ہے ''وفات تک تینتیس سال کی مدت میں کل فتاوی کی تعداد ۳۵ ہزار ہوتی ہے''۔

(تاریخِ جامعہ ۲۸۳)

واضح رہے مذکورہ تعداد میں قیامِ رنگون کے فتاوی کو بھی شامل کرلیا گیا ہے، اس لئے کہ مفتی صاحب نے ۱۰/ سال وہاں اور ۲۳/ سال یہاں فتاوی تحریر فرمائے ہیں۔

زمانۂ فترت یعنی جن سالوں میں مستقل منصبِ اِفتاء پر کسی مفتی کا تقرر نہیں ہوا تھا، یہ منصب خالی تھا، اساتذۂ جامعہ میں سے کوئی حسبِ ضرورت جواب تحریر کر دیتا ان فتاوی کی تعداد ۲۹۰ ہے۔

حضرت مفتی اسماعیل گورا صاحب راندیریؒ کے فتاوی ماہنامہ ''مسلم گجرات'' میں طبع ہوتے تھے، مطبوعہ فتاوی میں سب کی نقل رجسٹر میں موجود نہیں، اس لئے ۱۳۸۴ھ (جو ان کی آمد کا سال ہے) سے ۱۳۸۶ھ کی تعداد ''مسلم گجرات'' کے مطابق ۴۰۱ ہوتی ہے، ۱۳۸۷ھ سے ۱۳۸۹ھ تک ۲۳۴۲ دارالإ فتاء کے ریکارڈ میں موجود ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مفتی گورا صاحب کے فتاوی کی محتاط تعداد ۱۳۸۴ھ تا ۱۳۸۹ھ ۲۷۴۳ (دو ہزار سات سو تینتالیس) ہے۔

حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مد ظلہ کے دورِ صدارت ۱۳۸۹ھ تا ۱۴۰۶ھ کے کل فتاوی ۱۵۲۱۹ ہیں۔

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے دورِ صدارت کے کل ۲۷ رجسٹر ہیں جن میں سے ۷ رجسٹر خاص مفتی صاحب کے فتاوی پر مشتمل ہیں جبکہ دیگر ۲۰ رجسٹر میں دیگر مفتیانِ کرام اور طلباء کے فتاوی ہیں، آپ نے پہلا فتوی ۲۱/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۶ء میں تحریر فرمایا ہے، آپ کے دورِ صدارت کے کل فتاوی تا دمِ تحریر ۳۵۰۲۸ جن میں

۱۴۹۷۱ آپ کے خود نوشتہ یا اِملاء کردہ ہیں، جبکہ دیگر حضرات: حضرت مفتی عباس صاحب دامت برکاتہم، راقم الحروف، مفتی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سلمہ اور طلبائے دار الاِفتاء کے ۲۰۰۵۷ ہیں، جس میں مفتی عباس صاحب مدظلہ کے ۹۶۳۲ ہیں۔

۱۳۹۶ھ میں جامعہ میں خلفشار کے دور میں حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ بیروت تشریف لے گئے تھے، اس وقت ہنگامی طور پر حضرت مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم نے جو فتاوی تحریر فرمائے تھے مذکورہ تعداد میں ان کو بھی شمار کرلیا گیا ہے۔

تعدادِ فتاوی ایک نظر میں

نمبر شمار	دورِ صدارت	استفتاء
۱	حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ	۵۹۲
۲	حضرت مولانا مفتی احمد بزرگ صاحب سملکیؒ	۱۹۶
۳	حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ	۲۴۳۹۳
۴	اساتذۂ جامعہ	۲۹۰
۵	حضرت مولانا مفتی اسماعیل گورا صاحب راندیریؒ	۲۷۴۳
۶	حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب مدظلہ	۱۵۲۱۹
۷	حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم (دیگر مفتیان کرام کے فتاویٰ کے ساتھ)	۳۵۰۲۸

مجموعی تعداد:

۷۸۴۶۱

مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے ۳۵ ہزار فتاوی ۳۳/سال پر تقسیم کر کے ۲۳/سال

(قیامِ جامعہ) کے فتاوی کی تعداد لکھی گئی ہے۔

مذکورہ تعداد تحریری فتاوی کی ہے، فون پر یا بالمشافہہ پوچھے گئے سوالات کو شمار کرنا ناممکن ہے۔

۱۳/ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ سے تا دمِ تحریر ۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ تراسی (۸۳) سال کے کل فتاوی ۷۸۴۶۱ (اٹھتر ہزار چار سو اکسٹھ) ہیں۔

اتنی بڑی تعداد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دینی امور میں پیش آمدہ مسائل میں عوام الناس کا ان اداروں پر کس قدر اعتماد واعتبار ہے جبکہ از ہر مصر جو دنیا کی سب سے بڑی یونیور سٹی شمار ہوتی ہے وہاں صدیوں میں بھی فتاوی کی اس قدر بڑی مقدار نہیں پائی جاتی۔

''از ہر مصر کے مفتی صاحب کی رپورٹ کے مطابق کئی صدیوں کے فتووں کی مجموعی تعداد ۶۰ ہزار سے زیادہ نہیں بڑھ سکی'' (ہفتہ وار نقیب پٹنہ ۳/ مارچ ۲۰۰۹ء)

محکمۂ شرعیہ کا قیام

جن ممالک میں اسلامی نظام نافذ ہے یا جہاں مسلمان با اختیار قاضی موجود ہیں وہاں تو مسئلہ آسان ہے کہ ہر طرح کے تنازعات مسلم قاضی کے سامنے پیش کر کے ان کو حل کر لیا جائے؛ لیکن وہ ممالک جہاں مسلمانوں کو اقتدارِ اعلی حاصل نہیں ہے اور نہ وہاں کی حکومت کی طرف سے الگ با اختیار مسلم قاضی مقرر ہیں جیسے ہندوستان کے اکثر علاقوں کا حال ہے تو ایسی جگہ پر رہنے والے مسلمانوں کے لئے اپنے معاملات وتنازعات کو حل کرنے میں کسی نظامِ شرعی کی ضرورت تھی، حضراتِ اکابر جمعیۃ علماءِ ہند نے جمعیت کے پلیٹ فارم سے اربابِ حل وعقد کو دعوتِ غور وفکر دی، ۷/ستمبر ۱۹۸۶ء کو ایک مخصوص نمائندہ اجتماع ہوا جس میں کافی غور وخوض کے بعد نظامِ امارتِ شرعیہ کے قیام کو ضروری قرار دیا گیا، اس کے بعد ۲/ نومبر ۱۹۸۶ء کو ایک نمائندہ اجتماع بلا کر اس فریضہ کی تکمیل کی

گئی، محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ امیر الہند منتخب ہوئے، اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ نائب امیر الہند، ہندوستان کے مختلف شہروں میں بڑے اجتماعات ہوئے اور مختلف علاقوں میں خاص خاص جگہوں کو مرکز بنایا گیا، ڈابھیل کے قرب وجوار کے لئے ڈابھیل کو مرکز بنایا گیا۔

مفتی صاحب کے دورِ صدارت میں دار الاِ فتاء کے ماتحت ''محکمۂ شرعیہ'' قائم ہوا، آپ نے محکمۂ شرعیہ کے پلیٹ فارم سے بھی گراں قدر خدمت انجام دی، اگرچہ سابق مفتیانِ کرام ہر دور میں محکمہ کے بغیر ہر طرح کے مابین تنازعات کا فیصلہ کرتے آئے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی احمد بزرگ صاحب، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ نے قرب وجوار میں واقع تنازعات میں جائے وقوع پر جاجا کر فیصلے کئے ہیں۔

حضرت مفتی بسم اللہ صاحب کے متعلق ''تاریخِ جامعہ میں ہے'' دینی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اصلاح ذات البین کی شریعتِ اسلام میں کتنی اہمیت ہے، مفتی صاحب اپنے اثر ورسوخ سے یہ کارِ خیر بھی انجام دیتے تھے، اطراف کے گاؤں میں کہیں جھگڑا ہوتا خواہ دو شخصوں کا انفرادی ہو یا دو جماعتوں کا تو مفتی صاحب بیچ میں پڑ کر صلح کرانے اور اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتے، بہت سے واقعات میں کامیاب بھی ہوگئے، اور دو متصادم جماعتوں کو تباہی سے بچالیا'' (تاریخ جامعہ ص ۲۸۴)

حضرت مفتی بسم اللہ صاحب کے وصال کے بعد ماہنامہ ''الِاصلاح'' کا گجراتی شمارہ ان کی خدمات اجاگر کرنے کے لئے منظرِ عام پر لایا گیا، اس میں بھی مفتی صاحب کی اصلاحِ ذات البین کی مساعیٔ جمیلہ کو تفصیل سے دور دراز دیہات کے نام بہ نام بیان کیا گیا ہے۔

ایسے ہی حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم نے بھی مسلمانوں

کے آپسی تنازعات کے بہترین فیصلے صادر فرمائے ہیں، سابق مفتیانِ کرام اپنے اپنے طور پر دینی فرضِ منصبی کے طور پر یہ فیصلے کرتے تھے، باقاعدہ اس کا کوئی پلیٹ فارم یا شعبہ قائم نہیں تھا۔

محکمۂ شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم نے تنازعات کے فیصلے کئے جو دارالإفتاء کے ریکارڈ میں موجود ہیں، اس سلسلہ میں کبھی کبھار قرب وجوار کی بستیوں میں جانے کی نوبت بھی آتی، وہاں جا کر فریقین کے بیانات سنتے، صلح پر آمادہ کرتے۔

ایک مرتبہ اہلِ ثروت کے مابین پیش آمدہ وراثت کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے کے لئے حضرت مفتی صاحب اور حضرت مفتی عباس صاحب مدظلہما نے بمبئی کا سفر کیا، وہاں جا کر زبانی بیانات لئے، کئی ماہ تک یہ مقدمہ چلا، اس مقدمہ کا ایک جزء حل نہ ہو رہا تھا، اپنے استاذ محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کی طرف رجوع فرمایا، انہوں نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس سے مقدمہ کی ساری گتھیاں سلجھ گئیں، فیصلہ کے دن فریقین کو جمع کیا اور باقاعدہ خطبہ پڑھ کر تحریری شکل میں فیصلہ سنایا، بندہ اس مجلس میں موجود تھا، اس میں آیتِ کریمہ ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم﴾ الآية تلاوت فرما کر مطلب سمجھایا، اور حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کا ایک قیمتی ملفوظ سنایا کہ شرعی فیصلہ پر راضی ہونے پر فریقین کامیاب ہیں، فیصلہ جس کے موافق پڑا اس فریق کو اپنا مقصود حاصل ہوا، اور فیصلہ جس کے خلاف پڑا وہ اس لئے کامیاب ہوا کہ اس نے حکمِ شرعی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، پھر تحریری فیصلہ ان کے حوالہ کیا۔

مفتی صاحب نے چھوٹے بڑے جن مقدمات کے فیصلے صادر فرمائے ان کی تعداد ۴۸ ہے، وہ مقدمات جن میں فریقین میں سے کسی کی عدمِ حاضری سے کارروائی رک

گئی، یا انہوں نے کارروائی کے درمیان اپنے طور پر صلح کرلی، یا کسی اور وجہ سے ان کا مقدمہ خارج کردیا گیا ایسے ناقص مقدمات کی تعداد تو بہت ہے، جن کو ۴۸ میں شامل نہیں کیا گیا۔

دارالافتاء کے نائب مفتی حضرت مفتی عباس بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دہلی سے جمعیت علمائے ہند دہلی کے دفتر امارتِ شرعیہ کی طرف سے جہاں جہاں محکمۂ شرعیہ قائم ہے وہاں جانچ وتفتیش کے لئے ایک وفد بھیجا گیا تا کہ کارروائی کی نوعیت اور اس سلسلہ کی معلومات حاصل کریں۔

انہوں نے پورے گجرات میں جہاں جہاں محکموں کا قیام ہے ان تمام جگہوں کا دورہ کرلیا، اخیر میں یہاں ڈابھیل تشریف لائے، حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے مجھے اطلاع دی ہم نے یہاں کی کارروائی سنائی اور جو مقدمات فیصل ہو چکے تھے ان کی تعداد بتلائی تو اس پر اس وفد کا کہنا تھا کہ: ''پورے گجرات میں جہاں جہاں جمعیت علمائے ہند کی طرف سے محکمۂ شرعیہ قائم کیا گیا ہے ان تمام میں سب سے زیادہ تعداد ڈابھیل کے فیصلوں کی ہے''۔

بعد میں فتاوی کے ساتھ ساتھ آئے دن مقدمات کی تعداد بڑھنے لگی، دوسری طرف مفتی صاحب کی مشغولیت اور دینی اسفار نے زور پکڑا تو آپ نے قضاء کے لئے ایک مستقل آدمی کی ضرورت محسوس فرمائی، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی توجہ اس کی طرف مبذول فرمائی، حضرت مہتمم صاحب نے شوری میں بات رکھی جو منظور کی گئی۔

مشورہ کے بعد اسی دارالافتاء سے اِفتاء کا کورس مکمل کرنے والے مفتی حفظ الرحمٰن صاحب سملکی سلمہ کو قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کے قائم کردہ ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پٹنہ، بہار'' میں تربیت کے لئے بھیجا، خود حضرت مفتی صاحب نے وہاں کے ذمہ داروں سے بذریعۂ فون رابطہ قائم فرمایا، اور خط بھی لکھا تھا، جامعہ کے شیخ الحدیث

حضرت مولانا اکرام علی صاحبؒ نے بھی ذمہ داروں کے نام خط تحریر فرمایا تھا، جس کی وجہ سے وہاں داخلہ آسان ہو گیا اور ان حضرات نے ان بزرگوں کے لحاظ میں اکرام وشفقت کا معاملہ فرمایا۔فجزاھم اللہ خیراً.

حضرت مفتی صاحب کا گرامی نامہ بنام حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب

باسمہ سبحانہ وتعالی

مخدوم مکرم ومحترم حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم (امیرِ شریعت بہار واڑیسہ) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں، ہمارے یہاں دارالِافتاء کے ماتحت دارالقضاء (محکمۂ شرعیہ) کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے، دارالقضاء کا کام دن بہ دن پھیلتا جارہا ہے، اوراس میں فیصلہ کے لئے آنے والے مقدمات ومعاملات کی تعداد بڑھتی دیکھ کر جامعہ کی شوری نے اس کام کے لئے مستقل آدمی کی تقرری منظور فرمائی (اب تک یہ کام دارالِافتاء کے ذمہ دار حضرات ہی ضمناً انجام دیتے رہے) چنانچہ دارالِافتاء سے نو فارغ التحصیل مولوی مفتی حفظ الرحمٰن سلمہ کی تقرری عمل میں آئی، ان کو قضاء کی عملی تربیت حاصل ہو اس غرض سے مناسب معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں امارتِ شرعیہ کے صدر مقام پر بھیجا جائے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں مؤرخہ ۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۱/ مارچ ۲۰۰۱ء کو بذریعۂ فون حضرت والا سے رابطہ قائم کر کے ان کو وہاں بھیجنے کی اجازت طلب کی گئی جو حضرت والا نے عنایت فرمائی اور ۱۵/محرم کو بھیجنے کے لئے ارشاد فرمادیا، اور وہاں پر تین ماہ قیام کے لئے اجازت مرحمت فرمائی، اسی گفتگو کی بنیاد پر مولوی مفتی حفظ الرحمٰن سلمہ اس عریضہ کے ساتھ حاضرِ خدمت ہو رہے ہیں، امید ہے کہ خصوصی توجہ ان کی عملی تربیت کی

طرف مبذول فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالی جناب عالی کے سایۂ عاطفت کو تا دیر صحت وقوت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے۔ فقط والسلام۔

العبد: احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

"المعهد العالی" نظامِ قضاء کو عملی طور پر سیکھنے کے لئے بہترین تربیتی ادارہ ہے، پورے ملک سے طلبہ آتے ہیں اور فیض یاب ہو کر واپس جاتے ہیں، حالانکہ عام طور پر بہار کی طرف دوسرے علاقہ کے طلباء کا رخ کم ہوتا ہے، مفتی حفظ الرحمٰن صاحب نے مقدمات کی کارروائیوں کو وہاں سیکھا، اس کے بعد دارالإفتاء میں اسی کام کے لئے ان کا تقرر کیا گیا۔

یہ واقعہ ۱۴۲۲ھ کا ہے اس کے بعد سے مفتی حفظ الرحمٰن صاحب اور استاذِ محترم مفتی عباس بسم اللہ صاحب از اول تا آخر مقدمات کی تمام کارروائی انجام دیتے ہیں، اشد ضرورت اور سنگین حالات میں مفتی صاحب بھی ہاتھ بٹاتے ہیں۔

علمی کاوشیں

مفتی صاحب کو جہاں اللہ تعالی نے تفقہ فی الدین کی دولت سے مالا مال فرمایا وہاں سیال قلم اور تحریری صلاحیت سے بھی نوازا ہے، اگرچہ آپ خود ہمیشہ یہی کہتے اور لکھتے رہے کہ "مجھے مضمون نگاری نہیں آتی"، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی تحریر خالص عالمانہ ومحققانہ اور لب ولباب کی حیثیت کی حامل ہوتی ہے جیسا کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بارہویں اجلاس کے سلسلہ میں "خطبۂ استقبالیہ" کے متعلق حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کی تحریر میں گزر چکا۔

(۱): آپ کے مضامین میں سب سے پہلے ماہنامہ "انسان" گجراتی میں آپ

کے مضامین طبع ہوئے، راندیر سے منشی ابراہیم بیکار صاحب ''انسان'' نامی رسالہ نکالتے تھے، اس میں متعدد مضامین ہوتے، ایک کالم ہوتا یعنی قرآنی تعلیم، پہلے یہ کالم مولانا عبد الرحیم صادق صاحب راندیری تحریر فرماتے تھے، ان کے انتقال کے بعد منشی بیکار صاحب کی فرمائش پر مفتی صاحب نے یہ کالم سنبھالا، چنانچہ ''انسان'' کے کئی شماروں میں یہ مضمون طبع ہوا ہے، قرآنی تعلیم عنوان کے ذیل میں قرآن شریف کی کوئی آیتِ کریمہ منتخب کر کے گجراتی میں ترجمہ اور خلاصہ لکھا جاتا۔

(۲): ''تربیة الاولاد فی الاسلام'' کا ترجمہ

سورت سے ماہنامہ ''حیات'' گجراتی زبان میں شائع ہوتا تھا اس میں ایک کالم ''اسلامی تعلیم'' ہوتا، یہ کالم مولانا علی احمد خانپوریؒ (م ۱۹۸۹ء) لکھا کرتے تھے، ان کے انتقال کے بعد مئی ۱۹۸۹ء مطابق ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ سے حضرت مفتی صاحب نے یہ کالم لکھنا شروع فرمایا، شروع کے چند ماہ مفتی صاحب نے متفرق مضامین تحریر فرمائے، بعد میں اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ربیع الاول ۱۴۱۰ھ سے شیخ عبد اللہ ناصح علوان کی کتاب ''تربیة الاولاد فی الاسلام'' کا ترجمہ گجراتی زبان میں قسط وار شروع فرمایا، غالبًا ایک زمانہ تک براہِ راست اصل عربی کتاب سے ترجمہ کرتے رہے بعد میں مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ ''اسلام اور تربیتِ اولاد'' (از ڈاکٹر حبیب اللہ مختار جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی) ہاتھ لگا تو اسی سے ترجمہ کرتے تھے، یہ سلسلہ قریب تین سال تک جاری رہا، اسلام اور تربیتِ اولاد جلد اول/ ۴۵۶ ''مذاق کے آداب'' تک ترجمہ شائع ہوا، بعد میں ماہنامہ ''حیات'' نے دم توڑ دیا تو یہ سلسلہ ختم ہوا۔

یہ سلسلہ دوبارہ ماہنامہ ''البلاغ'' گجراتی جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں جنوری

۲۰۰۳ء سے مفتی فرید احمد صاحب کاوی زید مجدہم نے شروع کر رکھا ہے، مفتی صاحب کے ترجمہ کا پہلا حصہ کتابی شکل میں کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔

(۳): مشاہدہ

۱۹۸۶ء میں مشہور خطیب مولانا سید عبدالمجید ندیم صاحب مدظلہم (ناظمِ اعلیٰ مجلسِ تحفظ حقوق اہلِ سنت والجماعت پاکستان) کو جامعہ ڈابھیل نے مدعو کیا تھا، کئی روز جامعہ میں قیام رہا، قرب وجوار میں بیانات بھی خوب رہے، ان کے اس دورے کی تفصیل ''مشاہدات'' کے نام سے حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمائی ہے۔

(۴): مبادیات حدیث علیٰ نہج مقدمۃ مشکوٰۃ المصابیح

۱۳۹۴ھ میں پہلی مرتبہ مشکوٰۃ شریف کا درس دیا، اس وقت فنِ حدیث اور کتاب مشکوٰۃ سے متعلق ضروری اور اہم امور اپنی سہولت اور طلبہ کی افادہ کے خاطر نوٹ کئے تھے، یہ تحریر طلبہ میں بہت مقبول ہوئی، بہت سوں نے اس کو نقل کیا۔

۱۹۹۵ء میں مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب زید مجدہم (استاذِ عربی جامعہ ڈابھیل) نے مفتی صاحب کی اجازت سے کچھ اضافہ اور ترتیب دے کر ''مبادیاتِ حدیث'' کے نام سے شائع کر دیا، اس میں مختلف حیثیتوں سے نقص وسقم تھا۔

۱۴۲۴ھ میں رفیقِ محترم مولانا مرغوب احمد لاجپوری زید مجدہم (مقیم ڈیوزبری، برطانیہ) نے ترتیب جدید تحقیق وحواشی کے ساتھ ''مبادیات حدیث علیٰ نہج مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح'' کے نام سے مہذب فرمایا، جو جامعۃ القراءات کفلیتہ سورت سے ۱۴۲۷ھ میں شائع ہوا۔

(۵): فتاویٰ رحیمیہ کا ترجمہ

حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کے فتاوی جو گجراتی ماہنامہ ''پیغام'' میں شائع ہوتے تھے ان فتاوی کی جلد اول ودوم کو گجراتی سے اردو زبان میں جن حضرات نے منتقل کیا ان کے نام یہ ہیں: مولانا نور محمد پٹیل صاحب ہتھورنی، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری، مولانا ولی احمد سیتپونی، مذکورہ ترجمہ پر مبصر نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''گجراتی سے اردو ترجمہ خود مفتی صاحب کا نہیں ہے بعض دوسرے حضرات نے کیا ہے اور وہ خود بھی بے حد قابلِ تحسین ہے، کہیں سے ترجمہ پن ظاہر نہیں ہوتا'' (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ماہ مارچ ۱۹۷۰ء)

(۶) تسہیل السراجی

جامعہ ڈابھیل میں فنِ فرائض کی مشہور کتاب ''سراجی'' کا سبق ہدایہ اول کے گھنٹہ میں رکھنے کا دستور رہا ہے، سراجی کے لئے مستقل گھنٹہ نہیں ہے۔

۱۴۱۹ھ میں ہدایہ اول کی تدریس کی ذمہ داری راقم الحروف کے سر ڈالی گئی، اس سے پہلے کنز الدقائق اور شرح وقایہ پڑھا چکا تھا اس لئے ہدایہ کی تدریس تو قبول کر لی لیکن سراجی پڑھانے کی ہمت نہیں ہوئی، میری خواہش تھی کہ کم از کم ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب سے پڑھ لوں؛ چنانچہ ۱۴۱۹ھ میں حضرت نے سراجی کا درس دیا اس سال سراجی پڑھنے والے طلبہ میں مفتی طیب بھڑکودروی سلمہ (صاحب زادہ مولانا موسی بھڑکودروی مد ظلہ ناظمِ کتب خانہ جامعہ) بھی تھے، انہوں نے مفتی صاحب مدظلہ کے درس کو کیسٹ میں نہایت ہی اہتمام سے ضبط کر لیا تھا، بعد میں انہی کیسٹوں کو تحریری شکل دے کر جامعہ کے فعال استاذ مولانا مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہ نے مرتب فرما کر کتابی شکل میں ''تسہیل السراجی'' کے نام سے شائع فرمایا۔ فجزاھما اللہ احسن الجزاء۔

''تسہیل السراجی'' کو حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے پسند فرمایا ہے۔

(۷): حدیث کے اصلاحی مضامین (جلد اول تا ثالث)

سیدی ومولائی فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی ۱۴۱۷ھ میں وفات ہوئی، ان کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت فقیہ الامت کے سورت میں مقیم معتقدین ومنتسبین بالخصوص مولانا محمد علی منیار صاحب دامت برکاتہم (خلیفۂ مجاز حضرت فقیہ الامتؒ) کا تقاضہ اور اصرار ہوا کہ ہفتہ میں کسی ایک دن مفتی صاحب کی مجلس قائم کی جائے، کچھ عرصہ تک مفتی صاحب اپنی افتادِ طبع کی بناء پر اس کو عملی جامہ پہنانے میں متردد رہے، اسی دوران حضرت اقدس قاری سید صدیق احمد باندوی نور اللہ مرقدہ (م ۱۴۱۷ھ) کی تشریف آوری ہوئی، حضرت مفتی صاحب حضرت باندویؒ کو اپنے شیخ کے قائم مقام سمجھتے تھے، اسی بناء پر احباب کی مذکورہ خواہش اور اصرار کا تذکرہ بغرضِ استصواب حضرت باندویؒ سے کیا، حضرت باندویؒ نے تاکید فرمائی کہ یہ سلسلہ ضرور شروع کیا جائے۔

چنانچہ شبِ یکشنبہ کو اس مجلس کے لئے تجویز کرتے ہوئے مسجدِ ابرار (شالیمار سوسائٹی سورت) میں مجلس منعقد ہونا طے پایا، جس کی ترتیب یہ رکھی گئی کہ مغرب کی نماز وہاں ادا ہو اور بعد نمازِ مغرب تا عشاء مجلسِ ذکر اور عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا درس ہو اور اس کے لئے حدیث کی مشہور کتاب ''ریاض الصالحین'' کا انتخاب عمل میں آیا، چنانچہ سب سے پہلی مجلس ۱۴/ستمبر ۱۹۹۶ء کو ہوئی، رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ شرکت کرنے والوں کے لئے مسجدِ ابرار کا دامن تنگ پڑنے لگا، بالآخر اس مجلس کو مسجد انوار (نشاط سوسائٹی سورت) میں منتقل کرنا پڑا۔

اس ہفتہ واری مجلس میں عوام وخواص کے باذوق شائقین حصہ لیتے ہیں، احسان وسلوک کے شیدائیوں کے لئے بھی خوشہ چینی کا اچھا موقع ہوتا ہے، ذکر کی مجلس میں بیعت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، سلوک طے کرنے والے احوال پیش کر کے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، مجلس کے اختتام پر پیش آمدہ فقہی سوالات کے جوابات سے سامعین محظوظ ہوتے ہیں، گویا حدیثِ پاک کے درس کے عنوان سے سالکین، شائقین کو اپنے حوصلہ کے مطابق دامن بھرنے کا موقع میسر آتا ہے۔

سورت کی اس مجلس کی برکت سے لوگوں میں اہل اللہ کی طرف رجوع ہونے کا شوق پیدا ہوا، بیعت اور اپنی اصلاح کی اہمیت پیدا ہوئی، کئی لوگ اہل اللہ سے اپنا تعلق قائم کر کے باطنی تلقین وتربیت سے فیضیاب ہوئے اور مراد کو پہنچے، لوگوں کے عقائد، معاملات، اور معاشرتی مسائل کی اصلاح ہوئی، مجلس کی تقریر مستورات اپنے اپنے گھروں میں سن سکیں اس کا انتظام کیا گیا ہے، اس لیے عورتوں میں بھی اتباع سنت کا شوق پیدا ہوا، امور خانہ داری میں مسائل شرعیہ کا لحاظ، بچوں کی تربیت کا طریقہ وغیرہ وغیرہ امور میں اصلاح کی فکر پیدا ہوئی۔

اس مجلس میں وہ حضرات بھی شریک ہوتے ہیں جن کا مفتی صاحب سے بیعت و اصلاح کا تعلق ہے، عام لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، راندیر اور دیگر مدارس دینیہ کے علماء و طلباء بھی حاضری دیا کرتے ہیں، غرض دور دراز سے محض مجلس کی شرکت کی خاطر لوگ آتے ہیں، مسجد انوار میں بعد المغرب ذکر بالجہر کی مجلس ہوتی ہے، اس میں بھی لوگ شرکت کرتے ہیں اس مجلس کا عجیب سماں ہوتا ہے، اس وقت کسی نو وارد کا وہاں سے گزر ہو تو یہی محسوس کرے گا یہ کوئی خانقاہ ہے، بالفاظ دیگر اس وقت مسجد انوار صحیح معنی میں اپنے انوار

منتشر کرنے اور بکھیرنے میں مینارۂ نور معلوم ہوتی ہے۔

اہلِ سورت کے لیے یہ مجلس بڑی بابرکت اور پرکشش ہے، جن دنوں میں مفتی صاحب سفرِ حج یا کسی دور دراز سفر میں ہوتے ہیں، اس وقت اہل سورت کا شوقِ انتظار قابل دید بلکہ قابل رحم ہوتا ہے، مفتی صاحب مدظلہ کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ مجلس ناغہ نہ ہو، سفر کے نظام میں اس کا خاص اہتمام فرماتے ہیں۔

سنیچر کے دن اور اتوار کی رات کا انتخاب اہلِ شہر کی سہولت کے پیش نظر کیا گیا ہے، کہ عموماً اتوار کو کام کاج کی ذمہ داری ان پر کم ہوتی ہے، سرکاری ملازم کی چھٹی ہوتی ہے، اس لیے لوگ پرسکون اور حاضر دماغی سے دین کی بات سن سکیں۔

اس مجلس میں ہونے والے درسِ حدیث کو کیسٹ میں ضبط کرنے کا اہتمام دوسری مجلس ہی سے مولانا عبد المنان بن شیخ محمد منیار صاحب سلمہٗ وعافاہ نے کیا، جو نہایت ہی اہتمام سے ہر مجلس کو محفوظ کرتے رہے ہیں، بعد میں ان مجالس کو کیسٹ سے کاغذ پر بذریعۂ قلم اتار کر شائع کیا گیا، تادمِ تحریر اس کی تین جلدیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں:

پہلی جلد: اخلاصِ نیت، توبہ، صبر

دوسری جلد: صدق، مراقبہ، تقوی، یقین وتوکل، استقامت، مخلوقات میں غور و فکر، نیکی کی طرف لپکنا، مجاہدہ۔

تیسری جلد: میں پہلا مضمون ''اخیر عمر میں نیکیوں کی کثرت'' اور آخری موضوع قول اور عمل میں تضاد پر سخت سزا''

''حدیث کے اصلاحی مضامین'' پر بڑے بڑے علماء کی تقاریظ ہیں، ان میں صرف سید الفتاوی حضرت اقدس سید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ کی تقریظ کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

''دو آتشہ شراب اور سونے پر سہاگہ والی مثل مشہور ہے، اس درس پر جو آپ کے ہاتھوں میں ہے دونوں مثالیں پورے طور پر صادق آتی ہیں، درس حدیث کا ہو اور صاحبِ درس ایک صالح خدا ترس، پرہیز گار، وفا شعار، اور عالم باعمل انسان ہو، جس کی طبیعت میں سادگی ہو، فکرِ آخرت ہو، دنیا سے دوری ہو اور امت وملت کا درد ہو یعنی عزیزِ مکرم مولانا مفتی احمد خانپوری (سلمہ اللہ وزادہ علماً وعملاً) تو اس درس میں جتنی خوبیاں جمع ہوں قرینِ قیاس ہے۔

سورت میں ہونے والے اس درس کا افادہ کھلے طور پر محسوس کیا جا رہا ہے، مفتی صاحب کا طرزِ تفہیم بھی نرالا ہے کہ سامعین کی توجہ مکمل طور پر بیان ہونے والے مضمون پر مرکوز ہو جاتی ہے سامعین تھوڑی دیر کے لئے ماحول سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ احادیثِ طیبہ کے مضامین کو الہامی مثالوں اور اسلافِ عظام اور بزرگانِ ملت کے واقعات کی مدد سے خوب کھول کر مخاطبین کے سامنے پیش کرنا مفتی صاحب کی خصوصیت ہے، اندازِ بیان ایسا ہے کہ سننے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا ہے، بہت قوی امید ہے کہ اس کی اشاعت سے ان لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا جن تک پہنچے گی۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین جلد اول ۲۲)

(۸): مکتوبات فقیہ الامت بنام حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری (قسطِ رابع)

حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ میں حق تعالی نے جہاں اور بہت سے کمالات واوصاف ودیعت فرمائے تھے وہیں یہ شان خصوصیت کے ساتھ نمایاں طور پر آشکارا ہے کہ اپنے متوسلین ومتعلقین سے بے انتہا قلبی ربط اور تعلق رکھتے تھے، سالکین کے خطوط پر پوری توجہ رکھتے اور سفر وحضر میں نہایت ہی اہتمام کے ساتھ خط کے ہر ہر جزء کا جواب تحریر فرماتے یا اِملاء کرواتے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک پاکیزہ کڑی اور سلسلۂ سلوک کی سنہری لڑی مکتوبات

فقیہ الامت قسطِ رابع ہے جس میں ۱۴۲ گرامی نامے ہیں۔

۱۳۸۸ھ سے ۱۴۱۶ھ تک ۲۸/ برس کے طویل زمانہ پر محیط مرشد اور مسترشد کے مابین تعلقات کی عجیب و دل کش باتیں ہیں، اس مجموعہ کی مکتوب الیہ واحد شخصیت ہے، روحانی وسلوک کے مسائل کی عقدہ کشائی اور باطنی ترقیات میں گرامی ناموں کی مثال زینہ کی سی ہے، کہیں ادھر سے دیدار کا اشتیاق ہے تو کہیں اُدھر سے انتظار ہے، کہیں شکوہ ہے تو کہیں جوابِ شکوہ، کہیں دبے الفاظ میں تنبیہ ہے تو کہیں حوصلہ افزائی، ایک حیثیت سے مکتوبات کا یہ مجموعہ:

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم	۞	گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کا مصداق ہے، مکتوبات پر تشریحی نوٹ حضرت مفتی صاحب کے قلم سے ہے، اخیر کے چند مکتوبات پر راقم کی خامہ فرسائی، اس مجموعہ کی ترتیب کی سعادت بھی راقم کے حصہ میں آئی۔

(۹): خطبۂ استقبالیہ

گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد میں ۷/ ۸/ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بارہویں اجلاس کے لئے تحریر کیا گیا خطبہ، اس پر تبصرہ عنوان ''شرائط مفتی کا تحقق'' کے ذیل میں نمبر ۴ پر گزر چکا۔

(۱۰): مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحبؒ کی مقبولیت کا راز

۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندویؒ کے وصال کے بعد ڈیوز بری برطانیہ میں مولانا مرحوم کی یاد میں ایک عالمی سمپوزیم منعقد کیا گیا تھا، جس میں برطانیہ کے سربرآوردہ اہلِ علم کے علاوہ دیگر ممالک کے بہت سے اصحابِ فضل وکمال مندوبین بھی شریک ہوئے، حضرت مفتی صاحب بھی مدعو تھے، اس سمپوزیم میں آپ نے

شرکت فرمائی اور مولانا علی میاں صاحب کے بعض احوال پر مقالہ تحریر فرمایا، اربابِ دین و دانش کے لئے یقیناً چشم کشا مقالہ ہے، فرید بک ڈپو دہلی نے اس مقالہ کو طبع کیا ہے۔

(۱۱): رمضان المبارک کی تیاری

رمضان المبارک ظاہری و باطنی نعمتوں کے حصول کا سیزن ہے، مفتی صاحب خود بھی نہایت ہی اہتمام سے ماہِ مبارک کو وصول فرماتے ہیں، اپنے متعلقین کو بھی اہتمام سے گزارنے کی تاکید فرماتے ہیں، یہ رسالہ ایک مجلس کی تحریری شکل ہے، گجراتی اور اردو دونوں زبان میں دستیاب ہے۔

(۱۲): نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت

ریاض الصالحین کے اسباق کے سلسلہ کی ایک مجلس ہے، اسی موضوع پر دیگر بیانات کے ذریعہ سے دو چند اضافہ کرکے ۲۷ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے، اردو اور گجراتی زبان میں بار بار طبع ہوا، لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کے موضوع پر بڑی مفصل اور زریں ہدایات اور عبرت انگیز واقعات بیان کئے گئے ہیں، عوام اور سالکین کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔

(۱۳): بیعت ہونے والوں کو ہدایات

احمد آباد میں بیعت کے موضوع پر بیان فرمایا تھا، اسی کو ضبط کرکے اضافہ وترمیم کے بعد شائع کر دیا، اس میں بیعت کی حقیقت، حقوق اللہ، حقوق العباد اور معمولات کی پابندی کا اہتمام وغیرہ امور کو عام فہم انداز میں سمجھایا گیا ہے، بوقتِ بیعت یہ رسالہ دیا جاتا ہے، اردو، گجراتی دونوں زبانوں میں دستیاب ہے۔

(۱۴): سوانح مفتی بسم اللہ صاحب (گجراتی)

مفتیٔ اعظم گجرات، سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب (متوفی ۱۳۷۹ھ) قابلِ رشک حالات وخدماتِ دینیہ پر مشتمل مرقع ہے، ان کے وصال کے بعد ماہنامہ ''الاصلاح'' کا خصوصی نمبر شائع ہوا تھا، اس میں مفتی بسم اللہ صاحب کی خدمات وحالات پر مختلف اہلِ علم اور دانشورانِ قوم نے مضامین تحریر فرمائے تھے، ضرورت اس بات کی تھی کہ ان مضامین کو سوانحی جامہ پہنا کر مرتب کیا جائے، مفتی بسم اللہ صاحب کے فتاوی ''فتاوی سنگرہ'' کی ترتیبِ جدید کے موقع پر مفتی صاحب نے یہ فرمایا کہ ''مفتی بسم اللہ صاحب کا ہم پر حق ہے'' اسی حق کی ادائیگی میں ''الاصلاح'' کے مضامین سے منتخب مرقع تحریر فرمایا، جو ''فتاوی سنگرہ'' جلد اول کے شروع میں طبع ہوا ہے۔

(۱۵): مسلم پرسنل لاء (گجراتی)

احمد آباد میں ۷/ ۸/ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بارہواں اجلاس منعقد ہونے سے پہلے اہلِ گجرات کو مسلم پرسنل لاء کی اہمیت سے باخبر کرنے کے لئے بطورِ تعارف یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا، جامعہ فیضان القرآن احمد آباد سے طبع ہوا ہے۔

(۱۶): کاروباری مسائل اور ان کا شرعی حل (قسط اول، متعلقہ ہوٹل)

یہ مجموعہ معاملات کے مسائل جو دارالِافتاء چھاپی کی طرف سے پوچھے گئے تھے اس کی پہلی قسط ہے، اس میں ۹۰ مسائل شامل کئے گئے ہیں، حضرت مفتی صاحب کے تحریر فرمودہ ۲۴، اور باقی مسائل دیگر مفتیانِ کرام نے لکھے ہیں، کتبِ فتاوی وفقہ کی عبارتوں سے مدلل ومزین کیا گیا ہے، جس سے اس مجموعہ کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے، دارالعلوم چھاپی نے چھاپا ہے۔

(۱۷): دیگر رسائل

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد ان کی سوانحِ حیات پر گجراتی زبان میں طویل مضمون تحریر فرمایا ہے جو کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ ایسے ہی بعض سوالات کے طویل جوابات تحریر فرمائے جو اردو گجراتی زبان میں مستقل شائع ہوئے جیسے کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام، منگنی اور نکاح کے رسوم، شبِ زفاف منانے کا طریقہ، ایمان ختم کرنے والے گیت وغیرہ وغیرہ، یہ رسائل اردو و گجراتی فتاوی میں اپنے اپنے باب کے ذیل میں شامل کر لئے گئے ہیں۔

خدمات کی ایک اور نوع

اب تک جو گزرا یہ وہ علمی کاوشیں ہیں جن پر باقاعدہ حضرت مفتی صاحب کا نام درج ہے اور آپ ہی کی طرف وہ منسوب ہیں، کچھ علمی خدمات ایسی ہیں جو کسی اور کی طرف منسوب ہیں مگر اس میں آپ کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے، اہلِ علم تصنیف وتالیف کا مسودہ آپ کی خدمت میں نظرِ ثانی اور اطمینان حاصل کرنے کے لئے بھیجتے ہیں، آپ از اول تا آخر گہری نظر سے مطالعہ فرما کر حسبِ ضرورت ترمیم وتنسیخ کے بعد واپس کر دیتے ہیں، اس نوع کے بیسوں علمی مسودوں میں آپ کی خدمات منتشر ہیں، ایسے ہی ''فتاوی محمودیہ کی کئی جلدیں'' ''فتاوی رحیمیہ کی تمام جلدیں'' ''فتاوی عبدالغنی'' (کاوی) حضرت مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب کے فتاوی، مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب کے فتاوی ''فتاوی سنگرہ'' مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری کے فتاوی ''مرغوب الفتاوی'' (زیرِ ترتیب) اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

راقم الحروف کی مرتب کردہ فہارس: فہرستِ فتاوی رحیمیہ، فہرستِ فتاوی محمودیہ، فہرستِ کفایت المفتی، فہرستِ افادات فقیہ الامت آپ ہی کی زیرِ سر پرستی اور ہدایت سے تیار کی گئی ہیں۔

۲۰۰۵ء آپ کی سر پرستی میں بہت ہی اہم کام انجام پایا دعوت وتبلیغ کی چھ صفات سے متعلق حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی عربی کتاب ''منتخب احادیث'' (صفحات ۸۰۳) ترتیب وترجمہ از مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ کو گجراتی زبان میں منتقل کرنے کا کام جامعہ ڈابھیل کے فارغ مولانا خلیل صاحب بلساڑی نے انجام دیا، یہ ترجمہ حضرت مفتی صاحب کے زیر نگرانی ہوا، جس کی وجہ سے گجراتی تبلیغی احباب کے ہاتھ احادیثِ مبارکہ کا بڑا قیمتی ذخیرہ آ گیا، گجراتی ترجمہ ۱۰۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، نصیر بک ڈپو دہلی سے یہ ترجمہ شائع ہوا، اس پر نظام الدین دہلی سے اصل مترجم مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ کا گرامی نامہ بطورِ شکریہ حسبِ ذیل الفاظ میں آیا:

گرامی نامہ مولانا محمد سعد صاحب بنام مفتی صاحب

از مسجد بنگلہ والی بستی حضرت نظام الدینؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ۲۸/اپریل ۲۰۰۵ء

مکرمی محترمی حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کی ذات عالی سے امید رکھتا ہے بندہ کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے، حضرت والا کی اس ضعف وعلالت کے باوجود منتخب کے گجراتی ترجمہ کی سر پرستی اور نگرانی فرمانے پر بندہ انتہائی ممنون ومشکور؛ بلکہ بہت ہی مطمئن ہے کہ ترجمہ آپ جیسی شخصیتوں کی نگرانی سے

معتبر اور عندالجمیع معتمد ہو گیا، بڑوں کی چیز تھی اس لئے بڑے ہی اس کے ترجمہ کے اہل تھے۔

اللہ رب العزت آپ کو اس امانت کے حق کی ادائیگی کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، بندہ ہر دم اپنی دعاؤں میں انفرادی اجتماعی حضرت والا کی صحت اور قوت اور تا دیر سایۂ عاطفت بقاء کے لئے یاد کرتا رہتا ہے۔ والسلام بندۂ ناچیز محمد سعد عفی عنہ

سوانح حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کا مقدمہ

۱۴۱۸ھ میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کی وفات کے بعد مفتی صاحب حضرت مولانا مرحوم کے صاحب زادہ محترم مولانا محمد یونس صاحب کی خدمت میں بغرض تعزیت مرکزِ تبلیغ نظام الدین حاضر ہوئے، اس وقت درمیان گفتگو یہ بات بھی آئی کہ حضرت مولانا مرحوم کی سوانح وحالات ترتیب دے کر لوگوں کے سامنے پیش ہونے چاہئے، چنانچہ مفتی صاحب نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش فرمایا، سوانح کا تھوڑا بہت مواد مولانا محمد یونس صاحب نے دیا، باقی مواد اپنے مقام (ڈابھیل) آکر حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے، چونکہ تصنیفی کام یکسوئی اور مناسب ماحول چاہتا ہے، ڈابھیل میں رہتے ہوئے واردین کی کثرت کے سبب مشکل تھا اس لئے محض اس کام کے لئے سورت جناب حافظ ایوب صاحب منیار اور جناب الحاج اقبال صاحب کے گھر بذریعۂ کار صبح تشریف لے جاتے اور شام ڈابھیل واپس آجاتے، کئی روز تک یہ سلسلہ رہا، سوانح کے دو باب مکمل ہو چکے تھے، تیسرا باب چل رہا تھا اس دوران صاحب زادہ مولانا محمد یونس صاحب کی رائے بدلی اور ان کی خواہش ہوئی کہ سوانح کا کام مفتی صاحب کے بجائے مولانا مفتی محمد صاحب ڈینڈ رولوی (مؤلف مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں) انجام دیں تو زیادہ مناسب رہے گا، چنانچہ مولانا محمد یونس صاحب کی خواہش کے مطابق

مرتب اور غیر مرتب تمام معلوماتی مواد مولانا مفتی محمد صاحب کے فرستادہ حضرات کے حوالہ کر دیا اور ذرہ برابر ناراضگی ظاہر نہیں فرمائی، یہ بڑے حوصلہ کی بات ہے ورنہ ایک شخص کئی روز کام میں وقت کا قیمتی سرمایہ صرف کر چکا ہو اور اس کام کو بہتر سے بہتر انجام دینے کے لئے سرگرداں ہو اچانک اس سے وہ کام لے لینا اور اس پر اس کو ذرہ برابر گرانی کا نہ ہونا کم از کم عام اشخاص کی افتادِ طبع کے بس کی بات نہیں، زیرِ نظر سطور میں اس سوانح کا مقدمہ مفتی صاحب ہی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے: (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العٰلمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰله واصحابه وأتباعه إلی یوم الدین.

پچھلے دو ڈھائی برسوں میں ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ جن علمائے ربانیین، اولیائے کاملین، خادمانِ دینِ متین کی وفات اور اس دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت کے حوادث وواقعاتِ فاجعات سے گزری ان کا سلسلہ بڑا طویل اور غم واندوہ کی داستان ہے، ابھی ایک حادثہ کی خبر سن کر دل میں پیدا بے قراری کو قرار نہیں آتا، آنکھوں سے بہنے والا سیلِ رواں تھمنے نہیں پاتا، طبیعت کی بے کلی اور بے چینی دور نہیں ہوتی کہ اچانک کسی اور ہستی کی رحلت کی خبر آجاتی ہے، کسی ایک صدمہ سے ابھی سنبھل نہیں پاتے کہ دوسرا صدمہ آجاتا ہے، ہر جانے والا اپنے خداداد اوصاف وکمالات میں ایسا کامل و یگانہ ہوتا ہے کہ اس کی جگہ لینے والا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ملتِ اسلامیۂ ہندیہ کو اس کی ناقدری وناشکری کی سزا دینے کا ارادہ کرلیا ہو۔

محترم مولانا نور الحسن راشد صاحب زید مجدہم نے ہمارے غمزدہ دلوں اور پرنم

آنکھوں کی خوب ترجمانی کی ہے: ''قحط الرجال قحط الرجال امت ہمیشہ سے کہتی چلی آئی ہے مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ قحط الرجال کا اصل دور تو ہم محروموں کو دیکھنا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے پچاسوں کاملین اٹھ گئے، درجنوں مشائخِ کبار، اولیاء اللہ اور جلیل القدر علماء نے آخرت کے لئے پرواز کی، نہ جانے کتنے مدرسے بے بہار، اور کتنی خانقاہیں سونی ہوگئیں۔

لیکن حوادث کا سیلاب ہے کہ بہا چلا آرہا ہے، محرومی کی داستان ہے کہ دراز سے دراز تر ہوتی جاتی ہے، چراغ ہیں کہ بجھتے جارہے ہیں، محفلیں ہیں کہ ماند پڑ رہی ہیں، تاریکی ہے کہ بڑھتی جارہی ہے مگر جانے والے جارہے ہیں، خدایا رحم فرما! اور ہم محروم مجبور اور بے کس لوگوں کو ہماری نالائقی، کم استعدادی، کاہلی، اور کوتاہی کے باوجود ان بزرگوں کے سایہ وفیضان سے محروم نہ فرما۔

عارفین وکاملین یوں ہی رخصت ہوتے رہے تو (خدانخواستہ) ہندوستان میں ایمان وعرفان کا چمنستان نذرِ خزاں ہوجائے گا اور ان کی برکت سے رشد وہدایت کی جو پھوار برس رہی ہے اور اس سے جگہ جگہ خدمتِ دین کے جو گل بوٹے اگ رہے ہیں ان کی فصل پژمردہ وناتمام رہ جائے گی۔

لیکن نظامِ قدرت ہمارے ان خیالات وخواہشات کا پابند نہیں، وہاں سے جو فیصلے ہوتے ہیں وہی برحق ہیں، امت کا جو بھی جس قدر نقصان (ظاہری طور پر) ہو لیکن راضی برضا رہنا ہی اصل ایمان ہے، اس لئے ان حوادث پر ان سب بزرگوں کی ارواحِ پاک کے لئے صد ہزار دعائے مغفرت ورحمت۔ یغفر اللہ لنا ولکم ویرحمنا اللہ وایاکم کے بعد بارگاہِ الٰہی میں یہی التجاء ہے کہ وہ اپنے کرم سے اس نقصانِ عظیم کی غیب سے تلافی فرمائے اور امتِ مرحومہ کو ان اکابرین اور خادمانِ دین وملت کا بہترین بدل

عطا ہو، آمین یارب العالمین۔ (سہ ماہی احوال وآثار، اشاعتِ خاص ۲۲،۲۳)

امتِ مسلمہ کو داغِ مفارقت دینے والے ان ممتاز ترین اور مایۂ ناز افراد میں سے داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ہے مؤرخہ ۱۳/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۱/مئی ۱۹۹۷ء یومِ چہار شنبہ کو آپ نے وفات پائی، صاحب زادگان خصوصاً مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہ اور اکابرینِ مرکز تبلیغ کی خدمت میں تعزیت پیش کرنے کی غرض سے حاضری کی نیت اسی وقت کر لی البتہ مہلت کا انتظار تھا۔

چنانچہ ہمارے یہاں درمیانِ ربیع الاول ششماہی امتحان ہوتا ہے اور اس کے بعد اواخر ماہ میں آٹھ یوم کی تعطیل ہوتی ہے اب کی مرتبہ اس تعطیل کے ایام میں ہتورا اور دہلی کے سفر کا نظام بنالیا، امتحانِ ششماہی سے فراغت پر جب تعطیل ہوئی تو براہِ بمبئی پہلے ہتورا (ضلع باندہ) عارف باللہ جنیدِ وقت حضرت مولانا قاری سید صدیق صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی (افسوس کہ آپ کی خدمتِ اقدس میں وہی آخری حاضری ثابت ہوئی) وہاں تین یوم قیام کیا، حضرت قاری صاحب نے خوب شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا اس وقت وہم وگمان اور حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ محبت وشفقت کے دریا سے دوبارہ پیاس بجھانے اور سیرابی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا اور اس ابرِ نیساں کے ہمارے حصہ میں آنے والے یہ آخری قطرات ہیں۔ (اللهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله وبرّد مضجعه)

ہتورا سے واپسی طے شدہ پروگرام کے مطابق براہِ دہلی ہوئی، اب کی بار دہلی کی اس حاضری میں پہلے سے نیت حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کی تعزیت کی تھی، اس لئے حضرت نظام الدین اسٹیشن اتر کر سیدھے بنگلہ والی مسجد پہنچے، وہاں کے دوروزہ قیام میں حضرات اکابر سے ملاقات ہوئی۔

صاحب زادۂ محترم مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہ کی خدمت میں بھی بغرضِ تعزیت وملاقات حاضر ہوا، اس موقع پر ان سے یہ عرض کیا کہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے حالاتِ زندگی اور آپ کے بیانات وغیرہ مرتب ومطبوع ہوکر آجائیں تو لوگوں کو اِن شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا آپ یہ کام انجام دیدیں، انہوں نے اس کام سے اپنی معذوری ظاہر فرما کر یہ تمنا ظاہر فرمائی کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ تیار ہوجائے تو ہم معلومات وغیرہ کی فراہمی میں تعاون کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ یہ خدمت اس ناکارہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہو اس لئے میری زبان سے یہ نکلا کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ کام میں کروں گا، حالانکہ اس گفتگو سے پہلے ایسا کوئی خیال بھی دل میں نہیں تھا، اس اظہارِ آمادگی کے وقت یہ خیال آیا کہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ جیسی معروف شخصیت کے حالاتِ زندگی کی ترتیب کے لئے مواد تو اِنشاء اللہ تعالیٰ بہ سہولت فراہم ہوجاوے گا۔

چنانچہ محترم مولانا محمد یونس صاحب نے اس پر اپنی مسرت کا اظہار فرمانے کے ساتھ اپنے بھائیوں کو بلا کر ان سے بھی استصواب کرلیا، اسی مجلس میں انہوں نے حضرت مولاناؒ کی ایک ڈائری جس میں حضرت مرحوم نے اپنے اسفارِ غیر ملکی کی تاریخوں کے ساتھ اپنی زندگی کے بعض حالات کی تاریخیں نوٹ فرمائی ہیں مجھے تھمادی، ساتھ ہی حضرت مولاناؒ کے بعض بیانات جو کتابچوں کی صورت میں اب تک شائع ہوچکے ہیں عنایت فرمائے۔

چونکہ اس وقت میں یہ بھی کہہ چکا تھا کہ ابھی جاکر تو فوری طور پر یہ کام شروع نہ کرسکوں گا کہ مدرسہ میں خاص تعلیم وتدریس کے دن یہی ہوتے ہیں، البتہ امتحانِ سالانہ سے فارغ ہوکر تعطیلات میں اِنشاء اللہ یہ کام کروں گا۔

خیال تھا کہ وہاں تک معتد بہ مواد بھی فراہم ہوجاوے گا اور کام میں آسانی ہوگی،

اسی درمیان میرے مشفق ومہربان، مخدوم معظم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم (صاحب زادہ وجانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ العزیز) نے تو بذریعۂ گرامی نامہ احقر کو خصوصی تاکید فرمائی کہ ابھی سے کام شروع کردے مگر میں سبق کا بہانہ پیش کرتا رہا۔

اب جبکہ امتحانِ سالانہ ختم ہوکر تعطیلات شروع ہوچکیں اور میں حسبِ وعدہ اس کام کے لئے اپنے عزم کی تجدید وتصمیم کرنے لگا، اور اپنے پاس موجود مواد کو دیکھا تو اس میں حضرت مولاناؒ کے خادمِ خاص مولانا عبدالسلام پونوی صاحب کے ترتیب دادہ کتابچہ کے علاوہ مزید کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، محترم مولانا محمد یونس صاحب نے بھی جدید ومزید معلومات پر مشتمل کوئی چیز نہیں بھیجی۔

اب میں حیران ہوں کہ یا اللہ! یہ کام کیسے ہوسکے گا؟ معاً دل میں خیال آیا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی آپ بیتی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح میں بھی کچھ مل سکتا ہے، جس روز کام لے کر بیٹھا اس روز محترم مولانا نور الحسن راشد صاحب زید مجدہم کی ترتیب دادہ سہ ماہی احوال وآثار کاندھلہ کی اشاعتِ خاص بھی محترم الحاج شیخ محمود صاحب کے پاس سے مل گئی، مولانا مرحوم کے خاندان ووطن سے متعلق کے معلومات کا بڑا حصہ سوانحِ نذیری سے اور کچھ عزیز مکرم مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب بارک اللہ فی علومہ کے ایک مضمون شائع شدہ اذانِ بلال سے حاصل ہوا اور اس طرح کام شروع کر ہی دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بعافیت وسہولت اور بخیر وخوبی پایۂ تکمیل تک پہچانے کی سعادت وتوفیق وہمت عطا فرمائے، اور صاحبِ تذکرہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے اخلاص وخدمات کی برکت سے اس میں قبولیت وبرکت ڈال دے۔ (آمین یارب العالمین)

یہ اعتراف بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے تصنیف وتالیف اور سیرت وسوانح نگاری کا نہ تجربہ ہے نہ سلیقہ، آج تک چھوٹا بڑا ایک رسالہ بھی نہیں لکھا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ اس وادیٔ سنگلاخ میں قدم رکھا ہے، اس لئے اس تذکرہ میں جتنی بھی اغلاط اور فروگذاشتیں نظر آئیں وہ کم ہیں، جہالت ونا تجربہ کاری کے پیشِ نظر متوقع بلکہ یقینی ہیں، ناظرینِ کرام سے درخواست ہے کہ توجہ والتفات اور محبت وشفقت سے اس کی نشاندہی واصلاح واطلاع فرما کر اپنی عالی حوصلگی اور خوردنوازی کا ثبوت دیں۔

اس کام کے لئے مجھے سب سے زیادہ حوصلہ جو ملا ہے وہ مخدوم معظم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم کے گرامی ناموں اور زبانی تاکید وترغیب سے کہ آں مخدوم برابر یاددہانی فرماتے رہے، یہ آپ کی توجہِ خصوصی کا اثر ہے کہ میں نے یہ کام شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ آں مخدوم کو اس کی بہترین جزائے خیر دارین میں عطا فرما کر آپ کے فیوض وبرکات کو عام وتام فرما کر مراتبِ عالیہ پر فائز فرمائے۔ (آمین)

چند مخلص احباب کی عنایت وتعاون کا تذکرہ ضروری ہے، مولانا اسماعیل ادا صاحب سارودی، مولوی محمد طاہر صاحب سورتی، مولوی سعید اکبر صاحب کریم نگری نے مضامین کی نقل وتصحیح میں اور جناب حافظ ایوب صاحب وجناب الحاج اقبال صاحب نے یکسوئی کا ماحول فراہم کرنے میں مدد فرمائی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدارین.

العبد احمد خانپوری عفی عنہ، مؤرخہ: ۲۳/ شعبان المعظم یوم چہارشنبہ ۱۴۱۸ھ

اعتذار از مرتب

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے فتاویٰ پیش کرنے سے بطور تمہید صاحبِ فتاویٰ کا تعارف کرنے کے ارادہ سے مقدمہ لکھنا شروع کیا تھا جو کافی طویل ہو چکا، مستقل

سوانح نگاری مقصود نہیں اور نہ مجھ میں اس کی اہلیت ہے، کہاں حضرت مفتی صاحب کے اوصافِ عالیہ اور کمالات اور کہاں یہ لکیر کا فقیر۔

مفتی صاحب کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے خود حضرت فقیہ الامتؒ کے ''اخص الخواص'' میں شمار کیا ہے، نیز حضرت فقیہ الامتؒ نے اپنے متعلقین کے مکتوبات میں مجمع الحسنات والبرکات، جامع الکمالات، جامع الاخلاق والاعمال، مجمع الحسنات الظاہرہ والباطنہ کے القاب صرف اور صرف مفتی صاحب کے نام والے مکتوبات میں تحریر فرمائے ہیں، ایسے کمالات کی حامل شخصیت کی سوانح نگاری کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے یہ عاجز ان سب سے تہی دست ہے:

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید	لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

بایں ہمہ مفتی صاحب کی تعلیم و تعلم مدرسہ کی زندگی کی خدمات قارئین کی خدمت میں پیش کردی گئیں جس کو سوانح کا ایک حصہ ہی کہا جا سکتا ہے بقول کسے:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے	سفینہ چاہئے اس بحرِ بےکراں کے واسطے

زندگی باقی رہی تو سوانح کے باقی حصوں کو کسی اور جگہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور حضرت مفتی صاحب سے زیادہ سے زیادہ مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے، ان کی عمر میں صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم. آمين بحرمة سيد المرسلين صلى الله تعالى عليه وآله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

احقر العبد عبد القیوم راجکوٹی

معین مفتی دار الافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک گجرات

۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۴/ اپریل ۲۰۰۹ء

كتاب العقائد

عذابِ قبر برحق ہے

بخدمتِ عالی جناب مفتی صاحب دامت برکاتھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت میں یہ ہے کہ ایک کتاب ’’شمع حقیقت‘‘ چھپی ہے جس میں عقائد کے متعلق مختلف مضامین ہیں، ان مضامین میں سے ایک مضمون ’’عذاب قبر‘‘ پر ہے، جس کی ایک زیراکس کاپی ارسالِ خدمت ہے۔

بعض باتیں عام روایات کے خلاف معلوم ہوتی ہیں و نیز ترمذی شریف میں ان روایات کے تعلق سے حسن یا غریب کہا گیا ہے؛ لہذا ازراہِ کرم کتاب پر صحیح رہنمائی فرمائیں۔

تاریخ ۴/۱۲/۱۹۹۰ھ

شمعِ حقیقت کا مضمون ’’عذاب قبر‘‘

قیامت سے پہلے اور قبر کے اندر جزا وسزا کا تصور غیر اسلامی ہے، مرنے کے بعد انسان مردہ ہے اور قیامت تک مردہ رہے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مردوں کو اٹھائے گا میدانِ حشر میں جمع کرے گا، اور حساب لے گا، پھر فیصلہ ہوگا کہ جنتی ہے یا دوزخی۔

کافر اس پر ایمان نہ لاتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی نصیب ہوگی، وہ دریافت کرتے تھے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

’’جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے‘‘

اس جواب سے واضح ہوگیا کہ انسان کو دو زندگیاں عطا کی گئی ہیں، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبر میں کوئی مردہ زندہ نہیں ہوتا، اگر قبر میں مردہ زندہ ہو اس پر عذابِ قبر ہوتا رہے یا قبر میں ثواب وراحت کا یقین کرلیا جائے تو قیامت کے دن زندہ کرنے کا وعدہ

غلط ہو جائے گا، پھر حساب و کتاب کس بات کا ہوگا، یہ اللہ تعالیٰ کے انصاف سے بعید ہے کہ قبر میں بغیر حساب کتاب کے عذاب دے۔

آیاتِ حج ۲۲، ۰۷ اور مومنون ۲۳، ۱۵، ۱۶ سے واضح ہے کہ انسان کو دو زندگیاں دی گئی ہیں: دنیا کی زندگی، اور آخرت کی زندگی؛ پھر قبر کی زندگی کے کیا معنی؟

ہمارے بزرگ اس بات کو جزوِ ایمان بنائے ہوئے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قبر میں سوال وجواب ہوگا یعنی منکر نکیر سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ وغیرہ۔

یہ عذابِ قبر کے قائل ہیں، عذابِ قبر میں تخفیف کرنے کے لیے زیارت، دسواں، چالیسواں کیا جاتا ہے اور ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور فاتحہ پڑھا جاتا ہے، قبر پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔

''قرآن مجید'' میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اسی مٹی سے ہم نے تمھیں پیدا کیا، اسی میں ملادیں گے اور پھر اسی سے تمھیں اٹھائیں گے''۔ (طہ ۲۰، ۵۵)

اس سے واضح ہوا کہ مردے کا مٹی میں مل کر مٹی ہو جانا درست ہے تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنی قدرت سے پھر اٹھائے، اگر مردہ قبر میں زندہ رہے (جیسا کہ عقیدہ ہے) تو وہ اس دوسری زندگی سے محروم ہو جائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

''صحیح بخاری'' میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا قبرستان میں سے گزر ہوا، آپ ﷺ دو قبروں پر رک گئے فرمایا: ان پر عذاب ہو رہا ہے، ایک چغلی کھانے کا عادی تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، رسول اکرم ﷺ نے ایک سبز ٹہنی دونوں قبروں پر ڈال دی اور

کہا: ''جب تک یہ سبز ہیں، عذاب میں تخفیف رہے گی''

یہاں چند سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں:

(۱): صرف دو قبروں پر عذاب ہو رہا تھا باقی کیوں محفوظ تھیں؟

(۲): یہ دو قبریں کافروں کی تھیں یا مسلمانوں کی؟ پھر رسول اکرم ﷺ کو عذاب میں تخفیف کرانے کا حق کس نے دیا؟ یعنی اللہ تعالیٰ تو ان پر عذاب کرتا ہے اور رسول ﷺ (معاذ اللہ) اسے روکتے ہیں۔

(۳): رسول اکرم ﷺ کو کیسے معلوم کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ وحی آئی تھی تو قرآن کریم میں کیوں اس اہم بات کا ذکر نہیں؟ بغیر وحی کے معلوم ہوا تو علمِ غیب ثابت ہو گا مگر قرآن کہتا ہے کہ ہم نے تمھیں علمِ غیب نہیں دیا۔

(۴): رسول اکرم ﷺ کے اس فعل پر صحابہؓ نے کیوں عمل نہیں کیا؟ اور کیوں نہ قبروں پر سبز ٹہنیاں ڈالیں؟

صحیح بخاری کی ایک اور روایت ہے کہ:

قبر میں فرشتہ صرف رسول کے بارے میں پوچھتا ہے ''من رسولك'' دوسری کتابوں میں ہے کہ چار سوال پوچھتا ہے، ابن ماجہ میں ہے کہ تین سوال پوچھتا ہے۔ من ربك، مادينك، ماعلمك، اور جب جواب خاطر خواہ نہیں ملتے تو منکر نکیر اسے مارتے ہیں، مردہ چلاتا ہے، اس کی آواز کو مشرق و مغرب والے سنتے ہیں مگر انسان اور جن نہیں سنتے، سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔

پھر روایت ہے کہ مغرب کے وقت رسول اکرم ﷺ نے آواز سنی تو فرمایا: یہودی پر عذاب کیا جا رہا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسول اکرم ﷺ انسان تھے یا نہیں؟ اگر انسان تھے تو مردہ کی آواز کیسے سن لی، جب کہ فرمایا ہے کہ انسان اور جن کے علاوہ ہر چیز مردے کی آواز سنتی ہے یا تو حدیث غلط ہے یا (معاذ اللہ) رسول اکرم ﷺ انسان نہ تھے۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مردے کی آواز انسان سن لے تو بے ہوش ہو جائے مگر دوسرے جانور سنتے ہیں نہ بے ہوش ہوتے ہیں نہ بھاگتے ہیں، اکثر قبرستانوں میں چوپائے چرتے ہیں اور پرندے بھی رہتے ہیں مگر وہ مردوں کے چلانے سے نہیں ڈرتے۔

یہ بھی ایک سوال ہے کہ ڈاکٹری تعلیم کے لیے جو مردے ہسپتال میں رکھے جاتے ہیں ان کو منکر نکیر کیوں نہیں اٹھاتے؟ اور وہ زندہ ہو کر جوابات کیوں نہیں دیتے؟

''بخاری'' کی روایت کے بموجب مردوں کو صبح و شام، جنت و دوزخ (جو بھی صورت ہو) دکھائی جاتی ہے کہ یہ تمھارا ٹھکانہ ہے، تو ہسپتال کے مردے کس وقت دیکھتے ہیں؟ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حساب کتاب قیامت کے دن ہوتا ہے تو پہلے سے جنت و دوزخ دکھانے کا کیا مطلب ہوا؟

معلوم ہوا کہ یہ غیر اسلامی عقائد کسی خاص مصلحت سے اسلامی بتائے گئے ہیں، یہ سب دراصل مجوس اور ہندو عقائد ہیں، جنھیں رسول اکرم ﷺ سے منسوب کر دیا گیا ہے، حالاں کہ قرآن اس عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

یہ عقائد کہ مرنے کے بعد قبر میں بعض لوگ زندہ رہتے ہیں یا بعض لوگوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے اور وہ باہر سے سلام و کلام کرنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، محض ہندو عقائد ہیں جنھیں عجمی مفسرین و محدثین نے اسلام میں داخل کر دیا اور قرآن مجید کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ:

﴿و ماانت بمسمع من فی القبور﴾ (فاطر ۳۵، ۲۲)

''جو قبروں میں ہیں تم ان کو اپنی باتیں نہیں سنا سکتے''۔

﴿و من اضل ممن یدعوا من دون اللّٰہ من لا یستجیب له الی یوم القیامة و هم عن دعائهم غفلون﴾ (الاحقاف ۵)

''اس سے زیادہ گمراہ کن کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر (مردوں کو) پکارتا، ان سے دعا کرتا یا مانگتا ہے، حالاں کہ وہ اسے قیامت تک جواب نہ دے سکیں گے، اور نہیں جانتے کہ یہ کیا مانگ رہے ہیں''۔

ظاہر ہے کہ جب قبر میں مردہ سن نہیں سکتا تو اس پر عذابِ قبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

المستفتی: محمد جلال الدین مؤذن جامع مسجد، سوپر مارکٹ گلبرگہ

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

''قرآن پاک'' میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یثبت اللّٰہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰة الدنیا و فی الآخرة﴾ (سورۂ ابراهیم، آیت ۲۷)

اس کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اس کلمۂ طیبہ پر ایمان رکھنے والے کی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ مرتے دم تک اس کلمہ پر قائم رہتا ہے خواہ اس کے خلاف کتنے ہی حوادث سے مقابلہ کرنا پڑے اور آخرت میں اس کلمہ کو قائم و برقرار رکھ کر اس کی مدد کی جاتی ہے۔ ''صحیح بخاری و مسلم'' کی ایک حدیث میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ یعنی قبر کا عالم ہے، حدیث یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب قبر میں مؤمن سے سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائیدِ ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا اور ''لا الٰہ

الا اللّٰہ محمد رسول الله" کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی: ﴿یثبت الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ﴾ کا یہی مطلب ہے۔ (یہ روایت حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل فرمائی ہے۔ دیکھیے: بخاری شریف کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب التفسیر سورۂ ابراھیم، اس کے علاوہ مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجه شریف اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی یہ موجود ہے۔

اسی طرح تقریباً چالیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی حدیثیں منقول ہیں جن کو امام ابن کثیرؒ نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے منظوم رسالہ "التثبیت عند التبییت" میں اور "شرح الصدور" میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کر کے ان روایات کو متواتر فرمایا ہے، ان سب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے آیتِ مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب وثواب سے متعلق قرار دیا ہے، مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم ﷺ کی ستر احادیثِ متواترہ میں بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ مذکور ہے، جس میں مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں، رہے وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب وعذاب نظر نہیں آتے، سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں، اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں، ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے، جس کائناتی فضا کا اس

زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہورہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی، خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصول کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے، جب خالقِ کائنات نے اپنے رسول (ﷺ) کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہونچنے کے بعد اس عذاب وثواب کی خبر دے دی تو اس پر ایمان واعتقاد رکھنا لازم ہے''۔(معارف القرآن ۵/ ۲۳۶، ۲۳۷)

''قرآن پاک'' کی جن آیات میں منکر نکیر کے سوال وجواب اور قبر کے عذاب کی طرف اشارہ موجود ہے ان میں سے چار آیتوں کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں ذکر فرمایا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی شرح ''فتح الباری'' میں ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وآثار کو نقل فرمایا ہے، دیکھیے: (فتح الباری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر ۳ / ۱۸۰، ۱۸۱) اسی طرح علامہ ابن قیمؒ نے کتاب الروح ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲ میں اور اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان کے متعلق فرماتے ہیں: فاما احادیث عذاب القبر ومسائلة منکر ونکیر فکثیرة متواترة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم. (عذابِ قبر اور سوال منکر ونکیر کے سلسلہ میں کئی حدیثیں وارد ہیں جو متواتر ہیں) (کتاب الروح ۸۲) حافظ ابنِ تیمیہؒ نے فتاوی ابنِ تیمیہ ۴/ ۲۸۵ پر یہی بات ارشاد فرمائی ہے، امام طحاویؒ اپنے مشہور رسالہ العقیدة الطحاویة میں فرماتے ہیں: ونومن بملك الموت المؤکل بقبض ارواح العالمین وبعذاب القبر لمن کان له اهلاو سوال منکر ونکیر فی قبره عن ربه ودینه ونبیه علی

ماجاءت به الاخبار عن رسول اللّٰہ ﷺ وعن الصحابة رضوان اللّٰہ علیھم. (ہمارا ایمان ہے موت کے فرشتہ پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا والوں کی روحوں کے قبض کرنے پر مقرر ہے، اور ہمارا ایمان ہے عذابِ قبر پر اس آدمی کے لیے جو اس کا مستحق ہو، اور ہمارا ایمان ہے منکر ونکیر کے سوال پر، کہ بندہ سے اس کے رب اور اس کے دین اور اس کے نبی کے متعلق سوال ہوگا، جیسا کہ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے احادیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار میں وارد ہے) امام طحاویؒ کے اس ارشاد کی شرح کے ضمن میں اس کے شارح فرماتے ہیں: وقد تواترت الاخبار عن رسول اللّٰہ ﷺ فی ثبوت عذاب القبر ونعیمه لمن کان اھلا وسوال الملکین فیجب اعتقاد ثبوت ذلك والایمان به. (قبر میں عذاب اور ثواب کا ہونا (جو جس کا اہل ہو اس کے لیے) اور فرشتوں کی طرف سے سوال ہونا نبیٔ کریم ﷺ سے بطرقِ تواتر ثابت ہے اس لیے اس کا عقیدہ رکھنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے) (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۴۵۰) عقائد کی معروف کتاب "الفقه الاکبر" میں ہے: وسوال منکر ونکیر فی القبر حق. (یعنی قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے) وعذابه حق (اور قبر کا عذاب حق ہے) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: عذاب القبر حق لاینکرہ الاضال مضل یعنی قبر کا عذاب حق ہے اس کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ (کتاب الروح ۹۰) حافظ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فیه اثبات عذاب القبر وھو مذھب اھل السنة والجماعة (یعنی اس حدیث میں عذابِ قبر کا ثبوت ہے اور یہی مذہب ہے اہل سنت والجماعت کا) (عمدۃ القاری ۸/۱۴۵) آگے انھوں نے اس سلسلہ کی آیات واحادیث کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے

اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والے اشکالات واعتراضات کا جائزہ لے کر ان کے جوابات ذکر فرمائے ہیں۔

قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے صریح دلائل کے پیشِ نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہائے کرامؒ کا ذمہ دار گروہ عذابِ قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے، حالاں کہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے، علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲) لکھتے ہیں کہ:

ولا یجوز الصلوة خلف من ینکر شفاعة النبی علیه الصلاة والسلام وینکر الکرام الکاتبین وعذاب القبر، کذا من ینکر الرؤیة لانه کافر. (جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذابِ قبر اور رویتِ باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے) (خلاصۃ الفتاویٰ ۱/ ۱۴۹) شارحِ ہدایہ، محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمامؒ (المتوفی ۶۸۲ھ) فرماتے ہیں: ولا یجوز الصلوٰة خلف منکر الشفاعة والرؤیةوعذاب القبر والکرام الکاتبین لانه کافرلتوارث هذه الامورعن الشارع ﷺ (یعنی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں)۔ (فتح القدیر ۱/ ۳۵۰)

فقیہِ دوراں علامہ زین الدین ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: یکفر بانکاره رؤیة اللّٰه عز وجل بعد دخول الجنة وبانکاره عذاب القبر. (جنت میں داخل ہونے کے بعد باری تعالیٰ کا دیدار ہوگا اس کا انکار کرنے سے اور عذابِ قبر کا انکار کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے) (بحرالرائق ۵/ ۱۳۲) فتاوی عالمگیری میں بھی تقریباً یہ عبارت موجود ہے: یکفر بانکاره رؤیة اللّٰه عزوجل بعد دخول الجنة و بانکار عذاب القبر (فتاوی

عالمگیری ۲/۲۷٤) **علامہ بحر العلوم مولانا عبد العلیؒ فرماتے ہیں**: لایجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر ومنکر الرؤیۃ وعذاب القبر ومنکرالکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور من الشارع (**اہلِ کبائر کے لیے شفاعت، رویتِ باری تعالیٰ، عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں**) (رسائل الارکان ۹۹) **علماءِ امت نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اردو میں اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب** "تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور" **مفصل ومدلل ہے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔** فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

کھڑے ہوکر سلام پڑھنے کا شرعی حکم

محترم! سلام مسنون

آپ کا مرسلہ کتابچہ (تالیف جناب ضیاء مجاہد صاحب) موصول ہوا، دارالافتاء کی مصروفیت اور تدریسی ودیگر مصروفیات سے وقت نکال کر جواب لکھ دیا تاکہ آپ حضرات کے لیے کارآمد ثابت ہو، ویسے یہاں کی مصروفیات میں اس قسم کے تفصیلی جواب کی گنجائش کم رہتی ہے؛ بہرحال آپ حضرات کی طلبِ صادق پر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی، اس کو طبع فرمائیں تو چند نسخے یہاں ضرور بھیجیں، دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ والسلام

آپ کے مرسلہ دونوں رسائل ہم نے رکھ لیے ہیں تاکہ فائل رہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

نوٹ: اصل رسالہ کی عبارات جواب کے ضمن میں درج ہیں، اس لئے کتاب میں محولہ رسالہ شامل نہیں کیا گیا؛ نیز جواب کا سمجھنا اس پر موقوف بھی نہیں۔(از مرتب)

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آپ کا رسالہ "کھڑے ہو کر سلام باعثِ رحمت، خیر و برکت اور اجر وثواب" (از ضیاء مجاہد ایم،اے) موصول ہوا۔ رسالہ کا اتنا طویل نام پڑھ کر ہم سمجھے کہ مؤلف کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا رحمت اور موجبِ اجر وثواب ہونا ثابت فرمائیں گے، مگر جب رسالہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ڈھول کی آواز ہے جو اندر سے خالی ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	۞	جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

رسالہ پڑھنے سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ مؤلف تو دعویٰ اور دلیل کی مطابقت سمجھنے سے عاری ہیں اور نہ ان کو قرآن وحدیث کی اصل زبان یعنی عربی سے ہی واقفیت ہے اور نہ اصطلاحاتِ علمیہ وفقہیہ اور طرق ووجوہ استدلال سے، بالکل غیر متعلق روایات اور اقوال پر اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھی ہے، ہم اس رسالہ کے ہر ہر لفظ اور سطر پر کلام کریں تو بڑی مہلت وفرصت درکار ہے، چند موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔

مؤلف نے اس رسالہ کے شروع ہی میں اپنا دعویٰ بایں عبارت پیش کیا ہے:

"محفلِ میلاد میں، نماز جمعہ کے بعد، یا سیرت النبی ﷺ کے جلسوں میں جس طرح ان دنوں میں مروجہ طریقہ پر کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں ہدیۂ صلوۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے، وہ نہ صرف جائز ومستحب بل کہ باعثِ رحمت، خیر وبرکت، اجر وثواب بھی ہے، اس کے بعد شرک وبدعت کہنا صریح گمراہی، بے دینی و جہالت ہے، درود وسلام کا کھڑے ہو کر پڑھنا قرآن وحدیث وائمۂ اربعہ، اکابرین علماء، فقہاء، محدثین

ومتکلمین سے ثابت ہے''

لیکن بڑی حیرت ہوئی اس وقت جب کہ پورے رسالہ میں قرآن وحدیث اور ائمۂ اربعہ وغیرہ سے ایک دلیل بھی ایسی نہ ملی جس سے ان کا دعویٰ ثابت ہوتا ہو۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اصل متنازع فیہ مسئلہ کیا ہے اس کی تنقیح کرلیں، اور ساتھ ہی اوپر کی عبارت میں مؤلف نے کیا دعویٰ کیا ہے اس کے اجزاء کو منضبط کرلیں تاکہ یہ بات سمجھنے میں سہولت ہو کہ مؤلف نے اپنے دعویٰ کو کس حد تک مدلل ومبرہن کیا ہے؟

اصل بحث: (۱): یہ یاد رہے کہ انفرادی درود وسلام کے بارے میں کوئی نزاع اور بحث نہیں ہے، کیوں کہ انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث وقرآن میں مذکور ہیں، اور صحابہؓ وتابعینؒ کا معمول ہے، نہ اس کے لیے کوئی وقت مقرر ہے نہ تعداد، جتنا کسی سے ہو سکے اختیار کرے اور سعادتِ دارین حاصل کرے، نزاع اور بحث تو صرف اس کی مروجہ اجتماعی صورت میں ہے۔

(۲): نیز جس طرح ذکر اللہ، تلاوتِ قرآن کھڑے ہو کر، بیٹھ کر بل کہ لیٹ کر بھی ہر طرح جائز ہے اسی طرح درود شریف بھی ہر طرح جائز ہے، ہاں اگر کوئی کھڑے ہو کر پڑھنے کو ضروری اور اس کے خلاف کو بے ادبی سمجھے تو یہ ایک غیر واجب کو اپنی طرف سے واجب قرار دینے کی وجہ سے ناجائز ہے، خصوصاً جب کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ نے درود شریف کو بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے تو بیٹھ کر درود وسلام پڑھنے کو خلافِ ادب کہنا اس حکمِ ربانی اور تعلیمِ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہماری بحث میں صرف دو باتیں متنازع فیہ ہیں، ایک درود وسلام کا مروجہ طریقہ اور دوسری اس میں قیام کو ضروری سمجھ کر اس کے خلاف کو بے ادبی قرار دینا۔

اب آپ جناب ضیاء مجاہد صاحب کا یہ پورا رسالہ بغور پڑھ کر بتلائیں کہ انھوں نے اس میں ایک بھی دلیل ایسی پیش فرمائی ہے جس سے اوپر والی دونوں متنازع فیہ باتیں ثابت ہوتی ہوں؟

مؤلف کا دعویٰ: اوپر ہم مؤلف کا دعویٰ ان ہی کے الفاظ میں نقل کر آئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱): مروجہ طریقہ پر کھڑے ہوکر جو درود وسلام پڑھا جاتا ہے وہ نہ صرف جائز ومستحب بل کہ باعثِ رحمت، خیر وبرکت، اجر وثواب بھی ہے۔

(۲): درود وسلام کا کھڑے ہوکر پڑھنا قرآن وحدیث وائمۂ اربعہ، اکابرین علماء فقہاء، محدثین، متکلمین سے ثابت ہے۔

مؤلف کے ان دونوں دعووں کو پیشِ نظر رکھیئے اور پورے رسالہ کا مطالعہ کیجیے، کیا کوئی ایک دلیل بھی ایسی پیش فرمائی ہے جس سے مروجہ طریقہ اور درود وسلام کا کھڑے ہوکر پڑھنا ثابت ہوتا ہو؟

ہم مؤلف کے بیان فرمودہ دلائل کا جائزہ تو بعد میں لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے پہلے مروجہ طریقہ کے بارے میں اصولی کلام کرتے ہیں۔

عبادات کے اندر اپنی طرف سے کیفیات کا تعین کرنا

یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بری ہو تو وہ بدعت ہوگی بل کہ وہ اہم طاعات اور عبادات بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے (یعنی اس کے لیے کوئی وقت یا کیفیت و ہیئت مقرر نہیں فرمائی ہے) ان میں اپنی طرف سے قیود لگا دینا یا ان کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعین کردینا، یہ بھی شریعت کی اصطلاح میں

بدعت ہوگی، اور شریعتِ اسلامی اس کو پسند نہیں کرے گی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

عن النبي ﷺ قال: لاتختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي، ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الاان يكون في صوم يصوم احد كم. (مسلم شریف ۱/۳۶۱)

''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو، اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو، مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہے اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے''۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی فضیلت نمازِ جمعہ کی وجہ سے ہے، محض اس فضیلت کے سبب جمعہ کی رات کو نماز وغیرہ کے لیے اور دن کو روزہ کے لیے خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بدعات کی تعیین اور تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومنها: التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد، (الی ان قال) ومنها: التزام العبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة. (الاعتصام ۱/ ۳٤)

''اور ان ہی بدعات میں سے کیفیاتِ مخصوصہ اور ہیئاتِ معینہ کا التزام ہے جیسے کہ ہیئاتِ اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا (پھر آگے فرمایا) اور ان ہی بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عباداتِ معینہ کا التزام کر لینا بھی ہے جن کے لیے شریعتِ مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں''۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

فاذا ندب الشرع مثلاً الى ذكر الله فالتزم قوم الاجتماع على لسان

واحد وبصوت واحد او في وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات، لم يكن في ندب الشرع مايدل على هذا التخصيص الملتزم بل فيه مايدل على خلافه. (الاعتصام ۱/۳۳۵)

”جب شریعت نے کسی چیز کی ترغیب دی ہو، مثلاً: ذکر اللہ، سو اگر ایک قوم اس کا التزام کر لے کہ ایک زبان ہو کر ایک آواز سے وہ ذکر کرتی ہے یا دیگر اوقات کے علاوہ کسی معلوم اور مخصوص وقت کے اندر وہ ذکر کرتی ہے تو شریعت کی ترغیب اس معین تخصیص اور التزام پر ہرگز دلالت نہیں کرتی بل کہ وہ اس کے خلاف دلالت کرتی ہے“۔

حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان هذه الخصوصيات بالوقت او بالحال والهيأة والفعل المخصوص يحتاج الى دليل خاص يقتضي استحبابه بخصوصه وهذا اقرب.

”یہ خصوصیات وقت یا حال اور ہیئت اور فعلِ مخصوص کے ساتھ کسی خاص دلیل کی محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استحباب پر دلالت کرے اور یہی چیز اقرب الی الصواب ہے“۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

لان الحكم باستحبابه على تلك الهيأة الخاصة يحتاج دليلاً شرعيا عليه ولابد.

”کیوں کہ کسی چیز کے کسی خاص ہیئت کے ساتھ مستحب ہونے پر لازم اور لابدی ہے کہ دلیل شرعی موجود ہو“۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

وقريب من ذلك ان تكون العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص فيريد بعض الناس ان يحدث فيها أمراً آخر لم يرد به الشرع زاعماً

انـه يـدرجـه تـحـت عـمـوم، فهـذا لايستقيم لان الغالب على العبادات التعبد و مأخذها التوقف. (احکام الاحکام ۱/۵۱)

’’کوئی عبادت شریعت میں کسی خاص طریقہ پر ثابت ہو اور بعض لوگ اس کے اندر کچھ تغیر کردیں اور خیال یہ کریں کہ یہ بھی عموم کے نیچے داخل ہے تو ان کا ایسا خیال درست اور صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ عبادات کے اندر تعبدی طریقہ غالب ہے اور اس کا ماخذ (رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے اطلاع پائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا‘‘۔ (محصلاً)

صاحبِ مجالس الابرار ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے (آگے ہم اس روایت کا ذکر ان شاء اللہ کریں گے) فرماتے ہیں:

هـكذا يقال بكل من اتى في العبادات البدنية المحضة بصفة لم تكن في زمن الصحابة. (مجالس الابرار ۱۳۳)

’’ہر اس شخص کے متعلق ایسا ہی کہنا چاہئے (کہ وہ بدعت کا مرتکب ہے) جو خالص بدنی عبادت میں کوئی ایسی صفت اور ہیئت پیدا کرے جو حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی‘‘۔

کیوں کہ اس تغیرِ ہیئت کی وجہ سے دین بدل جائے گا اور اسی کا نام تحریف دین ہے؛ چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریف دین کے اسباب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ومـنـها التشدد وحقيقته اختيار عبادات شاقة لم يأمر بهاالشارع كدوام الصيام والقيام والتبتل وترك التزوج وان يلتزم السنن والآداب كالتزام الواجبات. (حجۃ اللہ ۱/۱۲۰)

''اوران اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ تشدد اختیار کرلیا جائے اوراس کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی مشکل عبادات کو اختیار کرلیا جائے جن کے متعلق شریعت نے حکم نہیں دیا، مثلاً: کوئی دوامی طور پر روزہ رکھے اور قیام کرے اور عزلت نشینی اختیار کرے اور نکاح کرنا چھوڑ دے، اور مثلاً یہ کہ سنتوں اور مستحبات کا ایسا التزام کرلے جیسا کہ واجبات کا کیا جاتا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ قانونِ الٰہی نے انسانوں کو اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا، عبادات ومعاملات حتی کہ حکومت اور سلطنت کے احکام میں بھی ان کو پابند کر دیا ہے تاکہ وہ اپنی اہواء وخواہشات کے تحت اللہ تعالیٰ کے دین کا حُلیہ نہ بگاڑ دیں۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

فجاء ت الشرائع تحملهم على ذلك فى جميع احوالهم من عبادة او معاملة حتى فى الملك الذى هو طبيعى للاجتماع الانسان فاجرته على منهاج الدين ليكون الكل محوطا بنظر الشارع. (مقدمه ابن خلدون ۱۹۰)

''شرائع اسلامیہ اسی لیے تو آئی ہیں کہ لوگوں کو تمام حالات میں (خواہ وہ) عبادات ہوں یا معاملات حتی کہ ملکی انتظام جو لوگوں کے اجتماع کا ایک طبعی امر ہے، دین پر قائم رہنے کی تلقین کریں اوران کو دین کے طریقہ پر محض اس لیے قائم رہنے کی تلقین کی ہے کہ ان کے تمام معاملات شارع کی نگرانی میں ہوں''۔

مشہور فقیہ ابوحنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم المصری الحنفیؒ لکھتے ہیں:

لان ذكر الله تعالىٰ لو قصد به التخصيص بوقت دون وقت او بشىء دون شىء لم يكن مشروعا حيث لم يرد به الشرع لانه خلاف الشرع. (بحرالرائق ۱۵۹/۱)

''اس لیے کہ ذکر اللہ کی جب کسی ایک ہی وقت کے ساتھ تخصیص کا قصد کرلیا گیا

اور دوسرے وقت میں وہ نہ ہوا یا کسی شئ کے ساتھ ذکر اللہ کو مخصوص کرلیا گیا، دوسری چیز کے ساتھ وہ خاص نہ کیا گیا تو وہ مشروع نہ ہوگا، کیوں کہ اس کے متعلق شریعت میں کوئی تخصیص نہیں آئی، لہذا وہ خلافِ شرع ہوگا''۔

علامہ موصوف بھی یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ گو اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک بڑی عبادت ہے لیکن جب شریعت نے اس کو کسی خاص وقت کے ساتھ یا جہر اور اخفاء یا اجتماع وانفراد وغیرہ کسی خاص کیفیت اور ہیئت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا تو اس کو اپنی طرف سے کسی خاص وقت یا کسی خاص کیفیت کے ساتھ متعین کردینا غیر مشروع ہوگا؛ بلکہ تحریفِ دین ہے، اس لیے کہ شریعت نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

ان اقتباسات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ جب شریعت نے کسی رات یا دن کو کسی عبادت کے لیے مخصوص نہ کیا ہو اور جب ذکر اللہ وغیرہ عبادات کو کسی خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو، تو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کا متعین کرنا، اور اس تعیین کا التزام کرنا بدعت بھی ہے، اور غیر مشروع بھی۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کا ایسی کیفیات اور ھیئات کی تعیین سے متعلق کیا فیصلہ ہے؟

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دل چسپ نظریہ، خوش آئند سے خوش آئند اقوال، اور بہتر سے بہتر اشعار، ہر شخص ہر وقت پیش کرسکتا ہے لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت پیش نہیں کرسکتا وہ کامل اتباعِ رسول (ﷺ) اور عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل، اس کے نیک اور معصوم اقوال اور خیالات نہیں بل کہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں، ایک لمحہ کے لیے نشۂ دینی سے سرمست ہوکر اپنی جان دے دینا آسان

ہے مگر پوری عمر ہر چیز میں، ہر حالت میں اور ہر کیفیت میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنت محمدی سے قدم اِدھر اُدھر نہ ہو سب سے زیادہ مشکل امتحان ہے، اس اتباع کے امتحان میں تمام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم پورے اترے، آپ ﷺ کی زندگی کے آئینہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے اپنی زندگیاں سجائیں، اور یہ بولتی چالتی، جیتی جاگتی تصویریں ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہیں اور اسی اتباع کے صحیح جذبہ نے حضرات تابعینؒ اور تبعِ تابعینؒ اور بعد کو آنے والوں کا یہ اہم فرض قرار دیا کہ وہ آپ ﷺ کی ایک ایک بات، ایک ایک ادا، اور ایک ایک جنبش کو معلوم کریں اور پچھلوں کو بتائیں؛ تاکہ اپنے اپنے امکان بھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا گذر مسجد میں ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا، جس میں ایک شخص کہتا تھا، سو مرتبہ اللّٰہ اکبر پڑھو، تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو مرتبہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا سو بار لاالٰہ الااللّٰہ پڑھو، تو سو بار تہلیل پڑھتے، پھر وہ کہتا سو دفعہ سبحان اللّٰہ کہو تو وہ سنگ ریزوں پر سو دفعہ تسبیح پڑھتے، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: تم ان سنگ ریزوں اور کنکریوں پر کیا پڑھتے تھے وہ کہنے لگے ہم تکبیر و تہلیل و تسبیح پڑھتے رہے ہیں، آپؓ نے فرمایا:

فعدّوا من سیئاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیء، ویحکم یاامة محمد ﷺ ماasرع هلکتکم، هؤلاء الصحابة بینکم متوافرون وهذا ثیابه لم تبل وآنیته لم تکسر. (الی ان قال) او مفتحی باب ضلالة. (مسند دارمی ص۳۸ قلت: بسند صحیح)

''تم ان کنکریوں پر گناہ شمار کرو، میں اس کا ضامن ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا، تعجب ہے تم پر اے امتِ محمد ﷺ کیا ہی جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے ہو، ابھی تک حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک آپ ﷺ کے برتن نہیں ٹوٹے۔ (آگے فرمایا) اندریں حالات تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو''

علامہ قاضی ابراہیم صاحبؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت کو ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں:

اناعبداللّٰه بن مسعود فوالذی لااله غیره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم علی اصحاب محمد ﷺ. (مجالس الابرار ص۱۳۳)

''میں عبداللہ بن مسعود ہوں، خدائے وحدہ لاشریک لہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے، یا کیا تم علم میں جناب نبی کریم ﷺ کے صحابہ سے بڑھ گئے ہو''

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ ان کی ایک روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

فقال: اذا رأیتموه فاخبرونی، قال: فاخبروه، فاتاه ابن مسعود متقنعاً، فقال: من عرفنی فقد عرفنی، ومن لم یعرفنی فانا عبداللّٰه بن مسعود، تعلمون انکم لأهدیٰ من محمد ﷺ واصحابه (الی ان قال) لقد جئتم ببدعة عظمیٰ او لقد فضلتم اصحاب محمد ﷺ علماً. فهذا ابن مسعود انکر هذاالفعل مع امکان ادراجه تحت عموم فضیلة الذکر. (احکام الاحکام ۵۲/۱)

''فرمایا عبداللہ بن مسعودؓ نے جب تم اس کو دیکھو تو مجھے اطلاع دو، راوی کہتا ہے

کہ ان کو اطلاع دی گئی وہ موقع پر پہنچے اور وہ سر پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، فرمایا مجھ کو جو جانتا ہے سو جانتا ہے، اور جو نہیں جانتا تو میں بتلا دیتا ہوں کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں، تم سمجھتے ہو کہ تم آنحضرت ﷺ اور آپ کے حضرات صحابۂ کرامؓ سے زیادہ ہدایت پر ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر فرمایا تم نے ایک بہت ہی بڑی بدعت ایجاد کی ہے یا تم آنحضرت ﷺ کے صحابۂ کرامؓ پر علم میں فضیلت حاصل کر چکے ہو؟ (دیکھیے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مخصوص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ اس فعل کا انکار کیا ہے، حالاں کہ فضیلتِ ذکر کے عام دلائل کے تحت اس کا ادراج ممکن تھا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگر چہ تکبیر وتہلیل اور تسبیح وتحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے، لیکن اس کا یہ خاص طرز وطریقہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمھارا ایجاد کردہ ہے لہذا یہ بدعتِ ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی، بدعتِ عظمیٰ بھی ہے اور بدعتِ ظلماء بھی، اور بقولِ امام ابن دقیق العیدؒ اس مخصوص کیفیت کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضیلت ذکر کی عام دلیلوں کے نیچے داخل نہیں کیا۔

اور اس روایت کو فریقِ مخالف بھی تسلیم کرتا ہے، چناں چہ (ان کے مسلم عالم) مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری (صاحبِ انوارِ ساطعہ) لکھتے ہیں: عبداللہ بن مسعودؓ نے جہر سے ایک جماعت ذکر اللہ کرنے والوں کو دھمکایا اور ان کے فعل کو بدعت قرار دیا، کتبِ فقہ اور حدیث میں یہ روایت مذکور ہے''۔ (انوار ساطعہ ص ۲۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باآواز بلند مسجد میں مل کر درود شریف پڑھنا

درود شریف کا پڑھنا ایک بہت بڑی عبادت ہے مگر انفرادی طور اور آہستہ، چنانچہ

مشہور علامہ محمد بن محمد الخوارزمی المشہور بالبزازی الحنفیؒ صاحبِ فتاوی بزازیہ جہر بالذکر کا مسئلہ نقل کرتے ہیں:

عن فتاوی القاضی انه حرام، لما صح عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی ﷺ جهرا وقال لهم: مااراکم الا مبتدعین. (فتاوی بزازیه ۳۷۵/۳ علی هامش الهندیه، شامی ۲/ ۳۵۰)

’’قاضی صاحب کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تمھیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں‘‘۔

انقلابِ زمانہ دیکھیے: کہ آج جو شخص بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر درود شریف نہیں پڑھتا اہلِ بدعت اس کو مسجد سے نکال دیتے ہیں؛ مگر عبداللہ بن مسعودؓ نے بلند آواز کے ساتھ مسجد میں جہر کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیا اور فرمایا: میرے نزدیک تم بدعتی ہو، فریقِ مخالف کو اس روایت سے عبرت حاصل کرنا چاہئے، وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اور گریبان میں مونہہ ڈال کر خوفِ خدا کو دل میں رکھتے ہوئے اور قبر و آخرت کا نقشہ سامنے رکھ کر یہ فیصلہ خود صادر فرمائیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ کے بموجب وہ سنی ہیں یا بدعتی؟ اور بلند آواز سے اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنے کو صرف دیوبندی وغیرہ ہی بدعت کہتے ہیں یا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بدعت کہا ہے؟ ہوش میں آکر جواب دیجیے، باقی خود کو زبانی طور پر سنی کہہ دینے سے کوئی سنی نہیں بن جاتا، سچ ہے۔ ؎ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند۔

علامہ قاضیؒ، امام بزازیؒ، علامہ شامیؒ اور علامہ حمویؒ (۲۲۳/۳/۲) وغیرہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو "وقد صح" سے تعبیر کرتے ہیں، اور صحیح بتلاتے ہیں، اور جب صحیح روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ اجتماعی صورت میں اور وہ بھی مسجد میں جہر سے درود شریف پڑھنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدعت ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کو وہ بدعتی کہتے ہیں، اور ان کا وجود تک مسجد میں گوارا نہیں کرتے اور فوراً ان کو مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں تو اب ازراہِ دیانت یہ فرمایئے کہ مسجدوں میں اجتماعی رنگ میں جہر سے درود شریف پڑھنے والوں کو منع کرنے سے ہم ہی وہابی ہوتے ہیں یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس مبارک فتوی سے کچھ حصہ نصیب ہو سکتا ہے؟ جواب غور سے دینا ہوگا۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن	۞	مصلحت بیں وکارِ آسان کن

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام بارگاہِ نبوت میں

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آفتابِ نبوت سے اکتسابِ نور کرنے کے بعد تمام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نجومِ ہدایت تھے، مگر بعض کو ایسے ایسے جزوی فضائل ومناقب حاصل تھے کہ دوسرا کوئی ان میں ان کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا تھا، ان میں ایک شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی، آنحضرت ﷺ کو ان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس چیز کو تمھارے لیے ابن مسعودؓ پسند کریں میں بھی تمھارے لیے اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور اس پر راضی ہوں''۔ (مستدرک ۳/۳۱۹ صحیح) اور نیز ارشاد فرمایا کہ ''جس چیز کو تمھارے لیے عبداللہ بن مسعودؓ پسند نہ کریں میں بھی اس چیز کو تمھارے لیے پسند نہیں کرتا''۔ (الاستیعاب ۱/۳۵۹) نوویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی

اللہ تعالیٰ عنہ حضرات خلفاءِ راشدین سے بھی کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں۔ (شرح مسلم۲/۲۹۳)

آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم میں درجۂ اول کے مفسر جن کو جناب رسول اللہ ﷺ کا کلی اعتماد حاصل ہے، وہ اس اجتماعی صورت میں مل کر بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں، اور اس فعل کو پسند نہیں کرتے، جب ان کو یہ فعل پسند نہیں تو سابق روایت کے پیشِ نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ فعل ہرگز پسند نہیں، اب جس کا جی چاہے ان کی پیروی کرے یا اور کسی کی۔ ؎

نبی اپنا اپنا، امام اپنا اپنا۔ (المنھاج الواضح از ۱۱۸ تا ۱۳۰ ملخصاً)

قیام

دوسری چیز قیام ہے اس سلسلہ میں بھی اصولی طور پر کچھ گفتگو کرتا ہوں:

کسی بزرگ کے لیے جو بنفس نفیس آئے بعض حالات میں بشرطیکہ افراط وتفریط نہ ہو قیام درست ہے، اور اس پر حضرت امام نوویؒ وغیرہ نے "قوموا الی سیدکم" کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (شرح مسلم۲/۹۵) بعض دوسرے حضرات (علامہ ابوعبداللہ بن الحاج مالکیؒ صاحبِ مدخل اور علامہ تورپشتی شارح المصابیح، فتح الباری۱۱/۴۳) اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی تھے اور آپ ﷺ نے ان کو گدھے (کی سواری) سے اتارنے کے لیے یہ فرمایا تھا، چناں چہ مسند احمد کی روایت میں ہے "قوموا الی سیدکم فانزلوہ من الحمار" یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے "قوموا الی سیدکم" فرمایا ہے، لسیدکم نہیں فرمایا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا عمل اس موقعہ پر کیا تھا؟ اور جناب نبیٔ کریم ﷺ اس موقع پر کس عمل کو پسند اور کس کو مکروہ سمجھتے تھے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللّٰہ ﷺ و کانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک. (رواہ الترمذی ۲/۱۰۰، وقال ھذا حدیث حسن صحیح، مشکوٰۃ ۲/۴۰۳ ومسند احمد ۳/۱۵۱، الادب المفرد۱۳۸)

''حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی محبوب نہ تھا لیکن جب وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تھے قیام نہ کرتے تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اس قیام کے عمل کو مکروہ سمجھتے تھے''۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ اپنے لیے قیام کو پسند نہ کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم باوجودیکہ ان کو آپ ﷺ سے انتہائی محبت تھی قیام نہ کرتے تھے، عجیب بات ہے کہ جس کو آنحضرت ﷺ بھی پسند نہ کرتے ہوں اور کمالِ محبت (وعقیدت وعظمت) کے باوجود بھی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس پر عمل نہ کرتے ہوں جب کہ بنفس نفیس آپ ﷺ موجود بھی تھے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نظر بھی آتے تھے تو پھر آج جب کہ آپ ﷺ کا کسی مجلسِ میلاد میں آنا کسی شرعی دلیل سے ثابت بھی نہیں اور نہ کسی کو نظر آتے ہیں، تو پھر کس طرح قیام کو جائز اور مستحب قرار دیا جاتا ہے بلکہ واجب اور فرض کہا جاتا ہے، اور قیام نہ کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے۔ (المنہاج الواضح ۱۶۷،۱۶۸)

جو حضرات قیام کرنے کو ضروری بتلاتے ہیں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مجلسِ میلاد میں حضور اقدس ﷺ تشریف لاتے ہیں، جناب ضیاء صاحب نے بھی اپنے رسالہ کے (ص ۵) پر اسی دعویٰ کو دہرایا ہے، لیکن اس پر کوئی دلیل قرآن مجید یا حدیث شریف یا کتبِ اصول یا کتبِ کلام سے پیش نہیں فرمائی، ایسی چیز کا ثبوت آنکھوں سے دیکھ کر ہو سکتا ہے یا

دلیل شرعی سے ہوسکتا ہے، حاضرینِ مجلس یہ دیکھ نہیں رہے ہیں اور دلیلِ شرعی قائم نہیں، پھر ثبوت کیسے ہوگیا؟ جب مجلسِ میلاد میں آپ ﷺ کا تشریف لانا ثابت نہیں تو پھر تشریف آوری کے خاطر قیام کرنا غلط ہوا۔ ﴿ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین﴾

نفس مسئلہ پر اصولی کلام کے بعد اب ہم جناب ضیاء مجاہد صاحب نے بزعمِ خویش جو دلائل اپنے رسالہ میں پیش کیے ہیں، ان کی دعویٰ کے ساتھ کتنی مطابقت ہے وہ کہاں تک درست ہیں ان کا اجمالی اور مختصر جائزہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مؤلف نے ''قرآن کے ذریعہ تعظیم'' (ص۲) کا عنوان قائم فرما کر دو آیتیں پیش فرمائی ہیں۔ پہلی آیتِ کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہُ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْماً﴾ ہے، اس آیتِ کریمہ کے متعلق خود مؤلف فرماتے ہیں: ''اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضور ﷺ پر درود پڑھنے اور سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے'' (ص۲) گویا وہ خود بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیت میں درود وسلام کے وقت کھڑا رہنا چاہئے ایسا کوئی حکم موجود نہیں ہے بلکہ صرف درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے، اور نفسِ درود وسلام پڑھنے کے حکم سے کس کو انکار ہے؟ اس آیت میں کھڑے رہ کر پڑھنے کا حکم ہوتا تو مؤلف کا دعویٰ ثابت ہوتا، اس لیے ان کا اس آیت کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔

آیئے! اب ہم اس آیت کا وہ مطلب بھی دیکھ لیں جو حضور اکرم ﷺ نے بتلایا ہے۔ صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف وغیرہ تمام حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت ان اللّٰہ وملٰئکتہ الـــخ نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو

چیزوں کا حکم ہے صلوٰۃ وسلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے، (تشہد یعنی التحیات میں السلام علیك ایها النبی کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ الفاظ کہا کرو: اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید. اللهم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید. دوسری روایات میں اس میں کچھ کلمات اور بھی منقول ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو سلام پڑھنے کا طریقہ تو تشہد یعنی التحیات میں پہلے سکھایا جا چکا تھا کہ السلام علیك ایهاالنبی و رحمة الله و برکاته. کہا جائے اس لیے لفظ صلوٰۃ میں انھوں نے اپنی طرف سے کوئی طریقہ مقرر کرنا پسند نہیں کیا، خود حضور ﷺ سے دریافت فرما کر صلوٰۃ کا طریقہ متعین کرایا۔

اس جگہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ شریعتِ مطہرہ کا بتلایا ہوا یہ سلام (جو تشہد میں ہے) اور یہ درود جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کو حالتِ قیام یعنی کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے یا حالتِ قعود یعنی بیٹھ کر؟ اس آیت کا اولین مصداق جو سلام ودرود ہے اس کو نبی ﷺ نے بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے تو بیٹھ کر درود وسلام پڑھنے کو خلاف ادب کہنا اس حکم ربانی وتعلیم نبوی (ﷺ) کے خلاف ہے یا نہیں؟

دوسری آیتِ کریمہ جو مؤلف نے استدلال میں پیش فرمائی ہے وہ سورہ فتح کی ہے۔﴿لتؤمنوا بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بکرة واصيلا﴾.

(آیت نمبر۹) ترجمہ: ”تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح میں لگے رہو“ اس آیت میں ایمان

کے ساتھ مزید تین اوصاف کا ذکر فرمایا ہے جو مومنین میں ہونے چاہئے۔ تعزروہ، توقروہ اور تسبحوہ ان میں پہلا تعزروہ یہ تعزیر سے مشتق ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور دوسرا توقروہ توقیر سے مشتق ہے جس کے معنی تعظیم، اور تیسرا تسبحوہ تسبیح سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں۔ ان میں آخری لفظ تو متعین ہے کہ اللہ ہی کے لیے ہوسکتا ہے، اس لیے تسبحوہ کی ضمیر میں بجز اس کے کوئی احتمال نہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اسی لیے اکثر حضراتِ مفسرین نے پہلے دونوں جملوں کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر کے معنی یہ قرار دیے ہیں کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی یعنی اس کے دین اور رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کی تسبیح کرو۔ اور بعض حضرات نے پہلے دو جملوں کی ضمیر رسول کی طرف راجع کر کے مطلب یہ قرار دیا کہ رسول کی مدد کرو اور تعظیم کرو اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو، مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں انتشارِ ضمائر لازم آتا ہے جو بلاغت کے خلاف ہے۔ (دیکھیے: تفسیرِ مظہری ۹/ ۶۰۵، تفسیر قرطبی ۱۶/ ۲۶۶، ۲۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مؤلف کا مقصودِ استدلال اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب کہ پہلی دونوں ضمیروں کو رسول کی طرف راجع قرار دیا جائے جو قولِ مرجوح ہے، نیز ان دونوں ضمیروں کو رسول کی طرف راجع قرار دینے کی صورت میں بھی آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرو، بھلا اس سے کس مومن کو انکار ہوسکتا ہے، لیکن جو بات اصل محلِ نزاع ہے یعنی قیام، یہ کہاں ثابت ہوئی۔

مؤلف جو یہ فرمارہے ہیں کہ ''تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے''۔ (ص۳) اس کی دلیل تو یہ آیت نہیں ہے، ان کو تو چاہئے تھا کہ ایسی کوئی آیت دلیل میں پیش فرماتے جس سے یہ ثابت ہوتا کہ تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے تب کہیں جا کر یہ

دعویٰ کر سکتے تھے کہ قیام کا ثبوت قرآن سے ہے، پھر یہ بات بھی کتنی باعثِ تعجب ہے کہ بقول مؤلف جب آیتِ مذکور میں تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور ''تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے''۔ (ص۳) اس لیے گویا قیام کا بھی حکم دیا گیا، تو جو حضرات اس آیت کے اولین مخاطب ہیں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے اپنی پوری زندگی میں درود وسلام ایک بار بھی کیوں کھڑے ہو کر نہیں پڑھا؟ کیا تعظیم کے ان آداب کی رعایت مؤلف اور ان کے رفقاء ہی کے حصے میں آئی ہے؟ اور کیا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اس سے محروم تھے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) مؤلف ذرا ہوش سنبھال کر جہالت اور بے ادبی کا الزام قائم کریں اور یہ سوچیں کہ یہ الزام کہاں پہنچ رہا ہے؟

اس آیتِ کریمہ میں ''وتوقروہ'' کی ضمیر کا مرجع رسول کو قرار دینے کی صورت میں تعظیم سے کیا مراد ہے، وہ ایک عظیم مفسر علامہ قرطبیؒ کی زبانی سن لیجیے، فرماتے ہیں:

وتوقروه اى تدعوه بالرسالة والنبوة لا بالاسم والكنية. (تفسیر قرطبی ١٦/ ٢٦٦) **اور** ان کی تعظیم کرو یعنی رسول اللہ اور نبی اللہ کہہ کر خطاب کرو، نام اور کنیت سے مت خطاب کرو۔

اس تجزیہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ مؤلفِ رسالہ جناب ضیاء مجاہد صاحب کا یہ دعویٰ کہ درود وسلام کھڑے ہو کر پڑھنا قرآن سے ثابت ہے بلا دلیل ہے، انھوں نے جن دو آیتوں کو دلیل میں پیش کیا ہے، ان میں سے ایک سے بھی یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

آگے مؤلف صاحب ''تعظیم کے لیے کھڑا ہونا'' (ص۳) کا عنوان قائم فرما کر آبِ زم زم اور وضوء کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینے سے استدلال فرماتے ہیں، یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں پانی کھڑے ہو کر جو پیئے جاتے ہیں تو ان کو کھڑے کھڑے پینا تعظیم کی غرض سے ہے، یہ کون سی حدیث سے ثابت ہے؟ چاہیئے تو یہ

تھا کہ مؤلف صاحب نے ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہوکر پینے کی علت، جو تعظیم تجویز فرمائی ہے اس پر کوئی دلیل کتبِ حدیث وفقہ سے پیش فرماتے، اس لیے کہ کتبِ حدیث وفقہ سے تو صرف اتنا ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دونوں پانی کھڑے کھڑے نوش فرمائے، ان میں یہ بات کہاں ہے کہ آپ ﷺ کا ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہوکر پینا تعظیم کی غرض سے تھا؟ مؤلف صاحب نے ایک علت اپنی طرف سے گھڑ لی، اور استدلال کر لیا، یہ کون سی دیانت ہے؟ ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہوکر پینے کی توجیہ اور تعلیل میں حضرات محدثین اور فقہاء نے مختلف باتیں کہی ہیں لیکن کسی ایک نے بھی یہ نہیں لکھا کہ یہ کام بغرضِ تعظیم کیا گیا تھا۔

''مشکوٰۃ شریف'' کے شارح محدثِ عظیم حضرت علامہ ملا علی قاریؒ مرقات شرحِ مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وجه تخصيصهما ان المطلوب فى ماء زمزم التضلع ووصول بركته الى جميع الاعضاء وكذا فضل الوضوء، مع افادة الجمع بين طهارة الظاهر والباطن وكلاهما حال القيام اعم وبالنفع اتم. (مرقات ۸/ ۲۱۸)

''ان دونوں پانیوں کو (کھڑے ہوکر پینے کی) وجہِ تخصیص یہ ہے کہ آبِ زم زم میں مطلوب یہ ہے کہ خوب سیر ہوکر پیا جائے اور اس کی برکت تمام اعضاء کو پہنچے، اسی طرح وضو کے بچے ہوئے پانی میں، ساتھ ہی اس میں ظاہر کے ساتھ باطن کی طہارت بھی حاصل ہو اور یہ دونوں باتیں حالتِ قیام میں زیادہ عمدہ طریقے سے حاصل ہوتی ہیں، افادیت بھی تام ہوتی ہے''۔

ان دونوں کے علاوہ دیگر پانیوں کو کھڑے ہوکر پینا جو مکروہ بتلایا گیا، اس کی

کراہت کے متعلق علامہ شیخ ابراہیم حلبیؒ شارح منیہ فرماتے ہیں:

واجمع العلماء على ان هذه الكراهة تنزيهية، لانها لامر طبی لا لأمر دينی. (کبیری ۳۶)

’’علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینے کی یہ کراہت تنزیہی ہے، اس لیے کہ یہ ممانعت ایک طبی وجہ کے پیشِ نظر ہے دینی وجہ کی بنیاد پر نہیں‘‘۔

چنانچہ اس طبی وجہ کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ اپنی مشہور کتاب ’’زادالمعاد‘‘ میں رقم طراز ہیں:

وللشرب قائما آفات عديدة. منها: انه لا يحصل به الرى التام ولايستقر فى المعدة حتى يقسمه الكبد على الاعضاء وينزل بسرعة وحدة الى المعدة فيخشى منه ان يبرد حرارتها ويشوشها ويسرع النفوذ الى اسافل البدن بغير تدرج وكل هذا يضر بالشارب. (زادالمعاد ۲۹۳/۳)

’’کھڑے کھڑے پانی پینے میں کئی نقصانات ہیں، جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس طرح پینے سے مکمل سیرابی حاصل نہیں ہوتی، اور پانی معدہ میں جمنے نہیں پاتا کہ جگر اس کو دیگر اعضاء پر تقسیم کر سکے، اور اچانک تیزی سے معدہ میں اترتا ہے جس کی وجہ سے اس کی اصلی حرارت ختم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے، اور غیر تدریجی طریقہ پر بدن کے زیریں حصہ میں سرایت کرتا ہے اور یہ تمام امور پینے والے کے حق میں نقصان دہ ہوتے ہیں‘‘۔

یہ ہیں وہ نقصانات جن کی وجہ سے پانی کھڑے ہوکر پینے سے منع کیا گیا لیکن آبِ زم زم اور وضوء کا باقی ماندہ پانی حسبِ تصریحِ علماء شفاء ہے۔ اس لیے ان کو کھڑے ہوکر پینے میں ان نقصانات کا اندیشہ نہیں ہے، اس لیے ان کو کھڑے ہوکر پینے کی اجازت دی گئی

ہے، اسی لیے امام ابو جعفرؒ جو حنفیہ کے بڑے امام ہیں، انھوں نے اس کو محض اباحت پر محمول کیا ہے، استحباب پر نہیں، صاحب درِمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ اور شمس الائمہ حلوائیؒ کا بھی یہی مسلک ہے، علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ دیکھیے: (شامی ۱/ ۹۵، ۹۶)

اس لیے ضیاء مجاہد صاحب کا یہ دعویٰ کہ زم زم کا پانی اور وضوء کا بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پینا تعظیم ہے، درست نہیں ہے۔ تعظیم والی بات ان کی اپنی گھڑی ہوئی ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے حضرت ابی بن کعبؓ کا واقعہ ذکر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوسعید بن المعلیؓ کا ہے، بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے کئی جگہ انہی کے حوالے سے بیان فرمایا ہے، پھر اس واقعہ سے مؤلف صاحب اپنے قیام پر کس طرح استدلال فرماتے ہیں؟ اس روایت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حالت میں بھی حضور اکرم ﷺ بلائیں تو آجانا چاہئے، تو اس سے کس کو انکار ہے؟ اصل بحث تو چل رہی ہے درود وسلام میں قیام کی، جو حضرت ابوسعید بن المعلیؓ کی اس روایت سے کہاں ثابت ہوا؟ رہی نفسِ تعظیم تو وہ یہاں زیرِ بحث ہی نہیں، اس لیے کہ وہ تو ایک مسلم امر ہے، مؤلف صاحب اپنے اندازِ تحریر سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ فریقِ مخالف گویا رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہی کا قائل نہیں ہے، یہ صریح بہتان ہے۔

آگے عالمگیری میں آدابِ زیارتِ قبر مبارک (علیہ صاحبہ الصلوۃ والسلام) کی عبارت ذکر کی ہے، جس میں کھڑے ہونے کا ذکر ہے، تو سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے وقت وہاں کھڑے رہنے سے کس نے انکار کیا؟ لیکن اس عبارت سے آپ کا مروجہ صلوٰۃ وسلام میں کھڑا رہنا کیسے ثابت ہوا؟ استدلال کا یہ انداز تو مؤلف صاحب ہی کا امتیاز ہے۔

اس کے بعد مؤلف صاحب نے عنوان قائم کیا ہے ''صحابۂ کرام کا تعظیماً قیام'' (ص۴) اس میں سب سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ذکر کی ہے، اول تو اس روایت کا کوئی حوالہ ذکر نہیں کیا، حالاں کہ اس کی ضرورت تھی، خیر ہم ہی اس روایت کا حوالہ اور اس سے مؤلف کا مطلوب حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف ۲/۴۰۳ پر یہ روایت بیہقی کی شعب الایمان کے حوالہ سے ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے:

عن ابی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: كان رسول اللّٰه ﷺ يجلس معنا فی المسجد، يحدثنا فاذا قام قمنا قياما حتی نراه قد دخل بعض بيوت ازواجه.

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما رہتے تھے اور ہم سے محوِ گفتگو رہتے تھے، پھر جب آپ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی اٹھ جاتے اور جب تک آپ ﷺ کو اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی حجرہ میں داخل ہوتا دیکھ لیتے وہاں تک کھڑے رہتے''۔

اس موقعہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کھڑا ہونا بغرض تعظیم تھا؟ مؤلف صاحب تو یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن آیئے! ہم یہ دیکھیں کہ حضراتِ محدثین اس کی کیا توجیہ وتشریح فرماتے ہیں؟ مشکوٰۃ شریف کے مشہور شارح، محدثِ عظیم حضرت ملا علی قاری حنفیؒ اس کی تشریح فرماتے ہوئے (ہم کھڑے ہو جاتے تھے) کی وجہ بتلاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ای لانفضاض المجلس لا للتعظيم، لأنهم ما كانوا يقومون له مقبلا فكيف يقومون له مدبراً. (مرقات شرحِ مشکوٰۃ ۹/۸۶)

''یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کا یہ کھڑا ہوجانا مجلس ختم ہوجانے کی وجہ سے تھا تعظیم کی غرض سے نہیں تھا، اس لیے کہ جب وہ حضرات آپ ﷺ کی تشریف آوری پر (تعظیماً) کھڑے نہیں ہوتے تھے تو بھلا تشریف بری پر کیسے (تعظیماً) کھڑے ہوتے''؟

دیکھا آپ نے کہ حضرت ملا علی قاریؒ نے صاف صاف الفاظ میں تعظیماً کھڑے ہونے کی نفی فرمادی، اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ کھڑا ہونا تعظیماً نہیں تھا بلکہ مجلس ختم ہوجانے کی وجہ سے تھا، تو پھر وہ حضرات آنحضرت ﷺ کے مکان میں داخل ہونے تک کیوں انتظار فرماتے تھے؟

اس کا جواب بھی حضرت ملا علی قاریؒ کی زبانی سنیے:

ولعلهم كانوا ينتظرون رجاء ان يظهر له حاجة الى احد معهم، او يعرض له رجوع الى الجلوس معهم، فاذا ايسوا تفرقوا ولم يقعدوا لعدم حلاوة الجلوس بعده صلى الله عليه وسلم. (مرقات شرحِ مشکوٰۃ ۹/۸۷)

''اور یہ حضرات اس امید پر کھڑے رہتے ہوں کہ ممکن ہے نبی کریم ﷺ کو ان میں سے کسی سے کوئی کام پڑے یا آپ دوبارہ ان کے پاس بیٹھنے کو تشریف لے آویں (لیکن جب مکان میں داخل ہوجانے کی صورت میں) وہ حضرات دوبارہ واپسی سے مایوس ہوجاتے تو اب وہاں نہ بیٹھتے کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک مجلس ختم ہونے کے بعد تنہا ان حضرات کا بیٹھے رہنا بے لطف رہتا''۔

چنانچہ مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (شارحِ بخاری شریف) بھی تقریباً یہی توجیہ فرماتے ہیں:

سبب تاخيرهم حتى يدخل لما يحتمل عندهم من امر يحدث له

حتی لا یحتاج اذا تفرقوا ان یتکلف استدعاء ھم. (فتح الباری ۱۱/٤٤)

''حضور ﷺ کے مکان میں داخل ہو جانے تک ان حضرات کے کھڑے رہنے کی وجہ یہی ہے کہ ان کو خیال رہتا ہوگا کہ اگر کسی وجہ سے حضور ﷺ کو ان میں سے کسی ایک کی ضرورت پڑے تو آپ ﷺ کو انھیں دوبارہ بلانے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے''۔

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے اپنی تائید میں اسی روایت کے وہ الفاظ پیش فرمائے ہیں، جو ابوداؤد شریف ۲/ ۶۵۸ باب الحلم واخلاق النبی ﷺ میں وارد ہوئے ہیں۔اب ذرا مؤلف صاحب انصاف سے بتلائیں کہ کیا اس روایت سے ان کا استدلال درست ہے؟

اس کے بعد مؤلف نے حضرت سعد بن معاذؓ والا واقعہ ذکر کیا ہے، ہم شروع میں جو اصولی کلام کر چکے ہیں اس میں اس کی حقیقت بیان ہو چکی ہے؛ البتہ اس جگہ مؤلف نے حقائق کو مسخ کر کے جس طرح پیش کیا ہے اس کی نقاب کشائی ضروری ہے، مؤلف صاحب فرماتے ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کی تعظیم کے لیے بذاتِ خود کھڑے ہوکر اور سب کو کھڑا کروا کر جو تعظیم کا درس دیا ہے وہ رہتی دنیا تک درس رہے گا۔ (ص۵)

اس عبارت میں جو دعویٰ کیا ہے وہ سراسر غلط ہے، حضرت سعد بن معاذؓ کی آمد پر آنحضرت ﷺ بنفس نفیس کھڑے نہیں ہوئے اور نہ ہی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے بلکہ آپ ﷺ نے صرف انصار کو اور ان میں بھی صرف وہ حضرات جن کا تعلق حضرت سعد بن معاذؓ کے قبیلہ سے تھا یعنی قبیلۂ اوس کے حضرات کو فرمایا کہ اٹھو اور اپنے سردار کو گدھے پر سے اتارو، اور آپ ﷺ کے اس فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعد بن معاذؓ اس وقت بیمار تھے از خود سواری سے اتر نہیں سکتے تھے ان کو سہارا دے کر اتارنے کی ضرورت تھی، خدمت کا کام ہونے کی وجہ سے ان کے قبیلہ والوں (جن کے یہ سردار تھے) کو زیادہ

مناسب تھا اس لیے انہی کو کہا گیا۔ دیکھیے: (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۱/۴۳)

مؤلف کے اس رسالہ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب نے قرآن وحدیث اور کتب حدیث وفقہ وغیرہ اصل مراجع کی طرف رجوع کرنے کے بجائے کسی کے اردو رسالہ کو سامنے رکھ کر یہ تحریر تیار فرمائی ہے، عربی زبان سے ناواقفیت بھی صاف مترشح ہوتی ہے اس لیے کہ جتنی روایات بھی پیش فرمائی ہیں ان تمام میں کچھ نہ کچھ تحریف ومسخ سے کام لیا ہے۔

خدارا! قرآن وحدیث اور شریعتِ مطہرہ کو اس طرح تختۂ مشق نہ بنائیے۔

خلق الله للحروب رجالا　ورجالا لقصعة وثريد

آگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت والے واقعہ کو قیامِ تعظیمی سے کیا نسبت ہے؟ اس کے بعد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی آمد کا واقعہ ذکر کیا ہے، اس میں تو مؤلف صاحب نے اپنی کم فہمی اور کج فہمی کو آسمان پر پہنچا دیا۔ میں اصل واقعہ پیش کرتا ہوں اس کو سامنے رکھ کر اندازہ فرمائیں:

مشکوٰۃ شریف "باب المعانقة والمصافحة" ص۴۰۲ پر یہ حدیث ہے:

عن عائشة رضى الله عنها قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة، ورسول الله ﷺ فى بيتى، فاتاه، فقرع الباب، فقام اليه رسول الله ﷺ عريانا يجر ثوبه، والله مارأيته عريانا قبله ولا بعده، فاعتنقه وقبله. (رواه الترمذى)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اس وقت حضور اقدس ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور ﷺ جسمِ

اطہر کے اوپر کے حصہ کی چادر کھینچتے ہوئے ایسی حالت میں کہ وہ حصہ کھلا تھا اٹھے اور (حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے دروازہ کھول کر) ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ بیان فرماتی ہیں کہ بخدا! میں نے آپ ﷺ کو (کسی کا استقبال کرتے ہوئے) اس طرح بالائی جسمِ اطہر کھلا ہونے کی حالت میں نہیں دیکھا''۔

اس روایت میں آنحضرت ﷺ کا کھڑا ہونا مذکور ہے وہ بھی اس لیے تھا کہ دروازہ کھولیں، چنانچہ علامہ ابوعبداللہ ابن الحاج مالکیؒ نے المدخل ۱/ ۱۷۸ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اب مؤلف صاحب کیا بیان فرما رہے ہیں وہ ملاحظہ ہو: ''زید بن حارثہؓ دروازۂ حضور ﷺ پر حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا جب حضور ﷺ تشریف لائے تو تعظیماً کھڑے ہو گئے اور آپ کو گلے لگایا اور بوسہ دیا'' (ص۶)

اصل روایت ہم نے اوپر ذکر کر دی ہے اس میں صراحت ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ کے دروازہ کھٹکھٹانے پر کھڑے ہونے والے حضور ﷺ ہیں نہ کہ حضرت زیدؓ، جبکہ جناب ضیاء مجاہد صاحب فرما رہے ہیں کہ کھڑے ہونے والے حضرت زیدؓ ہیں، نیز حضور ﷺ کا یہ کھڑا ہونا تعظیم کے لیے نہیں تھا بلکہ دروازہ کھولنے کی غرض سے تھا، چنانچہ علامہ ابن الحاج مالکیؒ فرماتے ہیں:

الاتری انه ذكر فی الحدیث انه قرع الباب فقام علیه الصلاة و السلام لیفتح له الباب ففتحه و اعتنقه. (المدخل ۱/ ۱۷۸)

''دیکھتے نہیں کہ حدیث میں موجود ہے کہ حضرت زیدؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کھولنے کے لیے اٹھے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے دروازہ کھولا اور حضرت زید کو گلے لگایا''

اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گلے لگانے والے حضور ﷺ تھے، اور جن کو گلے لگایا گیا وہ حضرت زید بن حارثہؓ تھے، جب کہ مؤلف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کو گلے لگایا اور بوسہ لیا'' (ص۶)

گویا گلے لگانے والے حضرت زید ہیں، جن کو گلے لگایا جا رہا ہے وہ حضور ﷺ ہیں، حالاں کہ یہ بات غلط ہے۔

الحاصل مؤلف کی یہ پوری تحریر اس قسم کی غلط فہمیوں اور غلط بیانوں کا مجموعہ ہے، ہم نے چند نمونے پیش کر دیے ہیں، آگے چل کر مؤلف نے ائمۂ اربعہ کی طرف جو نسبت فرمائی ہے وہ بھی صریح کذب ہے، ائمۂ اربعہ جب بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے وہ چاروں امام جن کی تقلید کی جاتی ہے، یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ، ان میں سے کسی امام سے یہ قیام ثابت نہیں ہے۔

اس مروجہ طریقہ سے قیام کے ساتھ درود و سلام پڑھنا زمانۂ خیر القرون یعنی دورِ نبوت و دورِ صحابہ و دورِ تابعین و اتباعِ تابعین میں ثابت نہیں، یہ حضرات عشقِ نبی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) میں کامل تھے، محبت ان میں زیادہ تھی، آنحضرت ﷺ کا احترام اور تعظیم ان حضرات سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟

اگر مؤلف صاحب ہمت کر کے ان سے ثابت کر دیں تو چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد، کسی مسلمان کو اس سے سرِ مو اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن فریقِ مخالف خیر القرون سے اس کا ثبوت نہ پیش کر سکے اور قیامت تک نہیں کر سکے گا، تو سوال یہ ہے کہ باوجود محرک و سبب کے یہ مبارک کام اور کارِ ثواب اس وقت کیوں نہیں ہوا؟ اور آج یہ کیسے کارِ ثواب اور مبارک ہو گیا ہے؟ بس صرف اسی نقطہ پر نگاہ جما کر دو ٹوک فیصلہ کرنا چاہئے، وہ تمام فوائد

وبرکات اور منافع اس وقت بھی تھے جن کو آج اہل بدعت حضرات بیان کرتے ہیں، مؤلف صاحب اوران جیسے دیگر حضرات جنھوں نے اس کے اثبات پر جو دوراز کار، بے فائدہ، اور لایعنی دلائل پیش کر کے صفحات سیاہ کر دیے ہیں، ان کو صرف اور صرف اس مرکزی نقطہ پر نگاہ جمانی چاہئے تھی کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ اوراصحابِ خیر القرون نے کہا اور کیا وہی دین ہے اور بس۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست	۞	اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

درود شریف پڑھنے سے شرکت فی البدعت کا شائبہ ہوتو درود نہ پڑھے

سوال: ہمارے یہاں بدعتی اور دیوبندی دونوں فرقے ہیں، مسجد دونوں کی ایک ہے، امام بدعتی ہے فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، عصر، فجر کی بعد دعاء کے بعد "الفاتحة" کہہ کر فاتحہ پڑھتے ہیں پھر آیت درود پڑھ کر سب لوگ درود شریف بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں تو کیا ہمیں بھی درود شریف پڑھنا چاہئے، اگر ہم کسی وجہ سے وہاں بیٹھے ہوئے ہوں تو کیا خاموش رہنا چاہیے؟ کیوں کہ آیت کریمہ کی بناء پر درود واجب ہوجاتا ہے، اور بدعتیوں کا یہ عمل بدعت ہے تو درود شریف پڑھنے کی بناء پر شركة فی البدعة تو لازم نہیں آتا؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آیت کریمہ میں جس درود شریف کا حکم دیا گیا ہے وہ ذکر وسماعِ اسم نبوی ﷺ

کے ساتھ مخصوص نہیں؛ بلکہ مطلق ہے اس لیے زندگی میں ایک مرتبہ بھی درود شریف پڑھ لینے سے ذمہ بری ہوجائے گا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

قلت: وظنی ان الاصح فی الاستدلال بالآیة ماذھب الیه الکرخی حیث لاتوقیت فی الآیة، ولااشارة فیھا الی الذکر و السماع بل الامر مطلق، وھو لایقتضی التکرار. وھو الذی رجحه ابو بکر الجصاص فی الاحکام حیث قال قوله تعالیٰ (یٰایھاالذین آمنو صلوا علیه) قدتضمن الامر بالصلوٰة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و ظاھره یقتضی الوجوب وھو فرض عندنا فمتی فعلھا الانسان مرة واحدة فی صلوٰة او غیرصلوٰة فقد ادی فرضه وھو مثل کلمةالتوحید و التصدیق بالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم متی فعله الانسان مرةواحدة فی عمره فقد ادی فرضه اھ. (احکام القرآن ۴۸۸/۳)

البتہ احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر شریف کے وقت بھی درود پڑھنا ضروری ہے، امام طحاویؒ نے اسی کو لیا ہے، اور صاحب تحفہ نے اس کو مختار قرار دیا ہے: ومن الواجب عندالاکثرین عنده ذکره او سماع اسمه علیه الصلوٰة والسلام، کما ذھب الیه الطحاویؒ واختاره فی التحفة للاحادیث المذکورة انفا. (ایضا ۴۸۹/۳) فتح القدیر میں ہے: وجعل فی التحفة قول الطحاویؒ اصح (۳۱۸/۱) لیکن امام کرخیؒ عدم وجوب کے قائل ہیں وانما وقع الخلاف بین الطحاویؒ والکرخیؒ فی وجوبھا کلما سمع ذکره من غیره. (بحرالرائق ۳۴۶/۱) امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے کرخی کے قول کو راجح قرار دیا ہے: (قوله ورجحه شمس الائمه) قال فی النھر قال السرخسیؒ وھو المختار للفتوی وجعله فی المجمع قول عامة العلماء (منحة الخالق حاشیه بحرالرائق ۳۴۶/۱)

اب جب کہ صورتِ مسئولہ میں درود پڑھنے کی صورت میں شرکت فی البدعة یا تشبہ بالبدعة

کا شائبہ موجود ہے تو شمس الائمہ سرخسیؒ کے قول مختار پر عمل کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا؛ لیکن اس کی تصریح نہیں دیکھی، اس لئے دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۷/۱۲/۱۴۰۶ھ

ہر انسان کے ساتھ جن پیدا ہونے کی حقیقت، ہمزاد، نفس امارہ، نفسِ مطمئنہ

سوال: میں نے ایک کتاب جس کے مصنف علامہ جلال الدین سیوطیؒ ہیں اور اس کا نام ''تاریخِ جنات وشیاطین'' ہے اس میں انھوں نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ہر آدمی پیدا ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے فرمایا کہ آپ کے ساتھ بھی وہ جن پیدا ہوا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، مگر وہ میرا فرماں بردار ہو گیا، تو اس حدیث میں جو جن ہے اس سے کون مراد ہے؟ بہت سارے لوگ اس کو ہمزاد کہتے ہیں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نفس امارہ ہے اس معاملہ میں صحیح بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

اور اگر یہ ہمزاد ہے تو آدمی کے انتقال کے ساتھ اس کا بھی انتقال ہو جاتا ہے یا یہ باقی رہتا ہے؟ اور نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کی بھی تشریح فرما دیجیے، برائے کرم تشفی بخش مکمل و مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما منکم من احد الا وقد وکل اللّٰہ به قرینهٔ من الجن، قالوا: وایاك یارسول اللّٰہ؟ قال: وایای، الا ان اللّٰہ اعاننی علیه فاسلم، فلا یأمرنی الا بخیر. (مسلم شریف ۲/ ۳۷۶) مشکوٰۃ میں یہ روایت مسلم شریف ہی کے

حوالہ سے دی گئی ہے لیکن اس میں ”و قرینه من الملائکة“ کا اضافہ بھی ہے۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ تم میں سے کوئی نہیں مگر اس کے ساتھ مسلط کیا گیا ہے اس کا ایک ساتھی جنات میں سے، اور ایک ساتھی ملائکہ میں سے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت کیا اور آپ کے ساتھ بھی یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی ہے پس میں محفوظ رہتا ہوں پس وہ مجھے بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان کے وساوس کی تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاعوں کی تاثیرات، جیسا ہے لوہے اور دیگر دھاتوں پر اس کا اثر سب سے زیادہ پڑتا ہے، پھر صیقل شدہ یعنی مانجے ہوئے اجسام پر جو زنگ اور میل سے صاف ہوتے ہیں اول سے کم اثر پڑتا ہے پھر درجہ بدرجہ اجسام ان شعاعوں کے اثرات قبول کرتے ہیں؛ حتی کہ سنگ سفید کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو مطلق ان شعاعوں کے اثر کو قبول نہیں کرتی وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بھی ٹھنڈا محسوس ہوتا ہے یہ نفوس قدسیہ کی مثال ہے۔ (کامل برہان الہی ۲/ ۴۰۷)

ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ”قرینه من الجن“ کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس کا نام وسواس ہے اور وہ ابلیس کی اولاد میں پیدا ہوتا ہے، جب انسانوں میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ (مرقات ۱/ ۱۳۷)

رہا اس کو ہمزاد کے نام سے تعبیر کرنا یہ عوام کی اصطلاح ہے جیسا کہ فتاویٰ محمودیہ میں ہے، (فتاویٰ محمودیہ مطبوعہ کراچی) جب کہ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانویؒ سے پوچھے گئے اس سوال کے جواب میں کہ ہمزاد کیا چیز ہے وہ قبضہ میں آسکتا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ یہ

لفظ تراشا ہوا ہے؛ البتہ جنات کا کسی عمل سے مسخر ہونا صحیح ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/ ۵۵۹)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن ۸/ ۶۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں: صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے امارۃ بالسوء ہوتا ہے، انسانوں کو برے کاموں کی طرف بلانے اور اس میں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت مجاہدہ سے یہ نفس لوامہ بن جاتا ہے کہ برائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے مگر برائی سے بالکلیہ انقطاع اس کا ہونا آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور خلاف شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اس نفس کا لقب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالی اعلم۔

كتاب التصوف والعمليات

عاملہ کے جسم میں جن کا حلول کرنا اور دوسروں کا علاج کرنا

السلام علیکم ورحمة اللّٰه و برکاته

حضرت شیخ مفتی احمد خانپوری صاحب

بعد سلام آپ سے یہ عرض ہے کہ ایک بہن جن کا نام ریحانہ آپا ہے، ان کے پاس جن آتے ہیں جو حکیم ہیں، جن کے بارے میں آپ سن چکے ہوں گے جن کو ''ابو'' کہتے ہیں، اس بہن کا پتہ ہمیں مفتی طاہر صاحب نے دیا تھا، اور سب سے پہلے ان کی امی کا ہی علاج ہوا تھا، اور انہوں نے مولوی رفیق ناڈا کی بہن کو بھیجنے کے لیے کہا تھا اور ان کا علاج بھی وہاں پر ہوا، ہم بھی پہلے نہیں جاتے تھے، اور پھر مفتی عارف الحسن سے پوچھوایا تھا، جب ہماری ایک بہن کی طبیعت بہت خراب تھی، اس وقت انھوں نے بھی اجازت دی تھی اور اب میں خود جاتی ہوں، وہاں میں نے کوئی شرک کی بات نہیں دیکھی۔ غریب بہنیں بھی دور دور سے آتی ہیں، ان کو مفت دوائی بھی دی جاتی ہے کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیتے اور یہ بات جو لوگوں نے مشہور کی ہے کہ ان کے بدن میں آتے ہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ خود یوں کہتے ہیں کہ میں صرف پیچھے سے اللہ کے حکم سے ان کی مدد کرتا ہوں۔ ریحانہ آپا کو بیٹی بنائی تھی لیکن تین ساڑھے تین سال سے ریحانہ آپا کے شوہر کی اجازت سے دوسروں کا علاج کرتے ہیں، جب ان کے پاس آتے ہیں آواز ریحانہ آپا ہی کی ہوتی ہے، صرف گرامر ہی بدل جاتا ہے اور وہ بالکل ایک عورت کی طرح بات کرتے ہیں اور ایک عقیدت کا پرچہ بھی ساتھ دیتے ہیں جو میں دے رہی ہوں اور کہتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں کچھ نہیں کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، نماز کے وقت نماز کے لیے چلے جاتے ہیں، خود بھی دین کی دعوت دیتے ہیں اور ہم کو بھی دین کی دعوت دینے کو کہتے ہیں، اور ہم بھی اسی نیت

سے جاتے ہیں کہ لوگوں کو جا کر دین کی دعوت دیں تاکہ لوگوں کا عقیدہ اللہ سے ہٹ کر ابو پر نہ آجائے، ان سے اس طرح علاج کروانا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ لوگ ان کو بہت پریشان بھی کرتے ہیں، ریحانہ اور ابو خود بھی اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم سے غلط کام نہ ہو جائے، انھوں نے خود نے اس کا جواب مانگا ہے، برائے کرم ہمارا یہ مسئلہ حل کر دیجیے اور دوسری بات ریحانہ آپا سید خاندان سے ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جنات کے انسانوں کے پاس آنے جانے اور اس کے بدن میں سرایت کرنے کے تین اسباب علماء نے تحریر فرمائیں ہیں: (۱) خواہشِ نفسانی اور عشق و محبت کی وجہ سے۔ (۲) بغض و عداوت اور انتقامی جذبہ سے۔ (۳) شرارت اور کھلواڑ کے طور پر۔ بعضوں نے دوسرے اور تیسرے کو ایک شمار کر کے دو ہی سبب تحریر فرمائے ہیں۔

پہلی صورت کا حکم صاف لکھا ہے کہ جس طرح ایک انسان کا دوسرے انسان سے اس طرح کا تعلق رکھنا فواحش میں داخل ہو کر حرام و ناجائز ہے، اسی طرح جن کا یہ تعلق بھی فواحش ہی میں شمار ہو کر ناجائز اور حرام کہلائے گا، چنانچہ قاضی بدر الدین شبلیؒ اپنی مشہور کتاب "آکام المرجان" میں تصریح فرماتے ہیں:

صرع الجن للانس قد يكون عن شهوة وهوى وعشق كما يتفق للانس مع الجن، وقد يتناكح الانس و الجن ويولدبينهما ولد، فهذا كثير معروف. وقد ذكر العلماء ذلك و تكلموا عليه وقد يكون وهو كثير والاكثر عن بغض ومجازاة مثل ان يؤذيهم بعض الانس او يظن انهم يتعمدوا أذا هم، اما ببول على بعضهم و اما بصب ماء حار واما بقتل بعضهم وان كان الانس

لا تعرف ذلك وفی الجن ظلم وجهل، فيعاقبونه باكثر مما يستحق وقد يكون عن عبث منهم و شر مثل سفهاء الانس، وحينئذ فما كان من الباب الاول فهو من الفواحش التی حرمها اللّٰه تعالی كماحرم ذلك علی الانس وان كان برضی الاخر فكيف اذاكان مع كراهتهم فانه فاحشة وظلم يخاطب الجن بذلك ويعرفون ان هذا فاحشة محرمة لتقوم عليهم حجة بذلك ويسبق انهم يحكم فيهم بحكم اللّٰه و رسوله الذی ارسله الی جميع الثقلين الانس والجن. وما كان من القسم الثانی فان كان الانس لم يعلم فيخاطبون بان هذا لم يعلم ومن لم يتعمد الاذی لم يستحق العقوبة وان كان قد فعل ذلك فی داره وملكه عرفوا بان الدار ملكه فله ان يتصرف فيها بما يجوز وانتم ليس لكم ان تمكثوا فی ملك الانس بغير اذنهم بل لكم ما ليس من مساكن الانس كالخراب والفلوات ولهذايوجدون كثيرا فی الخراب والفلوات ويوجدون فی مواضع النجاسات كالحمامات والحشوش والمرابد والقمامين والمقابر، والمقصود ان الجن اذا اعتدوا علی الانس اخبروا بحكم اللّٰه ورسوله واقيمت عليهم الحجة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر كما يفعل بالانس لان اللّٰه تعالی يقول: ﴿وماكنا معذبين حتی نبعث رسولا﴾ وقال تعالی ﴿يا معشر الجن والانس الم يأتكم رسل منكم يقصون عليكم اياتی﴾ صدق اللّٰه العظيم (آكام المرجان فی غرائب واخبار الجان ص ١٠٦، ١٠٧)

علامہ عینیؒ نے بھی بخاری کی شرح عمدۃ القاری ۲۱/۲۱۴ میں علامہ ابوالعباس ابن تیمیہ کے حوالہ سے یہی چیز تحریر فرمائی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بخاری کی شرح فتح الباری ۱۰/۱۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد یکون الصرع من الجن ولا یقع الا من النفوس الخبیثة منهم اما لاستحسان بعض صور الانسیة واما لایقاع الاذیة به." یعنی جنات کی طرف سے یہ صورت پیش آتی ہے اور ان میں جو شرارت پسند ہے انہی کی طرف سے ایسا ہوتا ہے یا تو اس لیے کہ ان کو کوئی انسانی صورت پسند آ گئی ہے یا وہ انسان کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں''۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فیض الباری شرح بخاری میں ارشاد فرماتے ہیں: لان المام الجن لا یکون الا من عشق او ایذاء. (۳۲۳/٤) یعنی جنات کا آنا دو میں سے کسی ایک وجہ ہی سے ہو سکتا ہے، یا تو عشق اور محبت کی وجہ سے یا ایذاء رسانی کے خاطر۔

اکابر محدثین اور علماء کی مندرجہ بالا تصریحات کی بنیاد پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ کسی عورت کے پاس جنات کے آنے کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں، یا تو عشق و محبت کی وجہ سے یا ایذاء رسانی اور انتقامی جذبہ سے، آپ نے سوال میں جو تفصیلات ریحانہ آپا کے پاس آنے والے جنات کی تحریر فرمائی ہیں ان سے یہ بات تو صاف معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان کو ایذاء اور تکلیف نہیں پہنچاتا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے پاس اس جنات کا آنا انتقامی جذبہ اور ایذاء رسانی کے خاطر نہیں، تو اب ظاہر ہے دوسری ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ اس کا آنا عشق و محبت کی وجہ سے ہے، کیا اگر کوئی انسان اس طرح آتا جاتا تو اس کو اجازت دی جاتی؟ ظاہر ہے انسان کے اس طرح آنے جانے کو سب ہی ناجائز قرار دیں گے، چاہے وہ آنے جانے والا انسان اس عورت کو جس کے پاس آ جا رہا ہے، اپنی بیٹی ہی کیوں نہ بتلاتا ہو، اس جن کے ان کو اپنی بیٹی قرار دینے سے وہ حقیقت میں بیٹی نہیں بن جاتیں، اور شریعت کے سارے احکام جو ایک اجنبی کے ساتھ ملنے جلنے اور خلط ملط رکھنے کے سلسلہ میں دیے گئے ہیں، وہ سب یہاں پر بھی لاگو پڑتے ہیں۔

آپ سوال میں لکھتی ہیں ''اور یہ بات جو لوگوں نے مشہور کی ہے کہ ان کے بدن میں آتے ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ خود یوں کہتے ہیں کہ میں صرف پیچھے سے اللہ کے حکم سے ان کی مدد کرتا ہوں، ریحانہ آپا کو بیٹی بنائی تھی لیکن تین ساڑھے تین سال سے ریحانہ آپا کے شوہر کی اجازت سے دوسروں کا علاج کرتے ہیں، جب ان کے پاس آتے ہیں تو آواز ریحانہ آپا ہی کا ہوتا ہے، صرف گرامر بدل جاتا ہے اور وہ بالکل ایک عورت کی طرح بات کرتے ہیں'' آپ کی تحریر فرمودہ اس عبارت ہی کو سامنے رکھ کر آپ غور کریں کہ اگر وہ اس عورت کے جسم میں سرایت نہیں کرتا تو پھر یہ آواز خود اس عورت کی کیوں سنی جا رہی ہے؟ نیز اس کا یہ کہنا کہ ''میں صرف پیچھے سے اللہ کے حکم سے ان کی مدد کرتا ہوں'' اللہ تعالیٰ کا وہ کونسا حکم ہے؟ جس کی وجہ سے یہ ان کی مدد کر رہا ہے، قرآن کی کوئی آیت، حدیث کا کوئی مضمون ہو تو پیش کیا جائے، اس کا اپنے اس فعل کو جو دلائل شرع کی بنیاد پر صریح ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی جرأت کی بات ہے، پھر ان کے شوہر کی اجازت سے دوسروں کا علاج کرتے ہیں تو کیا شوہر اپنی بیوی کے جسم میں سرایت کرنے یا بغیر سرایت کیے ہوئے آنے جانے کی اجازت دیدے تو شرعاً یہ کام درست ہو جاتا ہے؟ کیا اگر کوئی شوہر کسی اجنبی مرد کو اپنی بیوی کے پاس آنے جانے کی اجازت دیدے تو اس کے اس اجازت دینے سے کیا اس اجنبی کے لیے آنا جانا درست ہو جائیگا؟ شریعت کے احکام جس طرح مرد انسانوں کے لیے ہیں، اسی طرح مرد جنوں کے لیے بھی ہیں۔

اس پوری تفصیل سے بخوبی یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ اس جنات کا اس طرح اس عورت کے پاس آنا جانا ہی درست نہیں، اب اس کے بعد اس چیز کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی کہ وہ لوگوں کا علاج کرتا ہے اور بہت سوں کو فائدہ بھی پہنچا، اسی طرح

وہ کوئی شرکیہ بات نہیں کرتا، جب اس کا اس طرح آنا جانا ہی شرعاً درست نہ ہوا تو بھلے اس کے علاج سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہ کوئی شرکیہ بات نہ بولتا ہو پھر بھی عورتوں کا اس عورت کے پاس اس طرح آنا جانا شرعاً درست نہیں، اس لیے کہ آنے جانے والی عورتیں اپنے اس عمل سے گویا اس جن کے اس عورت کے پاس آنے کو درست قرار دے رہی ہیں، جس کا ناجائز اور حرام ہونا اوپر معلوم ہو چکا، اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ یہ سلسلہ بند کریں خصوصاً وہ عورتیں جو دین کے کام سے جڑی ہوئی ہیں، ان کے آنے جانے سے مزید غلط فہمیاں پھیلتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

نوٹ: اسی طرح کے ایک واقعہ میں آج سے ساڑھے بارہ سال پہلے لکھا گیا ایک فتوی بھی منسلک ہے۔ فقط

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۸/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک عاملہ کے جسم میں جن کا آنا اور اس کے ذریعہ لوگوں کا علاج کرنا

محترم ومکرم جناب حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلھم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام آپ حضرات سے خصوصی درخواست ہے کہ فی الحال ایک مسئلہ پیش آنے کی وجہ سے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں اس لیے معاف فرمائیں، اور ساتھ ہی شامل کیے ہوئے سوال کا جواب شریعت کی روشنی میں عطا فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

سوال: فی الحال ایک عورت جو عملیات کا کام کرتی ہے اس کا کہنا ہے کہ ایک پاک جن ہیں جو سادات میں سے ہیں جن کی عمر ۸۱۶ سال کی ہے، انھوں نے مجھ کو بیٹی بنایا ہے اور

وہ میرے جسم میں آتے ہیں اور عملیات کرتے ہیں، اب وہ عورت جب اپنے کام کو شروع کرتی ہے یا جہاں کہیں سے اس کو کوئی (مسلمان یا غیر مسلم) بلاتا ہے وہاں جاتی ہے، اور جہاں بھی وہ جاتی ہے یا اپنا کام کرتی ہے اس کا شوہر اس کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ اب مثال سمجھیے کہ جو بھی مریض آتا ہے اس سے اس عورت کا شوہر پوچھتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مریض سے دریافت کرنے کے بعد اس کا شوہر خود اپنی بیوی کے جسم میں آنے والے جن کے ساتھ بات کرتا ہے، اس کے بعد وہ عاملہ عورت تعویذ لکھ دیتی ہے کسی کو پینے کے لیے، کسی کو جلانے کے لیے، گلے میں ڈالنے کے لیے؛ مطلب یہ ہے کہ جیسا مریض اسی کے مطابق تعویذ اور اگر مرض ایسا ہے کہ دوائی یا مالش کے تیل کی ضرورت ہے اس کے مطابق دوائی تجویز ہوتی ہے، جب مذکورہ عورت علاج کرتی ہے تب وہ پشت پھیر کر بیٹھتی ہے اور برقعہ پہنتی ہے اور علاج بھی برقعہ پہن کر ہی کرتی ہے۔ (تا کہ حتی الامکان بے پردگی نہ ہو)، اور مذکورہ عورت جو دوائی دیتی ہے اس کے مناسب دام لیتی ہے، باقی تعویذ وغیرہ کسی اور کام کے معاوضہ کا زبانی مطالبہ نہ اس کا شوہر کرتا ہے نہ وہ عورت۔

تو آپ حضرات سے خصوصی گزارش ہے کہ مذکورہ سوال کا مفصل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ مذکورہ عورت جو کام کرتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

صورت مسئولہ کا جواب دینے سے پہلے بطور تمہید چند باتیں پیش کی جاتی ہیں تا کہ جواب سمجھنے میں آسانی رہے، ساتھ ہی جنات سے متعلق حقائق اور شرعی احکام سامنے آنے سے ناواقفیت کی بناء پر لوگوں میں جو غلط فہمیاں پھیلتی ہیں وہ بھی دور ہو جائیں۔

(۱): انسان اور فرشتوں کی طرح جنات بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایک مخلوق ہے، ان کا مستقل وجود ہے اور یہ ایک حقیقت ہے، خیالی چیز نہیں۔ انسان کی نگاہ سے اوجھل

رہنے کی وجہ سے عربی میں اس کو ''جن'' کہا جاتا ہے۔جس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے اسی طرح جنات کو آگ سے پیدا کیا ہے۔(سورہ رحمن، سورہ حجر)

(۲): حضرت نبی کریم ﷺ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا، اسی طرح آپ ﷺ کو جنات کے لیے بھی نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، جنات پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائیں، آپ ﷺ کی پیروی اور فرماں برداری کریں، اللہ اور رسول ﷺ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے ان کو حلال سمجھیں، اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام سمجھیں۔ جو احکام دیئے ان کو بجالائیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جو چیز پسند ہو اس کو پسند کریں، اور جس چیز سے ان کو نفرت ہو اس سے نفرت کریں۔(آکام المرجان ص ۳۷، مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۹/۱۹)

شریعت کے احکام وفرامین جس طرح انسان پر عائد ہوتے ہیں اسی طرح جنات پر بھی عائد ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے:''لا خلاف فی انہم مکلفون'' ''اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''جن'' بھی شریعت کے احکام کے مکلّف ہیں''۔(ص ۳۲۶)

(۳): جنات انسان کے جسم میں سرایت کر کے اس سے مختلف حرکتیں کرا سکتا ہے، یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔(فتاوی عزیزی ۱/۱۱۰) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں وہ انسان کی زبان پر سے گفتگو کرتا ہے۔(آکام المرجان ۱۰۳، عینی شرح بخاری ۲۱/۲۱۴) حدیث پاک کی مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہے۔(آکام المرجان ۱۰۷، عینی وغیرہ)

(۴): جنات کے انسان کے جسم میں سرایت کرنے کی وجوہات پر تفصیل کرتے ہوئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ عشق ومحبت کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک انسان دوسرے

انسان پر عاشق ہو جاتا ہے۔ (اور اس کی وجہ سے اس کی مصاحبت کا خواہش مند ہوتا ہے) اسی طرح جنات بھی انسان پر فریفتہ ہو کر اس کے جسم میں سرایت کرتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ کبھی جنات کو انسان سے تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ (مثلاً گندہ پانی مکان سے باہر ڈال رہا تھا اور وہ کسی جن پر گر گیا یا کسی سوراخ میں پیشاب کیا جہاں جنات رہتے تھے اور ان پر پیشاب گر گیا) تو اس کا بدلہ لینے کے لیے جنات انسان کے بدن میں سرایت کرتے ہیں اور کبھی بغیر کسی وجہ کے محض کھلواڑ کے طور پر ایسا کرتے ہیں جیسا کہ انسان میں بھی بہت سے بدمعاش اور بے وقوف ایسا کرتے ہیں۔ (آکام المرجان ۱۰۶، عینی شرح بخاری ۲۱/۲۱۴)

پہلی وجہ کے متعلق شرعی حکم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قاضی بدرالدین شبلی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح (عشق ومحبت کی وجہ سے) کسی جنات کا انسان کے جسم پر مسلط ہونا یا اس کے جسم میں سرایت کرنا فواحش میں سے ہے، جنات کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا ہی حرام قرار دیا جیسا کہ انسان کے لیے حرام قرار دیا ہے، چاہے دوسرے کی رضامندی سے ہو، اور اگر اس کی نامرضی سے ہے تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لیے کہ ایسی صورت میں بدکاری کے ساتھ ساتھ ظلم بھی ہے۔ (آکام المرجان ۱۰۶)

(۵): اسلام میں ''لے پالک'' نہیں ہے یعنی اگر کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی اولاد (لڑکا ہو یا لڑکی) کو لے پالک یعنی منہ بولا بیٹا یا بیٹی بنالے تو ایسا کرنے سے وہ لڑکا یا لڑکی اس کا حقیقی بیٹا یا بیٹی نہیں بن جاتے؛ بلکہ ان کے لیے اجنبی ہی کا حکم ہے، اس لیے کسی اجنبی عورت یا لڑکی کو بیٹی بنالینے سے وہ حقیقی بیٹی کے حکم میں نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اجنبیہ ہی رہتی ہے، اور اسلام میں اجنبیہ عورت کے لیے جو احکام ہیں وہ اس پر بھی جاری ہوتے ہیں۔

(۶): جنات انسان کو بہت سی بیماریوں کی دوا بھی بتلاتے ہیں۔ (آکام المرجان ۸۰ تا ۸۷)

(۷): ''سید'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے ''سردار'' آقا وغیرہ لیکن عام بول چال میں جب کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی سید ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد جن کا سلسلہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چلا ہے ان میں سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کا نسب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اوپر ذکر کیے ہوئے مطلب کے پیشِ نظر سید ہونا انسان کی خصوصیت ہے جنات کی نہیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات جو بطور تمھید لکھی گئی ہیں سمجھ میں آجانے کے بعد اب آپ کے ذکر کردہ سوال کا جواب بہت ہی آسان ہو گیا کہ سوال میں مذکورہ عورت جو کام کرتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال میں مذکور کاموں کو انجام دینے کے لیے مذکورہ عورت کو جنات کی مصاحبت اختیار کرنی پڑتی ہے بلکہ جنات کو اپنے جسم پر قابو دینا پڑتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ عورت اس جنات کے لیے اجنبیہ ہی کا حکم رکھتی ہے اور جنات اس عورت کے لیے اجنبی مرد کے حکم میں ہے، اپنی خواہش اور رضامندی سے اس طرح اس کو بلانا، اپنے جسم میں سرایت کرنے دینا، اپنے اوپر قابو دینا شریعت کی رو سے کہاں جائز ہوسکتا ہے؟ خاص کر کے اس کا اس طرح آنا تمہید۴ کی تفصیل کے مطابق پہلی وجہ ہی سے ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں جنات کا انسان کے جسم میں آنا دو میں سے کسی ایک وجہ سے ہی ہوسکتا ہے یا تو عشق ومحبت کی وجہ سے یا ایذاء رسانی کے خاطر۔ (فیض الباری ۴/۳۶۳)

سوال میں ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت کے پاس اس کا آنا ایذاء رسانی کے خاطر نہیں؛ لہذا پہلی وجہ متعین ہو گئی۔ اس آنے والے جن نے مذکورہ

عورت کو بیٹی بنایا ہو تب بھی وہ حقیقت میں بیٹی نہیں بن جاتی۔ (ملاحظہ ہو تمہید ۵) اور حقیقی بیٹی کے احکام جاری نہیں ہوتے، ساتھ ہی اس جنات کا اپنے متعلق سید ہونے کا دعویٰ کرنا کتنا مبنی بر صداقت ہے وہ تمہیدے سے معلوم ہو گیا ہوگا۔

علاوہ ازیں عورت کے اس کام کرنے میں عامۃ المسلمین کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے بہت سی ایسی باتیں بھی اس سے پوچھتے ہیں جس سے ایسا شبہ ہوتا ہے گویا (نعوذ باللہ) جنات غیب کی باتیں جانتا ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ یہی تھا اور ان کے اس عقیدہ کی اسلام اور قرآن نے تردید کی ہے۔ (احکام القرآن للتھانوی ۳/ ۵۱۹) اور جس کام سے لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہوں اس کی شرعی اعتبار سے ہرگز اجازت نہیں۔

مذکورہ عورت کا شوہر کیا یہ گوارہ کرسکتا ہے کہ اجنبی مرد اس کی بیوی کے پاس اس طرح آئے اور اس کے جسم سے کھلواڑ کرے، ظاہر ہے کہ وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتا کیوں کہ یہ بے غیرتی ہے تو پھر جنات کے اس طرح آنے کو کس طرح گوارہ کرتا ہے؟

کم از کم اپنی طرف سے اس کے دور کرنے کی کوشش تو کرے یا اس کام سے ناپسندیدگی اور براءت کا اظہار تو کرے، چہ جائے کہ خود ہی اس سے پوچھ تاچھ کر کے کام کرتا ہے، اور ان حرکتوں کو تقویت دیتا ہے جو بے غیرتی سے بڑھ کر دیوسی کے دائرہ میں آجاتا ہے، دوسرے رشتہ داروں کو چاہیے کہ یہ سلسلہ بند کرائیں اور اس کو دور کرنے کی تدبیریں اختیار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۴/ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۴/ اگست ۱۹۹۲ء

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک پیر صاحب کی پیری مریدی کا شرعی جائزہ

سوال: ایک شہر میں ایک صاحب آتے ہیں کچھ لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں، یہ اپنے سلسلہ کو سلسلۂ عالیہ مجددیہ نقشبندیہ کہتے ہیں، وہ اپنے مریدین کو ابتداً درود وسیلتی "اللهم صلى على سيدنا محمد و سيلتى اليك و آله و سلم" کا ورد بتاتے ہیں، اس کے بعد درود سراجا منیرا پڑھنے کو بتاتے ہیں۔ "اللهم صل على سيدنا محمد السراج المنير و آله و سلم" اس کی پابندی ہونے کے بعد درود سیفی "اللهم صلى على سيدنا محمد سيف الله على الظالمين و آله و سلم" کا ورد بتاتے ہیں۔ ہر درود کے بعد مراقبہ، نیت اور اس کے علاوہ دیگر کچھ اوراد بھی بتاتے ہیں، کچھ لوگوں کو "صلى الله عليك يا محمد" کا وظیفہ بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس طرح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ ہماری بیعت بیعتِ رضوان اور بیعتِ رسول اللہ ﷺ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتی، توڑنے والا مرتد ہو جاتا ہے۔ (اور اس قول کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں) اور ہماری بیعت توڑنے سے بہت نقصان ہوتا ہے جب کہ موجودہ دیگر مشائخ کی بیعت بیعتِ توبہ ہے جس کو توڑنے سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوتا۔

مذکورہ صاحب نے پالن پور کے قریب ایک گاؤں میں رہنے والے شخص کو جو عالم نہیں ہیں مجاز صحبت بنایا ہے، یہ صاحب مسجد کی جماعت کا اہتمام نہیں کرتے، اکیلے گھر پر یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، مسجد میں کبھی کبھار آ جاتے ہیں، وہ بھی لوگوں کو وظائف بتاتے ہیں، اپنے سلسلہ کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے ان سے بھی یہی وظائف لے کر پڑھنا شروع کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمیں بہت فائدہ ہو رہا ہے، کسی کا کہنا ہے کہ ان وظائف سے بیماری دور ہو جاتی ہے، اور کوئی اپنی پریشانی دور

ہو جانے اور قرض ادا ہو جانے کی بات کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ اس سے اچھے خواب بھی آتے ہیں، کسی کا سحر ختم ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔

صاحبِ مذکور شیخ کے متعلق ان کے علاقہ کے اہل حق علماء میں سے جوان کو اور ان کے سلسلہ کو اچھی طرح جانتے ہیں، تحقیق کی گئی تو تقریباً دس مستند علمائے کرام نے بتایا کہ یہ شخص معتبر نہیں ہیں، نہ ان کا ہمارے مشائخ وعلماء سے کوئی خاص ربط ہے، ان کے سلسلہ کے کئی لوگوں کا مساجد سے انقطاع مشہور ومعروف ہے، ان کے علاقہ کے بعض علماء نے بتایا کہ یہ اہل بدعت سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔

مذکور تمہید کے بعد اب عرض خدمت یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت ہونا درست ہے؟ کیا ایسے شخص سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر سکتے ہیں؟ سوال میں مذکورہ اوراد و درود پڑھنا جائز ہے؟ خصوصاً "صلى الله عليك يا رسول الله" کا ورد پڑھ سکتے ہیں؟ جو لوگ بیعت ہو چکے ہیں ان کو کیا کرنا چاہیے؟ ان میں سے بعض اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہم کہیں مرتد نہ ہو جائیں، شریعت کی روشنی میں مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

مذکور صاحب کے شیخ اپنے مریدین کو صرف اپنی ذات، والدین، بیوی کے لیے دعاء کرنے کو کہتے ہیں، ان کے علاوہ کسی کے لیے دعا کرنا منع سمجھتے ہیں، زیادہ سے زیادہ مغفرت اور ہدایت کی دعا کر سکتے ہیں، دوسرے شخص کی کسی مصیبت کو دور کرنے کی دعا کی تو اس کی مصیبت تمھاری طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم.

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے کچھ باتیں بطور تمہید پیش کی جاتی ہیں:

تصوف کی حقیقت

(الف): حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ”دین کی جو تعلیمات تصوف وطریقت کے نام سے معروف ہوئیں وہ درحقیقت شریعتِ اسلام کا ایک اہم حصہ ہیں جن کے بغیر ایمان واسلام کامل ہو ہی نہیں سکتا، اور درحقیقت شریعت پر مکمل عمل کرنے ہی کا دوسرا نام طریقت وتصوف ہے لیکن ایک عرصۂ دراز سے کچھ لوگوں کی غفلت اور کم علمی سے اور کچھ غلط کاروں کی مداخلت سے اس کی حقیقت کچھ ایسی مبہم اور مختلط ہوگئی کہ کسی نے محض درویشوں کی چند رسوم وعادات کا نام تصوف رکھ لیا، کسی نے غیر اختیاری طور پر پیش آنے والے وجدی حالات وکیفیات ہی کو تصوف سمجھ لیا، کسی نے کشف وکرامات کا نام تصوف رکھ لیا اور بعض لوگوں نے غلطی سے اس طریق میں کچھ بدعت کے اعمال شامل کر لیے اور انھیں کو تصوف سمجھنے لگے، تصوف کا اصل مقصود اکثر لوگوں کی نظر سے اوجھل ہوگیا اور اس مقصود وغیر مقصود کے اختلاط سے طرح طرح کے نقصان پہنچے۔ (مقدمۂ خلاصہ وتسہیل قصد السبیل)

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تصوف وطریقت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے بہت سی تصانیف فرمائیں، پھر ان سب کا ایک مختصر مجموعہ ”قصد السبیل“ کے نام سے تصنیف فرمایا، جس کی تسہیل حضرت مولانا شاہ لطف رسول صاحب نے ”تسہیل قصد السبیل“ کے نام سے کی، پھر اس کا خلاصہ آسان زبان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمایا، اسی میں تحریر فرماتے ہیں ”سلوک وطریقت جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے ظاہر وباطن کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ کرے اور اعمال بد سے بچائے“ آگے اس عبارت کی تفصیل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: کہ اصل مقصود تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور اس کا ذریعہ

شریعت کے حکموں پر پورے طور پر چلنا ہے، ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں، جیسے نماز، روزہ .... اور بعضے متعلق باطن کے ہیں، جیسے: خدا تعالیٰ سے محبت رکھنا اور اس سے ڈرنا، خدا کو یاد رکھنا، دنیا سے محبت کم کرنا ......اور جس طرح احکام ظاہرہ نماز، روزہ وغیرہ پر عمل فرض وواجب ہے، اسی طرح ان احکامِ باطنہ پر عمل بھی ازروئے قرآن وسنت فرض وواجب ہے، اور باطنی خرابیوں سے بچنے کا اہتمام اس لیے زیادہ ضروری ہے کہ ان باطنی خرابیوں کا اثر ظاہری اعمال پر بھی پڑتا ہے، جیسے: اللہ کی محبت کم ہونے سے نماز میں سستی ہوگی یا جلدی جلدی رکوع سجدہ کا حق ادا کیے بغیر پڑھ لی......الخ۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت وطریقت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ شریعت کے تمام احکامِ ظاہرہ وباطنہ پر پورا پورا عمل کرنے کا نام ہی طریقت ہے۔(۱۰،۱۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا: ''شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ والحاد''

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے فرمایا: ''جس شخص کا ظاہر پاک نہ ہو اس کا باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا''۔

ظاہر کے پاک ہونے سے مراد اعمالِ ظاہرہ کی پابندی جو علم فقہ میں بیان کی جاتی ہے، اور باطن کے پاک ہونے سے مراد اعمالِ باطنہ کی پابندی ہے، جن کا بیان علمِ تصوف وسلوک میں ہوتا ہے۔(خلاصہ وتسہیل/۱۲)

بیعت کا بے جا استعمال

(ب): بیعت دراصل کسی خاص کام پر عہد لینے کا نام ہے۔(معارف القرآن ۸/۷۲)

بیعت کا شرعی معنی یہ ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر جو شریعتِ اسلامی کا متبع ہو، کسی دینی حکم کو

سرانجام دینے کا عہد و پیمان کیا جائے۔ (فضل الباری ۱/۳۵۲) تصوف وطریقت میں پہلا قدم پچھلے کئے ہوئے گناہوں سے مکمل توبہ کرنا ہے، اس لیے جو شخص کسی شیخ کے پاس مرید ہونے کے لیے جائے اس کا سب سے پہلا کام تکمیلِ توبہ ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

فـان التـوبة عـن الذنوب بالرجوع الى ستار العيوب وعلام الغيوب مبدأ طريق السـالـكين ورأس مال الفائزين واول اقدام المريدين. (احياء العلوم ٢/٤) (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ جو ستار العیوب اور علام الغیوب ہے کی طرف رجوع کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرنا راہ سلوک میں چلنے والوں کی ابتداء، اور کامیابی حاصل کرنے والوں کی پونجی، اور مریدین کا سب سے پہلا قدم ہے۔) مشائخِ صوفیہ کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کا خلاصہ آج تک احکامِ خداوندی کی بجا آوری میں ہوئی غفلت کی کوتاہی سے توبہ اور آئندہ اس کی بجا آوری کا عہد و پیمان ہے، اس لیے مشائخِ حقہ کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کو بیعتِ توبہ کہہ کر اس کی اہمیت گھٹانا، اور اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کو توڑنے سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوتا، احکامِ شریعت سے ناواقفیت اور جہالت کی علامت ہے، اور ایسا کہہ کر لوگوں کو شریعت کی خلاف ورزی کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔

ذوالقعدہ ۶ھ میں مقامِ حدیبیہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر جو بیعت کی، اللہ تعالیٰ نے آیتِ کریمہ ﴿لـقـد رضـى الـلّـه عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة الخ﴾ نازل فرما کر اس بیعت میں شریک ہونے والے تمام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنی رضا اور خوش نودی کا اعلان فرمایا، اسی لیے اس کو بیعتِ رضوان بھی کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۸/۸۰) کسی کا اپنے یا اپنے شیخ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو بیعتِ رضوان سے تعبیر کرنا سیرتِ نبوی کے

مندرجۂ بالا واقعہ اور سورۂ فتح کی مندرجۂ بالا آیت کے شان نزول سے ناواقفیت کی علامت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑا دعویٰ ہے، نیز اپنے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کے توڑنے والے کو مرتد سے تعبیر کرنا شریعتِ مطہرہ کی اصطلاحات سے ناواقفیت کے ساتھ ساتھ اس کا بے جا استعمال بھی ہے۔

پیری مریدی سے مقصود

(ج): حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں، کہ ''پیری مریدی سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہو کہ پیر صاحب کے پاس عملیات بڑے اچھے ہیں: جب ضرورت ہوگی تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے، یا پیر صاحب کی دعا قبول ہوتی ہے، مقدموں اور دنیا کی ضرورتوں میں ان سے دعا کرالیا کریں گے، یہ سب دنیا ہی کا چاہنا ہے''۔ (ماخوذ از خلاصہ وتسہیل قصد السبیل) اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ان وظائف سے ہمیں بہت فائدہ ہو رہا ہے، بیماری دور ہو جاتی ہے یا قرض ادا ہو جاتا ہے، سحر ختم ہو جاتا ہے، اچھے خواب نظر آتے ہیں، یہ ساری باتیں راہِ سلوک وتصوف سے ہٹ کر ہیں، ان میں سے کوئی چیز اس سلسلہ کی فضیلت پر دلیل نہیں بن سکتی۔

اس فن کی کتابوں میں پیر کامل کی جو علامتیں بتلائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کامل ہونے کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کی ایک شاخ ہے۔ (ایضاً ۱۸) ایک علامت یہ ہے کہ اس زمانے کے منصف مزاج علماء اور درویش اس کو اچھا جانتے ہوں۔ (ایضاً ۱۹) ایک علامت یہ ہے کہ عام لوگوں کی بہ نسبت خاص لوگ یعنی جو سمجھ دار اور دین دار ہیں، وہ لوگ اس کے زیادہ معتقد ہوں۔ (ایضاً ۱۹) نیز اس کے مریدوں میں اکثر مرید شرع کے پابند ہوں۔ (ایضاً ۱۹) نیز اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں زیادتی معلوم ہوتی ہو۔ (ایضاً ۱۹)

آپ نے سوال میں جو حالات بیان کیے ہیں وہ ان تمام علامتوں کے خلاف ہونے کے ساتھ ان کا اپنے سلسلہ کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کرنا اور اپنی بیعت کو بیعتِ رضوان سے تعبیر کرنا یہ بہ الفاظِ دیگر اپنے کامل ہونے کا دعویٰ نہیں تو اور کیا ہے؟

اوروں کے لیے دعا سے منع کرنا

(د): شخصِ مذکور کا اپنے مریدین کو اپنی ذات، والدین اور بیوی کے علاوہ کسی کے لیے دعا کرنے سے منع کرنا اور یہ کہنا کہ دوسرے شخص کی کسی مصیبت کو دور کرنے کی دعا کی تو اس کی مصیبت تمھاری طرف منتقل ہوسکتی ہے، تعلیماتِ شرع کے خلاف ہے؛ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے قنوتِ نازلہ مشروع فرمایا، مصیبت میں گرفتار لوگوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے نماز کے اندر دعا کا اہتمام کرایا گیا، اور فقہاء نے بھی اس کو، اس کے مسائل کو مستقل طور سے کتبِ فقہ میں بیان فرمایا ہے۔

مسجد کی جماعت کے تارک پیر کا حکم

(ھ): مسجد کی جماعت کا اہتمام نہ کرنا بہت خطرناک چیز ہے، فقہاء نے پنج وقتہ فرض نمازوں کو مسجد کے اندر جماعت سے ادا کرنا ایسی سنتِ مؤکدہ جو واجب کے قریب ہے بتلایا ہے، بلا عذر ایک بار بھی چھوڑ دے تو گنہ گار، اور سزا کا مستحق بتلایا ہے، اور کئی بار چھوڑنے والے کو فاسق اور مردود الشہادت اور واجب التعزیر قرار دیا ہے، درمختار شرح تنویر الابصار میں ہے: والجماعة سنة مؤكدة للرجال وقيل واجبة، وعليه عامة اى عامة مشائخنا وبه جزم فى التحفة وغيرها، قال فى البحر وهو الراجح عن اهل المذهب. (درمختار على هامش الشامى ۱/۴۰۷ تا ۴۱۰) وفى الشامية: قال فى شرح المنية والاحكام تدل على الوجوب من ان تاركها بلا عذر يعزر وترد شهادته ويأثم

الجیران بالسکوت عنه. (شامی ۱/ ۴۰۸) (قوله قال فی البحر الخ) وقال فی النهر هو اعدل الاقوال واقواها ولذا قال فی الاجناس لاتقبل شهادته اذا ترکها استخفافا ومجانة، اما سهوا او بتأویل ککون الامام من اهل الاهواء او لایراعی مذهب المقتدی فتقبل. .اه. ط. (۱/ ۴۱۰)

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

قال: لقد رأیتنا ومایختلف عن الصلوٰة الامنافق قد علم نفاقه، او مریض ان کان المرض لیمشی بین رجلین حتی یأتی الصلوٰة وقال: ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علمنا سنن الهدیٰ وان من سنن الهدیٰ الصلوٰة فی المسجد الذی یؤذن فیه، وفی روایة قال: من سره ان یلقی اللّٰه تعالیٰ مسلما فلیحافظ علی هؤلاء الصلوات حیث ینادی بهن فان اللّٰه شرع لنبیکم سنن الهدیٰ وانهن سنن الهدیٰ ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کمایصلی هذا المتخلف فی بیته لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم الخ (مسلم شریف مع فتح الملهم ۲/ ۲۲۲)

احسن الفتاویٰ میں مفتی رشید احمد لدھیانوی ؒ تحریر فرماتے ہیں: ”کہ غیر معذور کے لیے جماعتِ مسجد میں حاضری ضروری ہے، محلّہ میں مسجد ہوتے ہوئے بلاعذر گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ یہ فعل بدعت اور مکروہ ہے بالخصوص اس کی عادت بنالینے میں کراہت شدید ہے“۔(احسن الفتاویٰ ۳/۲۷۲)

آگے تحریر فرماتے ہیں: غیرِ مسجد میں اقامتِ جماعت کی کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مساجد کی ویرانی کا باعث ہے، قرون مشہود لھا بالخیر بلکہ اس کے بعد بھی اسلافِ امت میں غیرِ مساجد میں بدونِ عذر اقامتِ جماعت بالخصوص علی سبیل العادۃ کی کوئی نظیر

نہیں ملتی، صرف یقینی منافق اور شدید مریض ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت مذکورہ میں گزرا، صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ کسی کو امامت کا حکم دے کر خود ایسے لوگوں کی طرف تشریف لے جائیں جو جماعت میں شریک نہیں ہوئے، اور ان کو ان کے گھروں میں بند کر کے گھروں کو جلا ڈالیں، اگر غیرِ مسجد میں اقامتِ جماعت معروف ہوتی تو کیا ان متخلفین کے لیے یہ عذر قبول نہ ہوتا کہ انھوں نے گھر میں جماعت کر لی ہے۔

غرضیکہ احادیثِ صحیحہ اور اسلافِ امت کے تعامل وعباراتِ فقہاءؒ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے''۔ (احسن الفتاوی ۳/۲۷۲،۲۷۳)

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ ایک جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''جماعت کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے واجب کے درجہ میں، بلا عذرِ شرعی ترکِ جماعت شرعاً بہت مذموم ہے، اور اس کی عادت ڈالنا قبیح ہے، اور نفاق کی علامت ہے، اس سے آدمی مردود الشہادت ہو جاتا ہے، جو پیر متبعِ سنت نہ ہو وہ خود پیر کا محتاج ہے، وہ اس لائق نہیں کہ کوئی اس سے مرید ہو، کوئی طالبِ حق اپنے آپ کو خراب نہ کرے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۹۲)

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''غرض خدائے پاک کی بارگاہ میں تو وہ چیزیں مقبول ہیں جو اتباعِ سنت کے ساتھ ہوں، ورنہ مقبول نہیں، آگے تحریر فرماتے ہیں: ''یارب یا اللہ کی طرح، یا محمد یا رسول اللہ پکارنا درست نہیں، بالکل منع ہے، غرض ایسے حلقوں اور ایسے پیروں سے جدا رہنا چاہیے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۲۰)

شخصِ مذکور کے حالات سے اس علاقہ کے جو اہلِ حق علماء واقف ہیں ان کا اس

کے متعلق یہ بتلانا کہ یہ شخص معتبر نہیں بہت اہم ہے، اس کے بعد بھی شخصِ مذکور کے ساتھ اصلاحی تعلق قائم کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

"صلی اللّٰہ علیك یامحمد" کا وظیفہ پڑھنا

بخدمتِ اقدس حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتھم

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

عرضِ خدمت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے بعض مریدین کو "صلی اللّٰہ علیك یامحمد" کا وظیفہ بتاتے ہیں، کچھ لوگ اس کے جواز کے لیے فضائلِ درود شریف حکایت ۴۲ میں مذکور امام شبلیؒ کے واقعہ کو دلیل بناتے ہیں، نیز یہ کہتے ہیں کہ "ضیاء القلوب" مؤلفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ میں مذکور حضور ﷺ کی زیارت کے طریقے کو دلیل بناتے ہیں، جس میں شبِ جمعہ کو مدینہ منورہ کی طرف چہرہ کرکے "الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللّٰہ" کی ضرب دائیں طرف "الصلوٰۃ والسلام علیك یانبی اللّٰہ" کی ضرب بائیں طرف اور "الصلوٰۃ والسلام علیك یاحبیب اللّٰہ" کی ضرب قلب پر لگانا مذکور ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان دونوں دلیلوں سے استدلال درست ہے؟ کیا اس طرح پڑھنے میں آپ ﷺ کو حاضر ناظر سمجھنے والوں کے عقیدے کی مشابہت لازم آئے گی یا نہیں؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں گے۔ والاجر عند اللّٰہ. فقط والسلام.

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً:

حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ اس سوال کے جواب میں کہ

یا رسول اللہ دور سے یا نزدیک قبرِ شریف سے پکارنا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں: کہ "جب انبیاءِ کرام علیھم السلام کو علمِ غیب نہیں دیا تو یا رسول اللہ کہنا بھی جائز نہیں ہوگا، اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علمِ غیب کے تو خود کفر ہے، اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ بکفر ہے، البتہ اگر اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود بندۂ مومن کا آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں اور ایک صنفِ ملائکہ اسی خدمت پر ہیں"۔ (تالیفاتِ رشیدیہ ۷۲)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے ضمن میں اس کی اجازت اس وقت ہے کہ پڑھنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ ملائکہ درود شریف کو آپ ﷺ کے پیش عرض کرتے ہیں، ہمارے زمانہ میں مبتدعین کا ایک بڑا طبقہ انہی کلمات کو درود شریف کے ضمن میں حضور ﷺ کے ہر جگہ حاضر ناظر اور عالم الغیب ہونے کے عقیدہ کے ساتھ پڑھتا ہے جو صریح کفر ہے، ان حالات میں کسی آدمی کا اس عقیدہ کے ساتھ پڑھنا کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں یہ بھی درست نہیں، اس لیے کہ اس میں عوام کے عقیدہ کے فاسد ہونے کے احتمال کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر تہمتِ شرک رکھنا ہے جیسا کہ بطور وظیفہ ایسے اشعار جن میں یہ کلمہ ہو پڑھنے کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: کہ "وجہ کفر کی غیر کو حاضر و متصرف جاننا ہے اور وجہ فسق کی احتمالِ فسادِ عقیدۂ عوام اور اپنے اوپر تہمتِ شرک رکھنا ہے"۔ (ایضاً ۴۷) اس سے معلوم ہوا کہ جہاں یہ صورت پیش آتی ہو وہاں پر درود شریف کے ضمن میں بھی یہ کلمات کہنا درست نہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں

تحریر فرماتے ہیں: ”فی ندائه صلی الله باسمه بعد وفاته جهتان. الاول: ندائه من حیث أنه نداء الغائب فهو لایهامه اعتقاد علم الغیب واعتقاد حضور الغائب ینهی عنه سواء کان باسمه او بشیء من القابه العظیمة“. (امداد الفتاویٰ ۴/۳۸۹)

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے اس جواب میں بھی اس کلمہ کے ممنوع قرار دیے جانے کی وجہ وہی لکھی ہے جو سابق میں مذکور ہوئی۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ”درود شریف زور سے پڑھنا، آہستہ پڑھنا سب درست ہے، دور سے پڑھنا، نزدیک سے پڑھنا سب درست ہے، چاہے غائب کے صیغے سے پڑھے، چاہے حاضر کے صیغے سے پڑھے وہ بھی درست ہے، لیکن بعض جگہ لوگوں کے عقائد ایسے خراب ہوگئے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر جاننے لگے، جس طرح اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر ہے سب کی پکار سنتا ہے بلا واسطہ، بالکل اسی طرح حضور ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور بندے (امتی) جس طریقے پر پکارتے ہیں، حضور اکرم ﷺ براہِ راست ان کے کلام کو سنتے ہیں اور بعضوں نے آگے بڑھ کر کچھ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہے اور حضور ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں، جو صفتِ خاصہ تھی حق تعالیٰ کی اس کو خاص کر دیا حضور ﷺ کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے اس صفت کو ختم کر دیا۔ استغفر الله.

چنانچہ ایک کتاب ”جاء الحق“ میں اس کی تصریح کی ہے کہ ”حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں، حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں، اور ایک مقام میں دیکھا مسجد کے محراب میں کلمہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ دائیں جانب محمد رسول اللہ اور بائیں جانب لا الہ الا اللہ، پہلے محمد رسول اللہ بعد میں لا الہ الا اللہ، یہاں تک نوبت پہونچ گئی، ....غرض یہ

افراط وتفریط ہورہی ہے دنیا میں، بہت پریشانی کی بات ہے اس واسطے عقائد کی تصحیح کی بہت زیادہ ضرورت ہے، عقیدے پر مدارِ نجات ہے، ایمان کا مدار عقیدہ کی صحت پر ہے، عقیدہ غلط ہوگا، ایمان خراب ہوگا نجات نہیں ہوگی''۔ (خطبات محمود ۱۷۶/۳)

قرآن اور احادیث کے نصوص میں اس بات کے نمونے موجود ہیں کہ ایک لفظ اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے صحیح اور درست ہونے اور اس کے بولنے والوں کی نیت بھی درست ہونے کے باوجود دوسرے معنی کا موہوم ہونے اور اس لفظ کو غلط استعمال کرنے والوں کی مشابہت کی وجہ سے اس کو بولنے سے ممانعت کی گئی، قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے: ﴿یاایھا الذین آمنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا﴾ (سورۂ بقرہ آیت نمبر۱۰۴) اسی طرح بخاری شریف میں حضرت زید ابن خالد جہنیؓ کی روایت میں ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حدیبیہ والے سال نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اور (مکہ سے پہلے حدیبیہ میں قیام کے دوران) ایک رات بارش ہوئی، حضور ﷺ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا کہا؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندوں میں سے بعض نے مومن ہونے کی حالت میں صبح کی، اور بعض نے کافر ہونے کی حالت میں صبح کی، چناں چہ جس بندہ نے یہ کہا کہ اللہ کی رحمت اور اللہ کے فضل اور اس کے دینے سے بارش ہوئی، وہ میرے اوپر ایمان رکھنے والا ہے، اور نچھتر (ستارہ) کا انکار کرنیوالا ہے، اور جس نے یہ کہا کہ فلانے نچھتر (ستارہ) کی وجہ سے بارش ہوئی وہ اس نچھتر پر ایمان لانے والا ہے، اور میرا انکار کرنے والا۔ (بخاری شریف ۵۹۷/۲) اس کے حاشیہ میں علامہ نوویؒ کے حوالہ سے اس

کے دو مطلب نقل کیے ہیں، ایک تو یہ کہ جو آدمی اس عقیدہ کے ساتھ کہ ستارہ ہی حقیقی معنی میں مؤثر اور بارش برسانے والا ہے، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا، یہ بات کہے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں اور یہی امام شافعیؒ اور جمہور کا قول ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اس عقیدہ کے ساتھ کہ یہ بارش اللہ ہی کے فضل سے اور اس کے حکم سے ہوئی؛ البتہ یہ ستارہ اس کے لیے ایک علامت اور بارش کے برسنے کی ایک نشانی ہے، یہ بات کہے تو ایسے آدمی کی تکفیر تو نہیں کی جائے گی لیکن ایسا کہنا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ کلمہ موہوم اور کفر و ایمان کے درمیان متردد ہونے کی وجہ سے اس کے کہنے والے کے ساتھ بدگمانی ہوسکتی ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ جاہلیت کا شعار ہے۔ (حاشیۂ بخاری حوالۂ بالا)

دیکھیے اس واقعہ میں فلانے ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی یہ کہنے کی اجازت باوجود عقیدہ درست ہونے کے اس لیے نہیں دی گئی کہ اس صورت میں کہنے والے کے متعلق کسی کو یہ بدگمانی ہوسکتی ہے کہ وہ بھی کفریہ عقیدہ سے یہ کہہ رہا ہو، نیز چوں کہ یہ اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا اس لیے بھی باوجود عقیدہ درست ہونے کے اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ اس میں ان کے غلط عقیدہ کی یک گونہ تائید و ترویج ہے۔

اس لیے صورتِ مسئولہ میں درود شریف کے ان کلمات کا وظیفہ اور ورد کرنے سے احتراز کیا جائے، رہا ان حضرات کا بطورِ دلیل فضائلِ درود شریف میں مذکور حکایت نمبر ۴۲ اور ضیاء القلوب میں مذکور طریقِ زیارت کو پیش کرنا، اولاً تو اس لیے بھی صحیح نہیں کہ یہ کوئی دلیل شرعی نہیں، دوسرا یہاں پر لوگوں کے عقائد کے خراب ہونے اور مبتدعین کے کفریہ عقیدہ کی تائید و ترویج کا جو احتمال پایا جاتا ہے، وہاں پر موجود نہیں، اس لیے یہ دونوں چیزیں حجت نہیں بن سکتیں۔

یہاں پر یہ یادرہے کہ جواب کے شروع میں جن دو اکابر کے فتاویٰ کو پیش کیا گیا وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے اخص الخواص اور اجلِ خلفاء میں سے ہیں، کیا ان کے سامنے ضیاء القلوب کی سوال میں مذکورہ عبارت موجود نہیں تھی؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

عملیات کی بنیاد پر چوری کا الزام حرام ہے

سوال: ایک جوتے چپل کی دکان میں شام کے وقت مالکِ دکان نے دکان بند کرنے سے پہلے زید اور بکر (جو اس کی دکان میں ملازم ہیں) کو کچھ رقم گننے کے لیے دی، ان دونوں نے رقم گن کر مالکِ دکان کو واپس کردی، پھر مالکِ دکان نے یہ رقم بیگ میں رکھ کر مولانا عمر (یہ بھی ملازم ہے) کو دی اور اپنے ساتھ اسکوٹر پر بٹھا کر جماعت کے مشورہ کے لیے مسجد کی طرف چلے گئے، یہ دونوں جب تک مسجد میں رہے ساتھ ہی رہے، اور بیگ مولانا کے پاس رہا، مشورہ ختم ہونے کے بعد دونوں باہر نکلے راستہ میں مالکِ دکان کے دوست مل گئے، آپس کے مشورہ سے مولانا نے بیگ مالکِ دکان کے دوست کو دے دی، اب مالکِ دکان اور ان کے دوست ایک ہی اسکوٹر پر گھر چلے گئے، رات بھر یہ بیگ مالکِ دکان کے گھر پر ہی رہا، صبح معمول کے مطابق مولانا مالکِ دکان کے گھر گئے، مالکِ دکان نے وہی بیگ مولانا کے ہاتھ میں دیا اور یہ دونوں اسکوٹر پر دکان آ گئے، دکان آ کر مالک نے بیگ کھولا تو اس میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار روپے کم نکلے۔

اب مالک دکان زید، بکر اور مولانا پر الزام ڈال رہا ہے کہ تم تینوں میں سے کسی ایک نے لیے ہیں، معاملہ پولیس تک گیا، پولیس نے زید اور بکر کو خوب مارا، مگر یہ انکار ہی کرتے رہے اور مولانا بھی انکار کرتے رہے، بعد میں چند عاملوں کو بلایا گیا، ان لوگوں نے

تینوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا، جب کہ بیگ رات بھر مالکِ دکان کے گھر پر رہا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عاملوں کے اشاروں پر کسی پر الزام ڈال سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

حجت شرعیہ کے بغیر محض عملیات کی بنیاد پر کسی پر چوری کا الزام لگانا، اور اس کو چور قرار دے کر زبردستی اس سے مالِ مسروقہ وصول کرنا، یا اس کو سزا دینا، گرفتار کرانا یا اس کو ذلیل اور رسوا کرنا جائز نہیں، ہمارے اکابر نے اس کو سختی کے ساتھ منع لکھا ہے۔ (دیکھیے امداد الفتاوی ۴/ ۸۸، فتاویٰ محمودیہ مطبوعہ کراچی ۲۰/ ۷۶، ۷۷)

حدیث شریف میں مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حرمت بڑی تاکید سے بیان کی گئی ہے، شرعی حجت کے بغیر اس کی خلاف ورزی کسی حال میں جائز نہیں۔ ”کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه“ (مشکوٰۃ) اس لیے مالکِ دکان کا اپنے ملازمین زید، بکر اور مولانا پر محض عاملوں کے اشاروں پر الزام ڈالنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ   الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

كتاب الطهارة

سینٹ (Scent) کا استعمال

سوال:: آج کل بازار میں جو پرفیومس (سینٹ) ملتا ہے اس کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ اور اس کو لگا کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آج کل باہر ممالک سے بنے ہوئے مختلف قسم کے پرفیومس (Perfumes) سینٹ اور عطر وغیرہ آتے ہیں، ان میں الکحل (Alcohol) یعنی اسپریٹ بھی شامل ہوتا ہے، تو ان کا استعمال جائز ہونے یا نہ ہونے کے متعلق شرعی حکم میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ الکحل اگر انگور یا کھجور کے شراب سے بنا ہوا ہو تو وہ ناپاک ہے، اس لیے اس کا استعمال جائز نہیں، اور اگر وہ انگور یا کھجور کے علاوہ کسی اور پاک چیز کی شراب سے بنا ہوا ہو تو وہ پاک ہے اور اس کا خارجی استعمال شرعاً جائز ہے، اور آج کل پرفیومس میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے وہ عموماً کھجور یا انگور کی شراب سے بنا ہوا نہیں ہوتا؛ بلکہ دوسری مختلف قسم کی چیزیں مثلاً: مکئی، جوار، گندم، بیر، آلو، چاول یا پٹرول وغیرہ سے بنا ہوا ہوتا ہے، لہذا ایسا پرفیومس شرعاً ناپاک نہیں، اور اس کے لگانے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اس لیے اس کا استعمال جائز ہے اور اگر کسی نے ایسا پرفیومس کپڑے پر لگا کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ادا ہو گئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (عورت کے لیے بناؤ سنگار کے شرعی احکام ص/ ۵۷، ۵۸)

حکم الکحول المسکرة: فانها ان اتخذت من العنب او التمر فلاسبیل الی حلتها او طهارتها، وان اتخذت من غیرهما فالامر فیها سهل علی مذهب ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ. وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویة

والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغيره كما ذكرنا فى باب بيع الخمر من كتاب البيوع وحينئذ هناك فسحة فى الاخذ بقول ابى حنيفة عند عموم البلوىٰ. (تکملہ فتح الملھم ٦٠٨/٣)

بہشتی زیور میں ہے: ''اسپریٹ اگر عنب (انگور) وزبیب (منقیٰ) ورطب (تر کھجور) وتمر (خشک کھجور) سے حاصل نہ کی گئی ہوتو اس میں گنجائش ہے للا ختلاف، ورنہ گنجائش نہیں للا تفاق''۔ (اختری بہشتی زیور ١٠٢/٩)

احسن الفتاویٰ میں ہے: ''تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپریٹ اور الکحل کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی، لہذا شیخینؒ کے قول کے مطابق پاک ہے۔ حضراتِ فقہاءؒ نے اگرچہ فسادِ زمان کی حکمت کی بناء پر امام محمدؒ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر آج کل ضرورتِ تداوی وعموم بلوی کی رعایت کے پیش نظر شیخینؒ کے قول پر طہارت کا فتوی دیا جاتا ہے، ویسے بھی اصولِ فتوی کے لحاظ سے قولِ شیخینؒ کو ترجیح ہوتی ہے، الالعارض''.

(احسن الفتاوی ٩٥/٢)

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ مفتیٔ دارالعلوم دیوبند نے بھی اس سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب دیتے ہوئے آخر میں اس کے استعمال اور خرید وفروخت اور تجارت کی اجازت دی ہے۔ دیکھیے: (فتاوی نظامیہ ٤٣٨/١)

مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ نے بھی فتاویٰ سنگرہ میں اجازت دی ہے۔ دیکھیے: (فتاویٰ سنگرہ گجراتی ٨٥/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٢/١، ١٤٢٥ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

جلیٹین پاک ہے یا ناپاک؟ (انقلاب ماہیت کی تفصیل)

(الهيئة الوطنية لتوثيق الحلال بجنوب افريقا)

التاريخ: ۲۹ / ابريل ۱۹۹۹ء

مولانا/ مفتي أحمد خانفوري (الهند)

فاكس: 0991263 762034

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

بعد!

الموضوع: طلب فتوى ومعلومات عن مادة الجيلاتين.

نحييكم نحن الهيئة الوطنية لتوثيق الحلال من أهل السنةوالجماعة منضم الى عضويتنا اكثر من عشرين رابطة غذائية على نطاق البلاد، عملنا رسمى يفيد المسلمين فى البلاد، بتوثيقنا للحلال مما يتناوله المسلمون من الطعام.

المشكلة التى تواجهنا الآن تنحصر فى مادة الجيلاتين المستعملة فى الحلويات ومشتقات الألبان حيث مصدرها الحيوانات المذبوحة ذبحا غير اسلامى وعليه نرفع لسماحتكم الأسئلة التالية آملين فى رايكم وارشاداتكم حسب مايريد من راي أهل السنة والجماعة سلمكم الله:

(۱): هل الجيلاتين المشتق من لحم أو عظام الخنزير مسموح باستعماله من جانب المسلمين ؟

(۲):هل حلال ذلك الجيلاتين الماخوذمن الأبقارغيرالمذبوحةعلى الشريعة"مشبورة" ؟

(۳): هل هناك خلاف بين المذاهب الأربعة فى مسألة مثل الجيلاتين

المصنع من مادة حرام ؟

(٤): هناك بعض العلماء رأيهم كالآتي: (الف) نظر الحدوث "تبديل الـمـاهيـات" أو "انـقـلاب الـحقائق" فان البنود الحرام تصبح حلالاً هل هذا الراي مقبولاًمن أي مذاهب الأربعة ؟

(ب): هـل هـنـا ك أية شـروط مسبـقة لتـطبيـق الراى أعلاه وهل من الممكن تطبيقه على وجه العموم ؟

(ج): بـعـض الـعلماء يقرون أن السبب الحقيقي فى تطبيق هذا المبدأ هو ورطة أو حـالة العامة الاصطلاح الانجليزي لها هو PUBLIC PREDICAMENT وليس الطهارة بمعنى أنه لو لـم يوجد ظرف "حالة العامة" هذا فان الأمر يصبح غير مقبول فى هذه الحالة.

(٥): هـل هـنـاك تـفسير من جانبكم أو تعريف لما يوصف بحالة أو ورطة العامة ؟

وختـامـاً نتـقـدم بتـحيتـنـا وتـقـديـرنا سائلين الله تعالىٰ بقائكم والاخوة زملائكم العلماء فخرا للاسلام والمسلمين.والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

أخوكم في الله

الشيخ /محمد سعيد نافلاخى

هيئة التوثيق الوطنية على الحلال

ترجمہ:

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

موضوع: جیلیٹین (GILLETINE) سے متعلق معلومات اور فتویٰ طلب کرنا ہے۔

بعد سلام مسنون ہم اہل سنت والجماعت کی ایک کمیٹی ہے، جو "الھیئة الوطنیة لتوثیق الحلال" کے نام سے موسوم ہے، ملکی پیمانہ پر ۲۰ سے زائد غذائی تنظیموں کی ہماری کمیٹی میں رکنیت ہے، ہم کچھ مطعومات کی "الحلال" کہہ کر توثیق کرتے ہیں اور ہمارا یہ عمل سرکاری اور رسمی ہوتا ہے، جس سے ملک کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ابھی فی الحال gilletine کے بارے میں مشکل درپیش ہے، جس کو میٹھی اور دودھ سے بنی ہوئی چیزوں میں استعمال کیا جاتا ہے چونکہ gilletine کا ماخذ وہ جانور ہیں جنھیں غیر اسلامی طریقہ سے ذبح کیا جاتا ہے۔

لہذا آپ کی خدمت میں چند سوالات پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق اپنی رائے اور ارشادات سے نوازیں گے۔

﴿۱﴾ جو gilletine خنزیر کے گوشت یا ہڈیوں سے بنایا گیا ہو اس کے استعمال کرنے کی مسلمانوں کو گنجائش ہے؟

﴿۲﴾ کیا غیر شرعی مذبوحہ گایوں سے بنایا ہوا gilletine حلال ہے یا مشبوہ یعنی مشکوک؟

﴿۳﴾ کیا حرام مادہ سے بنے ہوئے gilletine کے بارے میں مذاہب اربعہ میں کسی امام کا کچھ اختلاف ہے؟

﴿۴﴾ یہاں کچھ علماء کی آراء حسب ذیل ہیں۔

(الف) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تبدیلِ ماھیات یا انقلاب حقائق والے قانون سے حرام شئے بھی حلال ہو جاتی ہے، کیا یہ رائے مذاہب اربعہ میں کسی امام کے یہاں مقبول ہے؟

(ب) کیا مذکورہ رائے پر عمل کرنے کے لیے کچھ شرائط کا پہلے پایا جانا ضروری

ہے؟ یا علی وجہ العموم اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟

(ج) بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ مذکورہ قانون پر عمل کرنے کے لیے سببِ حقیقی عموم بلویٰ ہے جسے انگریزی اصطلاح میں PUBLIC PRADICAMENT کہتے ہیں؛ لہذا جس صورت میں حالۃ العامۃ یا عموم بلویٰ نہ پایا جائے وہاں انقلاب حقائق سے حلت کی رائے غیر مقبول ہوگی۔

﴿۵﴾ کیا آپ بھی ورطۃ العامہ اور عموم بلویٰ کی تعریف کرکے اس سلسلہ میں کچھ وضاحت فرمائیں گے ؟

اخیر میں باری تعالی سے آپ کی بقاء کا سوال کرتے ہوئے ہم اور ہمارے علماء بھائی سلام پیش کرتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ فقط والسلام

اخوکم فی اللہ

الشیخ محمد سعید نا فلاخی

ھیئۃ التوثیق الوطنیۃ علی الحلال

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آپ کا سوال عربی میں ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ میں بھی عربی میں جواب تحریر کرتا لیکن عادت نہ ہونے کی وجہ سے میرے لیے اردو میں جواب دینا زیادہ آسان ہے؛ چنانچہ اردو میں ہی جواب لکھ رہا ہوں۔

پہلے ایک بات اصولی طور پر پیش کرتا ہوں: مطہرات یعنی جن چیزوں اور طریقوں سے ناپاک چیز کو پاک کیا جاتا ہے، ان میں بعض تو متفق علیہ ہیں، مثلاً: پانی، اور بعض مختلف فیہ ہیں، یعنی اس کے مطہر ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، اسی قبیل سے

انقلابِ عین یا انقلابِ ماہیت ہے، حنفیہ **میں امام محمدؒ کے نزدیک انقلاب حقیقت اور استحالۂ عین سے نجاست وطہارت کا حکم بدل جاتا ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں بدلتا۔**

بدائع الصنائع میں ہے۔ ان النجاسة اذا تغيرت بمضى الزمان او تبدلت اوصافها تصير شيئا آخر عند محمد فيكون طاهرا، وعند ابى يوسف لا يصير شيئا آخر فيكون نجسا. وعلى هذا الاصل مسائل بينهما. منها: الكلب اذا وقع فى الملاحة والجمد والعذرة اذا احرقت بالنار وصارت رمادا، و طين البالوعة اذا جف و ذهب اثره والنجاسة اذا دفنت فى الارض و ذهب اثرها بمرور الزمان، وجه قول ابى يوسفؒ ان اجزاء النجاسة قائمة فلا تثبت طهارة مع بقاء العين النجسة والقياس فى الخمراذا تخلل ان لا يطهرلكن عرفناه نصا بخلاف القياس بخلاف جلد الميتة فان عين الجلدطاهرةوانماالنجس ماعليه من الرطوبات و انها تزول بالدباغ، وجه قول محمدؒ ان النجاسة لما استحالت او تبدلت اوصافها ومعانيهاخرجت عن كونها نجاسة لانها اسم لذات موصوفة فتنعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر اذا تخللت. (بدائع ایچ۔ایم سعید کمپنی ۸۵/۱)

شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس مسئلہ میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔(قوله لانقلاب العين) علة للكل وهذا قول محمدؒ وذكر معه فى الذخيرة والمحيط ابا حنيفةؒ حلية. قال فى الفتح و كثير من المشائخ اختاروه وهو المختار لان الشرع رتب وصف نجاسة على تلك الحقيقة وتنتفى الحقيقة بانتفاء بعض الاجزاء مفهومها فكيف بالكل، فان الملح غير العظم واللحم فاذا صار ملحا ترتب حكم الملح ونظيره فى الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهى

نجسة و تصير مضغة فتطهر، و العصير طاهر فيصير خمرا فينجس و يصير خلا فيطهر فعرفنا ان استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها .اه. (شامی کوئٹه ۱/۲۳۹ رشيديه کوئٹه)

اس مسئلہ میں فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے؛ البتہ علامہ شامیؒ نے اس مقام پر ایک بحث و تحقیق فرمائی ہے کہ امام محمدؒ کے قول پر مشائخ نے جو فتوی دیا ہے اس کی علت عموم بلویٰ ہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے مجتبیٰ کی یہ عبارت نقل فرمائی۔ و عبارة المجتبى جعل الدهن النجس فی صابون يفتى بطهارته لانه تغير و التغير يطهر عند محمدؒ و به يفتى للبلویٰ. اه (شامی ۱/۲۳۱)

اس کے بعد آگے فرماتے ہیں: ثم اعلم ان العلة عند محمدؒ هى التغيرو انقلاب الحقيقة و انه يفتى به للبلوى كما علم مما مر و مقتضاه عدم اختصاص ذلك الحكم بالصابون فيد خل فيه كل ما كان فيه تغيروانقلاب حقيقة و كان فيه بلویٰ عامة فيقال كذلك فى الدبس المطبوخ اذا كان زبيبه متنجسا و لا سيما ان الفار يدخله فيبول و يبعر فيه و قد يموت فيه. الخ (شامی ۱/ ۲۳۱)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علتِ طہارت امام محمدؒ کے نزدیک انقلابِ ماہیت ہے، اور اس پر فتوی عموم بلویٰ کی وجہ سے دیا گیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم (ناپاک تیل سے بنائے گئے صابون کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وہ تمام صورتیں (چیزیں) داخل ہیں جن میں انقلابِ ماہیت ہوا ہو اور عموم بلوی بھی ہو۔

علامہ شامیؒ کی اس بحث و تحقیق کا مطلب یہ ہوا کہ اگر انقلاب ماہیت تو ہے لیکن عموم بلوی نہیں ہے، تو وہاں حکمِ طہارت جاری نہیں ہوگا، اسی چیز کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے: ”اب غور طلب امر یہ ہے کہ

کیا انقلاب عین طہارت کی علت ہے یا عموم بلویٰ، علامہ شامیؒ نے اس کا فیصلہ فرمایا ہے کہ اصل علت عموم بلویٰ ہے۔ علامہ شامیؒ نے درمختار کے قول والا لزم نجاسة خبز فی سائر الامصار پر تحریر فرمایا ہے: وظاهره ان العلة الضرورة وصريح الدرر وغيرها ان العلة هی انقلاب العين كمايأتی لكن قدمناعن المجتبی ان العلةهذه وان الفتویٰ علی هذا القول للبلویٰ فمفاده ان عموم البلویٰ علة اختيار القول بالطهارة المعللة بانقلاب العين الخ"۔ (فتاوی خلیلیہ فتاوی مظاہر العلوم ۱/ ۱۱، شامی رشیدیہ ۱/ ۲۳۹)

لیکن اس کا مطلب کوئی آدمی یہ نہ نکالے کہ جہاں صرف عموم بلویٰ ہو لیکن انقلاب ماہیت نہ ہو پھر بھی حکم طہارت جاری ہوگا، اس لیے کہ اصولِ افتاء میں یہ بات مسلم ہے کہ عموم بلویٰ کسی ایسے قول کے لیے جو ائمۂ مذہب سے منقول ہو وجہ ترجیح وتصحیح بن سکتا ہے لیکن جو بات ائمۂ مذہب سے منقول ہی نہ ہو، اس کو گھڑنے کی عموم بلویٰ کی وجہ سے اجازت نہیں ہے، اس تفصیل سے آپ کے چوتھے سوال میں علماء کے دو گروہ کے دو نظریے پیش کر کے جو نکات اٹھائے گئے ہیں ان کا حل بھی نکل آیا۔

استحالۂ عین کی وجہ سے نجاست پر طہارت کا حکم لگانے میں جتنی وسعت حنفیہ کے یہاں ہے، دیگر مذاہب فقہیہ میں نہیں ہے۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ کی عبارت سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ الاستحالة: ای تحول العين النجسة بنفسها او بواسطة كصيرورة دم الغزال مسكا، وكالخمر اذا تخللت بنفسها، او بتخليلها بواسطة، والميتة اذا صارت ملحا، او الكلب اذا وقع فی ملاحة، والروث اذا صار بالاحراق رمادا، والزيت المتنجس بجعله صابونا، وطين البالوعة اذا جف وذهب اثره، والنجاسة اذا دفنت فی الارض وذهب اثرها بمرور الزمان، وهذا عمل بقول

الامام محمدؒ خلافا لابی یوسفؒ، لان النجاسة اذا استحالت وتبدلت اوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة، لانها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر اذا تخللت باتفاق المذاهب.

وتطهر الخمر ودنّها (وعاؤها) اذا تخللت بنفسها او بنقلها من ظل الى شمس او بالعكس عند غير الحنفية؛ لان نجاستها بسبب شدتها المسكرة قد زالت، من غير نجاسة خلفتها، كما تطهر الخمر اذا خللت عند المالكية، ولا تطهر عند الشافعية والحنابلة بتخليلها بالعلاج كالبصل والخبز الحار، لان الشيء المطروح يتنجس بملاقاتها. اما غير ذلك فهو نجس، فلا تطهر نجاسة باستحالة ولا بنار، فرماد الروث النجس: نجس، والصابون المعمول من زيت نجس، ودخان النجاسة وغبارها نجس، وما تصاعد من بخار ماء نجس الى جسم صقيل او غيره نجس، والتراب المجبول بروث حمار او بغل ونحوه مما لا يؤكل لحمه نجس ولو احترق كالخزف، ولو وقع كلب فى ملّاحة فصار ملحا، او فى صبانة فصار صابونا فهو نجس؛ لكن استثنى المالكية على المشهور رماد النجس ودخانه، فقالوا بطهارته على المعتمد.

وقيد الحنابلة طهارة الخمر بنقلها من مكان لآخر بحالة غير قصد التخليل، فان قصد تخليلها بنقلها لم تطهر لانه يحرم تخليلها فلا تترتب عليه الطهارة وقال الشافعية: لا يطهر شيء من النجاسات بالاستحالة الا ثلاثة اشياء: الخمر مع انائها اذا صارت خلا بنفسها، والجلد (غير جلد الكلب والخنزير) المتنجس بالموت يطهر ظاهره وباطنه بالدبغ، وما صار حيوانا كالميتة اذا صارت دودا لحدوث الحياة. (۱/ ۱۰۰،۱۰۱)

انقلاب حقیقت سے کیا مراد ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کی مندرجۂ ذیل تحریر مفید ہے:

انقلاب حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہ شے فی نفسہ اپنی حقیقت چھوڑ کر کسی دوسری حقیقت میں متبدل ہو جائے، جیسے: شراب سرکہ ہو جائے یا خون مشک بن جائے یا نطفہ گوشت کا لوتھڑا وغیرہ وغیرہ، کہ ان صورتوں میں شراب نے فی نفسہ اپنی حقیقت خمریہ اور خون نے اپنی حقیقت دمویہ اور نطفہ نے اپنی حقیقت منویہ چھوڑ دی اور دوسری حقیقت میں متبدل ہو گئے، حقیقت بدل جانے کا حکم اس وقت دیا جا سکتا ہے کہ حقیقتِ اُولیٰ منقلبہ کے آثار مختصہ اس میں باقی نہ رہیں، جیسا کہ امثلۂ مذکورہ میں پایا جاتا ہے کہ سرکہ بن جانے کے بعد شراب کے آثار مختصہ بالکل زائل ہو جاتے ہیں۔

بعض آثار کا زائل ہو جانا یا بوجہ قلت آثار کا محسوس نہ ہونا موجبِ انقلاب نہیں، جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، کہ اگر آٹے میں کچھ شراب ملا کر گوندھ لیا جائے اور روٹی پکائی جائے تو وہ روٹی ناپاک ہے، یا گھڑے دو گھڑے پانی میں تولہ دو تولہ شراب یا پیشاب مل جائے تو پانی ناپاک ہے؛ حالاں کہ روٹی یا پانی میں اس قلیل المقدار شراب کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا لیکن چونکہ شراب نے ان صورتوں میں فی نفسہ اپنی حقیقت نہیں چھوڑی ہے اس لیے ناپاکی کا حکم باقی ہے اور محسوس نہ ہونا بوجہ قلت اجزاء کے ہے چونکہ شراب کے اجزاء کم تھے اور آٹے کے زیادہ اس لیے وہ روٹی میں محسوس نہیں ہوئے، پس یہ اختلاط ہے نہ کہ انقلاب، اسی طرح حقیقتِ منقلبہ کی بعض کیفیاتِ غیر مختصہ کا باقی رہنا مانع انقلاب نہیں، جیسے: شراب کے سرکہ بن جانے کے بعد بھی اس کی رقت باقی رہتی ہے کیوں کہ رقت حقیقتِ خمریہ کے ساتھ اور دسومت حقیقتِ دھنیہ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ پس

انقلابِ عین کی وجہ سے تبدیل احکام کا حکم کرتے وقت بہت غور واحتیاط سے کام لینا ضروری ہے، کیوں کہ بسا اوقات انقلاب واختلاط میں اشتباہ پیش آجاتا ہے اور انقلاب کو اختلاط یا اختلاط کو انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ (کفایت المفتی ۲/۲۸۴)

اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش کرتا ہوں۔

(۱) اگر کیمیاوی عمل کے نتیجہ میں اس کی ماہیت بدل جاتی ہے، بایں طور کہ مکمل طور پر انقلابِ حقیقت ہوجاتا ہے تو اس کا استعمال درست ہے، ورنہ نہیں، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلھم تحریر فرماتے ہیں: ان كان العنصر المستخلص من الخنزير تستحيل ماهيته بعملية كيمياوية بحيث تنقلب حقيقته تماما، زالت حرمته و نجاسته، وان لم تنقلب حقيقته بقى على حرمته و نجاسته، لان انقلاب الحقيقة مؤثر فى زوال الطهارة و الحرمة عند الحنفية. (بحوث فى قضايافقهيه معاصرة ٣٤١)

(۲) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ایک میں گذرا۔

(۳) جواب کے شروع میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

(۴) الف، ب، ج، اس کی تفصیل بھی شروع میں آچکی ہے۔

(۵) عموم بلویٰ کی مراد سمجھنے کے لیے عبارتِ ذیل مفید ہوگی۔

يراد بقول الفقهاء "ما تعم به البلوىٰ" تلك الامور التى يتعذر او يتعسر التحرز منها بحيث يصعب على المرأ التخلص او الابتعاد عنه، وهذا السبب من اسباب التخفيف مظهر واضح من مظاهر التسامح واليسر فى الاحكام الشرعية خصوصا فى العبادات، والطهارات من النجاسات، وله امثلة كثيرة:

فيقال مثلاً لطين الشارع ممّا تعم به البلوىٰ، او المياه التى قد تنزل من

المیازیب امورا تعم بها البلویٰ، او سقوط زرق الطیور او العصافیر او بول مثلها علی الثیاب حین تنشر او تعم علی المساجد ومطاف الکعبة المشرفة وآثار النجاسة عسر زوالها وغبار الشوارع ودخان النجاسة ونحو ذلك.

وکخلاصته وعموم البلویٰ یظهر فی موضعین:

الاول: مسیس الحاجة فی عموم الاحوال بحیث یعسر الاستفناد عنه الا بمشقة زائدة.

الثانی: شیوع الوقوع والتلبس بحیث یعسر علی المکلف الاحتراز عنه او الانفکاف منه الا بمشقة زائدة، ففی الموضع الاول ابتلاء بمسیس الحاجة، وفی الموضع الثانی ابتلاء بمشقة الدفع.

الدلائل لاستنباط احکام عموم البلویٰ:

ویستنبط احکام عموم البلویٰ من الاحادیث وآثار الصحابة واقوال التابعین کما هي مصرحة فی کتب الفقه واصوله.

منها: کما جاء ان رسول اللّٰه ﷺ قال فی الهرة: ”انها لیست بنجس انها من الطوافین علیکم والطوافات“. رواه الخمسة، وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح، ووصفها بالطوافین والطوافات للدلالة علی کثرة الابتلاء بها.

ومنها: عن عمرؓ قال: کانت الکلاب تبول وتقبل وتدبر زمان رسو ل اللّٰه ﷺ فی المسجد، فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلك. اخرجه البخاری، وابوداؤد والترمذی.

ومنها: خرج عمر بن الخطاب وعمرو بن العاصؓ فی رکب حتی

وردوا حوضا فقال عمر وبن العاص لصاحب الحوض: يا صاحب الحوض ! هل ترد حوضك السباع ؟ فقال عمر بن الخطاب: يا صاحب الحوض ! لاتخبرنا فانا نرد على السباع وترد علينا. کما فی المنتقیٰ شرح المؤطا للباجی (۶۲/۱)

وفيه ان ورودها لم يعتبر، لان مالا يمكن الاحتراز عنه فمعفو عنه.

فبعد ملاحظة تلك النصوص والآثار وامثالها ممّا يتعلق بتقرير اصل عموم البلوىٰ يقرر ان الامر اذا عمت به البلوىٰ فان للشارع فيه نظرا يبتنى على شدة الحاجة اليه او مشقة التحرز منه، ومن هنا قالوا: ”ان عمت بليته خفت قضيته“ و ”ان الامر اذا ضاق اتسع“ كما فى الاشباه والنظائر لابن نجيم. (۱۱۷/۱)

القاعدة الرابعة: وليتنبه ههنا ان عموم البلوىٰ يعتبر فيما لا نص له واما فى موضع النص فلا اعتبار له كما فى بول الآدمى، فان البلوىٰ فيه اعم ولكن لا اعتبار له فيه. (المصباح فى رسم المفتى ومناهج الافتاء ۲/ ۲۲،۲۳،۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

جس حوض کی اندرونی گولائی بیالیس فٹ ہو وہ شرعی حوض نہیں

سوال: ہمارے یہاں ایک حوض ہے جس کی اندرونی گولائی بیالیس فٹ ہے، اور گہرائی پانچ فٹ ہے، اس حوض کا مندرجۂ ذیل صورتوں میں کیا حکم ہوگا؟

(۱) اگر کسی نے اس حوض میں غسل جنابت کرلیا تو کیا وہ حوض ناپاک ہو جائے گا؟

(۲) کوئی ناپاک چیز اس میں گرے تو کیا وہ ناپاک ہو جائے گا؟

(۳) اگر چھوٹے بچے اس میں نہاتے ہوں تو کیا وہ ناپاک ہو جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً:

جس حوض کی اندرونی گولائی ۴۲ فٹ ہے وہ شرعی حوض نہیں ہے، اس لیے غسلِ

جنابت سے اس کا پانی مستعمل ہو جائے گا بشرطیکہ غسل کرنے والے کے جسم پر نجاستِ حقیقیہ نہ ہو ورنہ ناپاک ہوگا، اسی طرح قلیل نجاست گرنے سے بھی وہ ناپاک قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ وہ ماءِ قلیل کے حکم میں ہے، نہانے والے چھوٹے بچوں کے جسم پر اگر نجاست لگی ہوئی ہے تو ناپاک ہو جائے گا۔ (شامی ۱/۱۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حوض کے درمیان ستونوں کا ہونا حوض کی مساحت پر اثر انداز نہ ہوگا

سوال: ایک مسجد کا حوض تعمیر ہو چکا ہے، اور فقہ حنفیہ کے اعتبار سے اس کی مساحت ۲۲۵ دوسو پچیس فٹ ہے لیکن اندرون حوض چار ستون قائم ہیں ان کی وسعت ۱۵×۱۵ انچ ہے، کیا یہ اصلی حوض کی مساحت پر اثر انداز ہوگا؟ موجودہ حوض کی مساحت ۲۳۰ فٹ ہے اور ستونوں کی مجموعی مساحت قریب دس فٹ ہے، اوران ستونوں پر چھت تعمیر ہو چکی ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

درمیان میں ستونوں کا ہونا پانی کے اتصال کو مانع نہیں ہے، اوران کا وجود حوض کی اصلی مساحت پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ ولو توضا فی اجمة القصب او من ارض فیها زرع متصل بعضه ببعض ان کان عشرا فی عشر یجوز واتصال القصب بالقصب لا یمنع اتصال الماء بالماء۔ (فتاوی عالمگیری ۱/۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان بعد الغسل کہی جائے

سوال: نوزائیدہ بچہ کو کان میں اذان پیدائش کے فوراً بعد کہی جائے یا بعد الغسل؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نہلا کر۔ (اختری بہشتی زیور ۶/۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سر میں تیل غسل جنابت کے لیے مانع نہیں

سوال: سر میں تیل جلد تک پانی پہنچنے کے لیے مانع تو نہیں کہ غسل جنابت میں چکناہٹ کو زائل کرنے والی چیز (صابون) کا استعمال ضروری ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر بالوں میں یا ہاتھ، پیروں میں تیل لگا ہوا ہے کہ بدن پر پانی اچھی طرح ٹھہرتا نہیں بلکہ پڑتے ہی ڈھلک جاتا ہے تو اس کا کچھ حرج نہیں، جب سارے بدن اور سارے سر پر پانی ڈال لیا، غسل ہوگیا۔ (بہشتی زیور ۱/ ۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کوے کا جھوٹا دودھ کیا ناپاک ہے؟

سوال: دودھ کے برتن میں دودھ رکھنے کے بعد کوے نے جھوٹا کیا تو شرعاً اس دودھ کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جو کوّا عامۃً ہماری بستیوں میں پایا جاتا ہے وہ دانہ غلہ بھی کھاتا ہے اور یہی اس کی غالب غذا ہے، اور کبھی غلاظت بھی کھالیتا ہے، پس اس کا حکم فقہاء کے نزدیک وہی ہے جو مرغی کا ہے، کہ اس کی غالب غذا غلہ و دانہ ہے اور کبھی غلاظت بھی کھالیتی ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۴۰) نجاست کھانے والی مرغی میں یہ تفصیل ہے کہ اس کی چونچ کی طہارت کا یقین ہے تو پانی پاک ہے، اور اگر چونچ کی نجاست کا یقین ہے تو پانی ناپاک ہے، اور اگر کسی امر کا یقین نہیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی ۱/ ۱۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس کنویں میں مینڈک گر کر پھول پھٹ گیا ہو اس پانی سے پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

سوال: ایک کنویں میں سے ایک دن شام کے وقت دو تین مینڈک مرے ہوئے بذریعۂ ڈول نکالے گئے، دیکھنے والوں میں سے بعض کا قول ہے کہ صرف مرے ہوئے تھے، بعض کا قول ہے کہ پھولے بھی تھے، پھر دوسرے دن صبح آٹھ نو بجے پانی میں بدبو آنے لگی اور کنویں میں کوئی چیز پھٹی ہوئی معلوم ہونے لگی، دیکھنے والوں میں اکثر کی رائے بلکہ تمام کا کہنا ہے کہ مینڈک ہی مر گیا ہے، جس کے ریشے پانی میں معلوم ہو رہے ہیں، اب اس کنویں کے پانی کا کیا حکم ہے؟ اس کنویں کے پانی سے کوئی چیز پکائی گئی ہو، جیسے: چاول، روٹی، سالن تو اس کھانے کا کیا حکم ہے اور اس پانی سے غسل اور وضو کر کے نماز پڑھی گئی ہو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

صورت مسئولہ میں مینڈک کے مر جانے اور پھول پھٹ جانے سے کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوا، اس لیے اس پانی سے وضو اور غسل کر کے جو نمازیں پڑھی گئیں وہ صحیح ہیں؛ البتہ اگر وہ پھول پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا اس پانی کو پینا اور اس سے پکایا ہوا کھانا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی ۱/۱۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ناپاک کنویں کا پانی نکالنے میں نیت ضروری نہیں

سوال: اگر کوئی کافر کنویں میں گر جائے اور کافر ناپاک ہو تو اس سے پورا کنواں ناپاک ہو جاتا ہے، لہٰذا تمام پانی کا نکالنا ضروری ہے لیکن جاننے کے باوجود لوگوں نے اس نیت سے نکالا کہ پانی پاک ہے اور اپنے استعمال میں لائے اور اس حد تک پانی نکالا کہ پورا کنواں خالی ہو گیا تو کیا اپنی استعمال کی نیت سے پانی نکالنے کی وجہ سے پانی نکالا ہوا شمار ہو گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جب پورا کنواں خالی کردیا گیا تو پاک ہوگیا نیت جو بھی ہو مقصود کنویں کو خالی کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر کوئی کنویں میں پیشاب کردے تو کنواں پاک کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک لڑکا ہے جس کی عمر چھ سال ہے ذہنی اعتبار سے مخبوط الحواس ہے، کسی طرح کی عقل اور سمجھ اس میں نہیں ہے، اکثر پاگلوں کی سی حرکت کرتا رہتا ہے اس نے ایک ماہ قبل مسجد کے کنویں میں پیشاب کردیا تھا اسی وقت سے ہم نے اس پانی سے وضوء کرنا چھوڑ دیا تھا، اب بارش کی وجہ سے کنواں بھر گیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کنویں میں پیشاب کرنے سے کنواں ناپاک ہوجائے گا، اور اگر ناپاک ہو گیا تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

صورت مسئولہ میں کنواں ناپاک ہوگیا، اس کے پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس کا تمام پانی نکال دیا جائے، جب سارا پانی نکل جائے گا تو کنواں پاک ہوجائے گا، کنویں کے اندر کے کنکر، دیوار وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں وہ سب آپ ہی آپ پاک ہوجاویں گے، اسی طرح رسی، ڈول جس سے پانی نکالا ہے، کنویں کے پاک ہونے سے آپ ہی آپ پاک ہوجائے گا، ان دونوں کے بھی دھونے کی ضرورت نہیں، سب پانی نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا نکالیں کہ پانی ختم ہوجاوے اور آدھا ڈول بھی نہ بھرے۔

(درمختار مع الشامی ۱/ ۱۵۵، ۱۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بھینس کے تھن گوبر آلود ہوتے ہوئے دودھ دوہنا

سوال: بمبئی میں جو بھینسوں کے اصطبل ہیں، اکثر بھینسوں کے اصطبل میں جو دودھ دوہا جاتا ہے، اس کے اندر یہ ہوتا ہے، کہ بھینس کا تھن گوبر آلود ہوتا ہے اور نوکر اسی حالت میں دوہتا ہے جس کی وجہ سے گوبر کے ذرات دودھ میں گرتے ہیں اور وہ دودھ دکانوں میں سپلائی کیا جاتا ہے، تو شرعاً یہ دودھ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

صورت مسئولہ میں دودھ ناپاک ہے، مالکین حضرات کو چاہیے کہ دودھ دوہنے والے ملازمین کو تاکید کردیں کہ تھن کو پاک پانی سے دھوکر دودھ دوہ لیا کریں۔ (شامی ۱/۲۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بھینسوں کو نہلانے کے حوض سے دودھ کے برتنوں کو دھونا

سوال: بھینسوں کے اصطبل میں دودھ کے برتنوں کو اس حوض کے پانی سے دھویا جاتا ہے جس حوض سے بھینسیں نہلائی جاتی ہیں اور اس حوض سے بھینس پانی بھی پیتی ہے، اور اس حوض میں غیر مسلم ملازمین اپنے کپڑے وغیرہ صاف کرتے ہیں اور بھینسوں کو جب حوض پر نہلایا جاتا ہے اس وقت ناپاک قطرات بھی اس میں گرتے ہیں اور وہ حوض نہ دہ در دہ (دس بائی دس) ہے اور نہ اس کا پانی جاری ہے، تو ایسے حوض سے دھوئے ہوئے برتنوں میں دودھ رکھنے سے شرعاً دودھ پاک رہے گا یا ناپاک؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ظاہر ہے مسئولہ حوض کے پانی سے دھویا ہوا ناپاک برتن پاک تو کیا ہوتا بلکہ پاک برتن ہوگا وہ بھی ناپاک ہو جائے گا، اور جو دودھ اس میں ڈالا جائے گا وہ بھی ناپاک

ہو جائے گا۔ کما هو ظاهر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حائضہ عورت قرآن کے علاوہ ذکر وغیرہ کر سکتی ہے

سوال: کیا حائضہ عورت ذکر وغیرہ کر سکتی ہے جب کہ اس کو نماز اور روزہ وغیرہ فرائض سے روکا گیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

حالتِ حیض میں قرآن کریم کی تلاوت کے سوا ہر قسم کا ذکر جائز ہے۔ (احسن الفتاوی ۲/۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورت کا بچہ کو دودھ پلانا ناقضِ وضو نہیں ہے

سوال: ایک عورت نے نماز کے لیے وضو کیا، پھر بچہ رونے لگا تو اس نے بچہ کو دودھ پلا دیا یا یہ کہ عورت نے فجر کی دو رکعت سنت ادا کی پھر بچہ کو دودھ پلایا اور فرض پڑھی، تو کیا نماز درست ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

عورت کا بچہ کو دودھ پلانا ناقضِ وضوء نہیں ہے، صورت مسئولہ میں محض اس لیے کہ اس عورت نے دودھ پلایا اور نیا وضوء کیے بغیر نماز پڑھی اس کی نماز کے درست ہونے میں کوئی شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں، کسی پاک چیز کا غیر سبیلین سے نکلنا ناقضِ وضوء نہیں، عورت کا دودھ پلانا بھی اسی میں داخل ہے۔ والشیء الطاهر اذا خرج من سبيلين انتقض الوضوء كالريح بخلاف غير سبيلين كالدمع والعرق. (السعاية ۱/۱۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ستر کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال: اگر کوئی آدمی نماز میں ہے، اس کا ستر ظاہر ہوگیا تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کوئی آدمی نماز کے باہر ہو تو اس کا وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نماز یا بیرون نماز ستر کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالے ہوئے مرغ کا کیا حکم ہے؟

سوال: آج کل عام طور پر مرغ ذبح کرنے کے بعد اسے گرم پانی میں ڈالتے ہیں تاکہ اس کے پَر آسانی سے نکل آئیں اور بعض مرتبہ آگ پر جھلسایا جاتا ہے، تو کیا اس طرح کرنے سے گوشت ناپاک ہوجائے گا، اگر گوشت ناپاک ہوجاتا ہو تو کیا گرم پانی میں تین مرتبہ دھونے سے وہ پاک ہوجائے گا؟ آج بالعموم بڑے شہروں کی تمام ہوٹلوں میں ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالی ہوئی مرغیاں ہی ہوتی ہیں، اور وہ حضرات جن کا گھر بار بمبئی میں نہیں ہے، وہ ہوٹل ہی میں کھانا کھاتے ہیں تو کیا عام ابتلاء کی وجہ سے کچھ رعایت ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر کھولتے ہوئے پانی میں مرغی ڈالی اور اتنی دیر اس کے اندر رکھی کہ اس کی پیٹ کی نجاست گوشت میں سرایت کر جانے کا ظن غالب ہو، تو یہ نجس ہوگی اور اس کے پاک کرنے کا بھی کوئی طریقہ نہیں؛ البتہ اگر پانی گرم ہو مگر کھول نہ رہا ہو اور مرغی اس میں بہت دیر تک نہیں رکھی یا کھولتے پانی میں ڈال کر فوراً نکالی تو اس کا گوشت ناپاک نہ ہوگا۔ (احسن الفتاوی ۲/۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلا وجہ غسل جنابت میں تاخیر کرنا برکات سے محروم کرنے والا ہے

سوال: لوگ کہتے ہیں کہ جنابت کی حالت میں زمین پر چلو تو زمین بددعاء دیتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

یہ چیز میرے علم میں نہیں ہے، بلا وجہ غسل جنابت میں تاخیر کرنا برکات سے محروم کرنے والا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر کوئی حالتِ حیض میں جماع کرے تو اس کا کیا کفارہ ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کرے تو شریعت میں اس کا کیا کفارہ ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

حالت حیض میں بیوی کے ساتھ جماع کرنا حرام ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اس گناہ سے توبہ کر لے، اور ایک دینار یا آدھے دینار کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔ فتلزمه التوبة ويندب تصدقه بدينار او نصفه. (در مختار) اگر خونِ حیض کا رنگ سیاہ تھا، اس زمانہ میں وطی کی ہو، تو ایک دینار کا صدقہ کرنا مستحب ہے، اور اس کا رنگ زرد ہو اس زمانہ میں وطی کی ہو تو آدھے دینار کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔ (شامی ۱/۲۱۸) ایک دینار سے مراد: چار ماشہ اور چار رتی کی مقدار سونا ہے یا اس کی قیمت۔ (اوزان شرعیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوائی کے ذریعہ بالوں کو بھورا بنانا، وضو اور غسل کا حکم

سوال: آج کل ایک انگریزی دوائی نکلی ہے جو عورتیں اپنے بالوں پر استعمال

کرتی ہیں، اس کے استعمال کے بعد بالوں کا رنگ بھورا ہو جاتا ہے، اس دوائی کے اندر شراب، الکحل (Al cohal) کے علاوہ مختلف قسم کی اشیاء (chemikal) ڈالے جاتے ہیں، اس دوائی کو سر کے بالوں پر لگانے کے بعد دو تین گھنٹے ویسے چھوڑے رکھتے ہیں اور اس کے بعد صابن، شیمپو وغیرہ سے سر کو دھویا جاتا ہے جس سے صرف بھورا رنگ باقی رہتا ہے، اور دوائی کا اثر پورا پورا چلا جاتا ہے، لہذا کیا یہ دوائی عورتیں استعمال کر سکتی ہیں؟ اس کے دھونے کے بعد وضوو غسل درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

حدیث شریف میں سفید بالوں پر خضاب کے استعمال کی اجازت بلکہ استحباب وارد ہوا ہے؛ البتہ یہ شرط ہے کہ استعمال کیے جانے والے خضاب کا رنگ سیاہ نہ ہو، سیاہ خضاب کا استعمال مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر بالوں کا رنگ اصلی اور فطری موجود ہے اس کے باوجود اس کو دوسرے رنگ سے بدلنا چاہے وہ سیاہ نہ ہو کہیں نظر سے نہیں گزرا، دورِ حاضر میں فیشن کے نام پر جو کام کیے جاتے ہیں انھیں کا ایک حصہ ہے، اور بلا ضرورت ہونے کے ساتھ تغییر خلق اللہ کا مصداق ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں، اس کے باوجود کسی عورت نے اس طرح اپنے بالوں کو بھورا بنالیا اور ایسا کرنے کی وجہ سے صرف رنگ میں تبدیلی آئی ہے بالوں کے اوپر کوئی پرت نہیں چڑھی تو وضو اور غسل درست ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الصلوۃ

دو تقویموں میں تقابل سے صبح صادق، طلوع وغروب اور شفق میں فرق کی بنیاد

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

سوال: ہمارے یہاں دو تقویمیں رائج ہیں، ایک تقویم میں مغرب اور عشاء اسی طرح صبح صادق اور طلوع آفتاب میں فاصلہ کم ہے، اور دوسری میں زیادہ۔ کم فاصلہ والی تقویم حاجی عبدالحفیظ منیار صاحب سورت والوں کی ہے، جو دارالعلوم کنتھاریہ سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اور زیادہ فاصلہ والی تقویم کا مدار مفتی کفایت اللہ صاحب کا وہ فتویٰ ہے، جو بحوالہ شامی، فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم میں شائع ہوا ہے، جس میں مغرب اور عشاء کے درمیان اسی طرح صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان مساوی فاصلہ بتلایا ہے، جو مفتی صاحب کے فتویٰ کے اعتبار سے ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کم نہیں، اور ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ سے زیادہ نہیں۔

اب سوال عام مہینوں سے زیادہ رمضان المبارک میں پیدا ہوتا ہے، کہ اگر رمضان المبارک میں ختم سحر حاجی عبدالحفیظ منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے کی جاوے، تو مفتی صاحب کے فتویٰ کے اعتبار سے ختم سحر بعد صبح صادق لازم آتی ہے۔ اور اگر مفتی صاحب والے فاصلہ کو صحیح مان کر عمل کیا جائے اور صبح صادق ہونے کے پانچ منٹ بعد اذان دی جائے، تو حاجی عبدالحفیظ صاحب کی تقویم کے اعتبار سے قبل صبح صادق اذان دینا لازم آتا ہے۔

مثلاً: اس سال رمضان المبارک کی ابتداء دسمبر کی اکیس کو منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے صبح صادق ۵:۵۲ کو تھی اور مفتی صاحب کے فاصلہ کے اعتبار سے صبح صادق ۵:۴۳ کو ہوتی ہے، اب ظاہر بات ہے کہ منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے اگر روزہ بند کیا جائے تو مفتی صاحب کے نزدیک روزہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح مفتی صاحب کی تقویم کے اعتبار سے فجر کی اذان دی جائے، تو منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے اذان صبح

صادق سے پہلے ہوگی، جو صحیح نہ ہوگی، تو برائے کرم تفصیل کے ساتھ بتلایئے کہ ہم کس پر عمل کریں کیونکہ یقیناً دو میں سے ایک صحیح ہے اور دوسری غلط۔ فقط والسلام

ازاحقر موسیٰ آچھودی دعاء گوودعاجو بچوں کا گھر آمود

ابراھیم سلیمان عیسیٰ آچھودی، ضلع بھروچ

ولی فلاحی عفی عنہ آچھودی علی بھائی ابراہیم عفی عنہ بچوں کا گھر آمود

خالد علی موسیٰ خانپوری

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آپ کے استفتاء کا جواب دینے سے پہلے کچھ وضاحت اور صراحت ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱): آپ کا استفتاء موصول ہونے کے بعد آپ پر تنقیح کی غرض سے ایک تحریر حسب ذیل مضمون پر مشتمل بھیجی تھی۔ آپ نے جن دو تقویموں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے ایک جناب عبدالحفیظ صاحب منیار والی تو ہمارے پاس موجود ہے البتہ دوسری تقویم جس کا مدار مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوی پر بتلایا ہے یہاں موجود نہیں ہے، برائے کرم آپ وہ تقویم احقر پر روانہ فرمائیں، اس کے جواب میں آپ نے ''احمدی تقویم'' ارسال فرمائی، آپ نے سوال میں جس دوسری تقویم کا حوالہ دیا اس سے مراد یہی تھی تو جس طرح پہلی تقویم کے سلسلہ میں مرتب اور شائع کنندہ کی تصریح فرمائی تھی اور حوالہ دے دیا تھا، اس دوسری تقویم کے معاملہ میں بھی شائع کنندہ کی تصریح فرما کر حوالہ دیدینا کافی تھا، لیکن آپ نے ایسا غالباً اس لیے نہیں کیا کہ آپ اس تقویم اصلی پر عمل نہیں کرتے بلکہ اس میں آپ نے ترمیم فرما رکھی ہے۔

(۲): مغرب اور عشاء کے درمیان فاصلہ کے سلسلہ میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ مختلف ہیں، صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیانی فاصلہ کا بھی یہی حال ہے، نمونہ کے

طور چند فتاویٰ نقل کرتا ہوں۔

امداد الفتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۴۹ پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ایک فتویٰ ہے۔

سوال (۱۴۸): کس قدر حصہ رات کا گذرنے سے وقت نماز عشاء شروع ہوتا ہے؟

الجواب: غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس پر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: تمام سال کے لیے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ الخ

امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۸ پر ایک اور فتویٰ ہے:

سوال (۱۴۸): ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اس وقت تک سحری کھانا درست ہے؟

الجواب: ۔ ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں۔ الخ

نوٹ از احقر: ان دونوں جوابات میں حضرت تھانویؒ نے ڈیڑھ گھنٹہ کا جو حساب لکھا ہے، یہ زیادہ سے زیادہ فاصلہ ہے، جو ہوسکتا ہے، یعنی جو آدمی سال بھر یہ اہتمام کرتا ہے کہ عشاء کی نماز ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد پڑھے، اس سے پہلے نہ پڑھے تو اس کی نماز عشاء درست ہو جائیگی، چناں چہ حضرتؒ کے اسی جواب کے متعلق ایک اشکال و جواب ''امداد الاحکام'' میں ہے:

حضرت اقدس نے ''امداد الفتاویٰ'' جلد اول میں وقت عشاء غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد تحریر فرمایا ہے بادی النظر میں شبہ سا ہوتا ہے، خوب سمجھ میں نہیں آیا، اس فرمان واجب الاذعان کے موافق اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے گھنٹہ یا سوا گھنٹہ بعد مغرب پڑھے تو درست ہونا چاہیے، مگر مشاہدہ نہیں مانتا۔ براہ کرم ذرا مکرر تفصیل فرمادی

جائے۔غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مدت بہت زیادہ سی معلوم ہوتی ہے۔

الجواب: اس کا مطلب یہ نہیں جو آپ نے سمجھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عشاء کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے پر پڑھنا چاہئے، عشاء اس سے پہلے نہ پڑھے، یہ مطلب نہیں کہ مغرب کی نماز اتنی دیر تک درست ہے چنانچہ عبارت سوال دیکھ کر کہ (سائل نماز عشاء پڑھنے کیلئے وقت عشاء دریافت کر رہا ہے، صفحہ ۶۴) یہ مطلب ظاہر ہے جو ہم نے بیان کیا۔(امداد الاحکام ۱/ ۳۱۵)

نوٹ از احقر: لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ کے مطابق پھر بھی اشکال باقی رہتا ہے، اس لیے کہ ان کے فتویٰ کے بموجب یکم جون سے یکم اگست تک مغرب وعشاء کا درمیانی فاصلہ ڈیڑھ گھنٹہ سے بھی زیادہ ہے اس لیے غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد فوراً پڑھی ہوئی نماز عشاء صحیح نہیں ہوگی۔(نوٹ کا مضمون ختم ہوا)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحبؒ کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

"پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہیئے"۔الخ (فتاوی دار العلوم مدلل مکمل ۲/ ۴۳) "اس کے بعد واضح ہو کہ شفق ابیض غروب آفتاب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غائب ہوتا ہے اور اس میں صیفاً وشتاءً چند منٹ کا تفاوت ہوتا ہے"۔(ایضاً ۲/ ۴۶)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ رقم طراز ہیں: "مغرب کا وقت عامۃً ہمارے اطراف میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کچھ کم رہتا ہے"۔(فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۳۶۹)۔

نوٹ از احقر: ان دونوں جوابات پر بھی وہی اشکال باقی رہتا ہے، جو حضرت تھانویؒ کے جوابات پر تھا، جس کی تفصیل اگلے نوٹ میں کر چکا ہوں (نوٹ کا مضمون ختم ہوا)

(۳): حقیقت یہ ہے کہ غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کا درمیانی فاصلہ اور

اسی طرح طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب کا درمیانی فاصلہ ہر جگہ اور ہر موسم میں یکساں نہیں رہتا بلکہ موسم اور مقام کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحؒ تحریر فرماتے ہیں: غروب شفق کا وقت اختلافات زمان ومکان سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۲/۲۰۱)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت شدہ ایک سوال اور ان کی طرف سے دیا گیا جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مغرب سے عشاء تک کتنا وقت ہونا چاہیے۔ ہمارے یہاں علماء کرام بعض کہتے ہیں کم سے کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ پر عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پینتیس منٹ پر عشاء کا وقت ہوجاتا ہے، بعض کہتے ہیں ایک گھنٹہ بیس منٹ پر عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ برائے کرم مفتیٰ بہ قول ذکر فرمائیں۔ بینوا توجروا.

الجواب باسم ملهم الصواب: مغرب اور عشاء کے درمیان خط استواء کے مقام پر معتدل ایام میں کم از کم ۵۷ منٹ ہے۔ اس وقت سفید شفق غروب ہوتی ہے، شفقِ سرخ اس سے بھی بارہ منٹ پہلے غروب ہوجاتی ہے، اس کے مطابق غروب آفتاب سے ۴۵ منٹ کے بعد وقت عشاء شروع ہو جائے گا، یہ قول ارجح ہے اور قول اول احوط، دوسرے ایام اور دوسرے مقامات میں اس سے زیادہ وقت ہوتا ہے اور زیادتی کی کوئی تحدید نہیں حتیٰ کہ بلغار میں موسم گرما میں عشاء کا وقت آتا ہی نہیں، اس وقت کی مقدار ہر شہر اور ہر موسم میں مختلف ہے۔ الخ (احسن الفتاویٰ ۲/ ۱۴۶)

آگے ایک اور مقام میں تحریر فرماتے ہیں: بعض علماء نے منتہاء سحر وطلوع آفتاب

کے درمیان کچھ وقت (مثلاً ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش) کی تعیین فرمائی ہے، اس سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں، کہ ہر موسم میں ہر مقام پر طلوع اور صبح صادق کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ امر تو بداہۃً غلط ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ وقفہ ہر تاریخ میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتا ہے، اس کی تصدیق مشاہدات سے بھی کی جاسکتی ہے اور مختلف مقامات کے اوقات نماز کے پرانے نقشوں سے بھی۔ الخ (احسن الفتاویٰ ۲/۱۸۳)

(۴): کسی بھی فن سے استفادہ کے شرائط میں سے یہ ہے، کہ اس فن کے اصول و قیود کی رعایت کی جائے، اوقات نماز کی تعیین کیلئے جو جنتریاں تیار کی جاتی ہیں اس کا تعلق فن ہیئت سے ہے، سو اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جب بھی کوئی ماہر فن جنتری تیار کرنا چاہتا ہے، تو وہ پہلے اس مقام کی تعیین کرتا ہے جس کے لیے جنتری تیار کرنا مطلوب ہو، پھر اس مقام کا عرض البلد طول البلد معلوم کر کے اس کے مطابق جنتری تیار کرتا ہے، پھر وہ جنتری اس مقام میں بھی کام دے سکتی ہے، جہاں کا طلوع وغروب اس مقام کے طلوع و غروب کے موافق ہو جس کیلئے جنتری تیار کی گئی ہے، اور جن مقامات کا طلوع وغروب مکمل طور پر تو موافق نہ ہو لیکن دو تین منٹ کا فرق ہو ان مقامات میں بھی اتنی احتیاط کرتے ہوئے کام دے سکتی ہے، مثلاً: شہر سورت کا طول البلد ۷۲ درجہ، اور ۵۲ دقیقہ ہے، اور عرض البلد ۲۱ درجہ، اور ۱۲ دقیقہ ہے، اب اگر کوئی جنتری سورت کیلئے تیار کی جائے تو وہ مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ دوسرے مقامات کیلئے بھی کارآمد ہوسکتی ہے، اسی اصول کے پیش نظر ماہرین کی تیار کردہ تمام جنتریوں میں اس بات کی صراحت ہوتی ہے، کہ یہ جنتری فلاں مقام کے لیے تیار کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ فلاں فلاں مقامات کے لیے کام دے سکتی ہے، اس اصول کے پیش نظر دیکھا جائے تو آپ نے

اپنے سوال میں جن دو جنتریوں کے متعلق دریافت کیا ہے، ان میں سے ایک یعنی جناب الحاج عبدالحفیظ منیار صاحب کی تیار کردہ جنتری اصول فن کے مطابق ہے، جب کہ دوسری جنتری جس کا زیروکس zerox آپ نے بھیجا ہے اس میں اس قسم کی کوئی وضاحت اور ہدایت نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ جنتری پورے گجرات میں جہاں جہاں بھی استعمال ہوتی ہے وہاں اسی طرح استعمال میں لائی جارہی ہے، چاہے وہ گجرات کا مشرقی علاقہ ہو یا مغربی، شمالی ہو یا جنوبی، حالانکہ یہ بداھۃً غلط ہے آپ نے اصل جنتری کے عشاء وفجر کے اوقات میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ کو بنیاد بنا کر تغیر وتبدل کردیا، اس کی وجہ سے دیگر اوقات نماز کے معاملہ میں آپ کا ذمہ بری نہیں ہوجاتا، آپ کا یہ رویہ تو مزید اعتراض پیدا کرتا ہے کہ جس جنتری کے اوقات عشاء وفجر قابل اعتماد نہیں، اس کے دیگر اوقات نماز کیونکر قابل اعتماد قرار پائے؟ ممکن ہے آپ طلوع وغروب کیلئے مشاہدہ کو دلیل میں پیش فرما کر جواب دیں کہ ہم نے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کرلی ہے لیکن مثل اور مثلین (یعنی عصر شافعی وحنفی) کے سلسلہ میں تو یہ دلیل بھی کارآمد نہیں ہوگی، بہر حال آپ نے عملی طور پر جو انداز اختیار کیا ہے وہ محض آپ کا (یا آپ کی بستی والوں کا) تفرد ہے، جس میں آپ کا حال "نؤمن ببعض و نکفر ببعض" کے مشابہ ہوجاتا ہے، اور اصول فن کی رو سے بھی یہ جنتری قابل اعتراض ہے۔

(۵): حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب کے جس فتویٰ کا آپ نے اپنے سوال میں حوالہ دیا ہے، اس میں غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کے درمیان جو فاصلہ گھنٹہ اور منٹ کی تعیین کے ساتھ دیا گیا ہے، اس کے متعلق یہ یاد رہے کہ یہ تعیین شامی سے نہیں لی گئی ہے بلکہ شامی کے حوالہ سے تو صرف اتنا بتلایا گیا ہے کہ فجرین (یعنی صبح صادق

اور صبح کاذب) کا درمیانی فاصلہ تین درجات کے بقدر ہوتا ہے، اسی طرح شفقین (یعنی شفق احمر اور شفق ابیض) کا درمیانی فاصلہ تین درجات کے بقدر ہوتا ہے، یہ یاد رہے کہ اہل ہیئت کے یہاں ایک درجہ کی مقدار عموماً چار منٹ شمار ہوتی ہے، اس حساب سے یہ فاصلہ بارہ منٹ کا ہوتا ہے، کسی بھی فقہی کتاب میں آپ کو مغرب وعشاء کے درمیانی فاصلہ کی تعیین گھنٹہ اور منٹ کے حساب سے نہیں ملے گی، اور یہ ممکن بھی نہیں اس لیے کہ جیسا کہ آگے نمبر (۳) میں تفصیل سے بتلا چکا ہوں کہ یہ فاصلہ مکان وزمان کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اس لیے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ میں مذکور نقشہ کے متعلق اتنی بات تو یقینی اور حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ یہ نقشہ تمام انڈیا اور اس کے تمام علاقوں یا شہروں کے لیے نہیں ہے، بلکہ نمبر (۴) کی وضاحت کے مطابق کسی خاص مقام کو سامنے رکھ کر تیار کرایا گیا ہے، اس لیے اس کو اسی مقام اور اس کے قرب وجوار میں واقع مقامات کے لیے (اس فن کے اصول وقیود کے مطابق) استعمال کیا جا سکتا ہے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس مقام کے لیے ہے؟ تو خود اس فتویٰ میں تو اس کی صراحت نہیں ہے، البتہ کفایت المفتی ۳/۳۲ میں حضرت مفتی صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''مغرب کا وقت غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے ایک گھنٹہ پینتیس منٹ تک مختلف موسموں کے لحاظ سے رہتا ہے، ایک گھنٹہ بیس منٹ سے کم نہیں ہے، اور ایک گھنٹہ پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں ہے، یہ مستفتی جس کے سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے مذکورہ عبارت تحریر فرمائی ہے، بارک پور کا رہنے والا ہے اور یہ مقام مغربی بنگال میں واقع ہے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تھانہ بھون کے اوقات نماز کے لیے ایک نقشہ تیار فرمایا ہے جس کا نام ''الساعات للطاعات'' رکھا ہے اس میں چند

تنبیہات تحریر فرمائی ہیں: نمبر ۵ میں ہے صبح صادق اور طلوع شمس میں فرق کم سے کم بماہ فروری و مارچ و دسمبر واکتوبر ایک گھنٹہ بیس منٹ، اور زیادہ سے زیادہ بماہ جون شروع جولائی ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ ہوتا ہے۔ (بوادر النوادر ۲/ ۴۲۹) اس کے بعد اسی رسالہ میں اضافہ وترمیم کے نام سے ایک مضمون اخیر میں دیا اس میں ''مقام ثانی ترمیم'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں: یہ نقشہ بالا ان مقامات میں تو بلا کسی قید کے کام دے سکتا ہے جہاں کا طلوع وغروب یہاں کے طلوع وغروب کے موافق ہو اور جن مقامات کا طلوع وغروب یہاں سے مقدم و مؤخر ہو وہاں بھی ایک قید سے کام دے سکتا ہے، وہ قید یہ ہے کہ وہاں کے دن کی مقدار یہاں کے دن کی مقدار کے برابر ہو اور وہاں کی رات کی مقدار یہاں کی رات کی مقدار کے برابر ہو، پھر اگر چہ طلوع وغروب یہاں کے موافق نہ ہو تو اگر۔ الخ (بوادر النوادر ۲/۴۳۲)

حضرت تھانویؒ نے اس نقشہ میں ماہ دسمبر میں طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب کا فرق ایک گھنٹہ بیس منٹ بتلایا ہے، اس سے قطع نظر کہ یہ فرق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے اس تاریخ میں بتلائے ہوئے فرق سے آٹھ منٹ کم ہے، ہم اگر اکیس دسمبر کا تھانہ بھون کا طلوع وغروب دیکھ کر وہاں کے دن کی مقدار معلوم کرتے ہیں تو وہ دس گھنٹہ سترہ منٹ ہوتی ہے، اور سورت کا اسی دن کا طلوع وغروب (آپ کی مرسلہ تقویم کے مطابق) دیکھ کر سورت کے دن کی مقدار معلوم کرتے ہیں تو دس گھنٹہ چون منٹ ہوتی ہے، حضرت تھانویؒ نے نقشہ اوقات کے استعمال کیلئے جو اصول ''مقام ثانی ترمیم'' کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ نقشہ یہاں کارآمد نہیں جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ نکلا کہ صبح صادق اور طلوع آفتاب کا درمیانی فاصلہ جو وہاں ایک گھنٹہ بیس منٹ ہے، سورت میں فاصلہ کی یہی مقدار نہیں بلکہ الگ ہے۔

(۶): ماہرین فن جو جنتریاں تیار کرتے ہیں، باوجود اس کے کہ اصول وقواعد فن کی رعایت کرتے ہوئے وہ جنتریاں تیار کی جاتی ہیں لیکن ان میں بھی اختلاف وفرق ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کے تیار کرنے والے وہ حضرات ہیں جن کی مہارت وثقاہت مسلم ہوتی ہے، اس کے بعد جو حضرات مفتیان عظام اور علماء کرام ان کی تصدیق وتائید فرماتے ہیں وہ بھی ان تیار کرنے والے حضرات کی فنی مہارت وشہرت پر اعتماد کرتے ہوئے غلبۂ ظن کی بنیاد پر تائید وتصویب کرتے ہیں، نہ وہ جنتریاں قطعی ہیں کہ ان میں سہو ونسیان کا امکان نہ ہو، اور نہ حضرات علماء کی طرف سے کی گئی تائید وتصویب قطعی ہے کہ اس کو نص قطعی کا درجہ دے کر دوسروں کی تغلیط وتردید کی جائے، جب مذاہب فقہیہ اربعہ کے مسائل اجتہادیہ میں قطعیت کا دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں ہے حالاں کہ ان کی بنیاد دلائل اربعہ پر ہے تو پھر جنتریوں کے معاملہ میں یہ غلو کیا معنی رکھتا ہے؟

ایسا ہی ایک سوال سیدی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ سے کیا گیا، اس کا حضرتؒ نے جو جواب دیا وہ چشم کشا، اور دل ودماغ کے تمام شکوک وشبہات کی جڑ کاٹنے والا ہے، اور حضرتؒ کی عمیق فقہی بصیرت کا غماز، لیجیے اس کو پڑھ لیجیے:

سوال: پاکستان سے ایک تحقیق بہ سلسلۂ وقت فجر وعشاء شائع ہوئی ہے کہ صبح صادق کا وقت جو کہ جنتریوں میں چھپتا ہے وہ صحیح نہیں ہے، رمضان شریف میں اس وقت کے لحاظ سے نماز فجر قبل طلوع صبح صادق ہو جاتی ہے، جب کہ متصل ختم وقت سحر پڑھی جاوے، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ تحقیق آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص نماز فجر متصل وقت سحر پڑھے تو وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: مجھے فلکیات میں درک نہیں ہے، ایک دفعہ مدرسہ

کی جانب سے افطار وسحر سے متعلق جنتری کا مرتب کرنا میرے سپرد کر دیا گیا تھا اس لیے صبح صادق، طلوع یا زوال، مثلین یا غروبِ شمس، غروب شفق کی تحقیق وتفتیش کے لیے متعدد جنتریوں کو سامنے رکھا، دور بین سے دیکھا، دھوپ گھڑی سے کام لیا، قطب نما اور قبلہ نما سے مدد لی، ایک ہی مقام سے متعلق ایک سے لیکر ۱۸/ منٹ تک فرق نکلا۔ تقریباً دو ہفتہ تک کوشش کر کے معذرت کر دی تھی کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ ایک ضلع کے ایک قصبہ میں ایک وقت سحری کھائی جا رہی ہے، اور اسی وقت دوسرے قصبہ میں نماز فجر ادا کی جا رہی ہے۔ اب یا تو ایک قصبہ والوں کے روزے غلط، یا دوسرے قصبہ والوں کی نماز فجر غلط۔ جنتری اور نقشہ دونوں کے پاس موجود۔ گھڑی دونوں تار سے ملاتے ہیں اور بعض نصف النہار سے بھی ملاتے ہیں اور ہر جنتری کو تصدیق علماء کا شرف بھی حاصل ہے۔ اگر سحری صبح کے وقت مشتہر سے قبل ختم کر دی جائے اور نماز فجر اسفار میں ادا کی جائے جو کہ اصل مذہب ہے تو کوئی خدشہ نہ رہے یا اسفار میں نہ ہو تو کم از کم اتنا تو لحاظ کر لیا جائے کہ یہ خدشہ دفع ہو کر نماز بالتعیین صحیح وقت پر ادا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۳۹۱)

مذکورہ بالا تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔

اسلامی احکامات سے واقف حضرات پر یہ مخفی نہیں کہ اسلام تمام امور میں سادگی و بے تکلفی اور فطری طریقے اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اور ہر ہمہ گیر مذہب کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے، کیونکہ آلات اور فنی حسابات کے جاننے والے لوگوں کا اور اس سے متعلق چیزوں اور آلات کا ہر جگہ مہیا ہونا یقینی نہیں ہوتا، اگر ان فنی اصول و آلات پر احکام شرعیہ کا دارومدار ہوتا تو وہ بہت سے لوگوں بلکہ شاید اکثریت کے لیے نا قابل عمل ہو جاتے یا طویل مدت (آلات کے ایجاد کا زمانہ آنے تک) عمل نہ ہو سکتا۔ اسلام جس کے مخاطب عرب و

عجم، دیہاتی اور شہری آبادیوں سے دور اور وسائل زندگی سے مہجور، صحرا نورد و بادیہ نشیں اور خلاباز و کوہ پیما؛ غرضیکہ ہر طرح اور سطح کے لوگ ہیں اس کے قوانین میں سب ہی کی رعایت کی گئی ہے، اس وجہ سے ہر عمل کا وہ طریقہ بتلایا گیا ہے جو سب کے لیے آسان ہو اور اس کی تعمیل ''تکلیف مالا یطاق'' کا مصداق نہ ہو، چنانچہ عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز جس کا تعلق وقت سے ہے، اس کے وقت کی تعیین کے سلسلہ میں بھی شریعت نے اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی بنیاد آفتاب کے طلوع وغروب وزوال اور صبح و شفق جیسی آسمانی نشانیوں پر رکھی جن کا پہچاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر خواندہ اور ناخواندہ، شہری و دیہاتی کے لیے بسہولت ممکن ہے۔ اور شروع اسلام سے لے کر آلات رصدیہ کی ایجاد تک بلکہ اس کے بعد بھی آج تک ان مقامات میں جہاں ان کا حصول دشوار ہے، اسی کے مطابق عمل ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔ البتہ بعض عارضی عوامل وموانع (ابر وبارش وغیرہ) کی وجہ سے ان علامتوں کی تعیین یا پہچان بعض لوگوں کے لیے دشوار ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں شریعت ہی کے ایک دوسرے بنیادی اصول (یعنی جہاں قطعی علم ومعرفت ممکن نہ ہو یا دشوار ہو غلبۂ ظن کو اس کے قائم مقام شمار کیا جائے) پر چلنے کی بھی اجازت دی ہے۔ اسی غلبۂ ظن کے حصول کا ایک طریقہ وہ جنتریاں بھی ہیں جو فن ہیئت کے اصول وقواعد کے مطابق تیار کی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض مرتبہ فن کے جاننے والوں میں ان کی مہارت وثقاہت وحذاقت کے باوجود اختلافات ہوتے ہیں۔ مثلاً اطباء میں مرض کی تعیین وتشخیص اور علاج کی تجویز اور طریق علاج میں اختلاف ہوتا ہے، اور یہ اختلاف لوگوں کو اس فن سے استفادہ سے مانع اور رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ ایسے مواقع میں ہر آدمی اس کو جس پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے اس کی بات پر عمل کرتا ہے، اور اپنا کام چلاتا ہے، یہاں بھی اسی

اصول کو مدنظر رکھ کر جس کی مہارت وثقاہت وحذاقت پر اعتماد ہو اور اس کی تیار کردہ جنتری سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے اس پر شرعاً عمل کرنے کی اجازت ہے، یہ حکم خود عمل کرنیوالے کے لیے ہے لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ دوسرے پر یہ حکم لازم کردے؛ بلکہ اگر دوسرے آدمی کو دوسرے کی تیار کردہ جنتری پر اعتماد ہو، اور وہ اس پر عمل کررہا ہے تو اس کو اس پر عمل کرنے سے منع نہیں کرسکتا، اب اگر کوئی احتیاطی پہلو کو مدّنظر رکھتے ہوئے ایسی صورت اختیار کرے کہ دونوں جنتریوں کے مطابق عبادات کی یقینی ہو جائے، اور کوئی شک وشبہ نہ رہے، تو یہ بہتر اور افضل کہلائے گا، اب ایک جواب فقیہ الامّت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کا نقل کرتا ہوں جس میں یہی بات مختصر اور جامع عبارت میں پیش کی گئی ہے۔

سوال: ہر شہر میں مقامی ریلوے وقت، پوسٹ کا نماز کے لیے مقامی وقت میں آدھا گھنٹہ سے زیادہ فرق پڑ جاتا ہے، اس لیے شریعت کے مسئلہ سے واقف کرائیں تاکہ مقامی لوگوں کو وقت نماز صحیح معلوم ہو جائے، چندلوگوں نے ریڈیو کے وقت پر زور دیا ہے، مشاہدہ ہے کہ بجلی کی کڑک اور چمک سے دو تین سکنڈ اور زیادہ بھی فرق پڑ جاتا ہے، گوایک ہی میل کے اندر ہی واقع ہوتے ہیں بجلی سے چلائی جانے والی ریڈیو، رصدگاہ مدراس سے ہم تک سو کیلومیٹر سے زائد ہے، چار پانچ منٹ کا فرق ہو جاتا ہے، اکثر مسجدوں میں صحیح وقت بتانے والی گھڑی مستعمل ہے جو بہت ہی قیمتی ہے اس کے پرزے گرمی اور جاڑے میں صحیح وقت بتاتے ہیں، ایسی گھڑی کا استعمال کرنا لازم ہے یا اندازہ سے نماز ادا کرلینی چاہئے، مقامی وقت (جس مسجد میں) دریافت کرلینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اوقات الصلوٰۃ کے مطابق غروب آفتاب میں دس منٹ زیادہ کرلیتے ہیں، ایک مقام پر طلوع اور غروب میں کتنے منٹ کا اضافہ کرلینا چاہیے؟ شہر میں کئی مسجدیں ہوں ایک ساتھ اذان دینا ناممکن

ہے، اگر آگے پیچھے ہو جائیں تو کیا درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً: اوقات نماز کی تعیین اصالۃً علامات سماویہ سے کی جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے انہیں علامات سے جنتریاں بنائی جاتی ہیں، اگر ان علامات سے واقفیت نہ ہو، ابر و باراں وغیرہ کی وجہ سے علامات کا ظہور نہ ہو تو واقفینِ فن کی بنائی جنتریوں پر مجبوراً اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ جس جنتری اور جس گھڑی پر صحت کا ظن غالب ہو اور تجربہ سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو چکا ہو اس کے مطابق عمل کر لینا براءۃ ذمہ کے لیے انشاء اللہ کافی ہے۔ طلوع، غروب، زوال، صبح صادق کا وقت ہر علاقہ میں یکساں نہیں۔ اس لیے اوقات نماز میں بھی تفاوت ہو جاتا ہے۔ ایک ہی شہر کے متعدد مساجد میں اگر اذانیں قدرے تفاوت سے ہوں تب بھی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۳۴۵)

خلاصۂ جواب یہ ہے۔

عملی طور پر آپ کے لیے دو صورتیں ہیں، (۱): پہلی صورت جو مستحسن و احتیاط والی ہے وہ یہ ہے، کہ آپ اس طرح عمل کریں کہ دونوں تقویموں کے اعتبار سے آپ کا روزہ اور اذان و نماز درست ہو جائیں، مثلاً: آپ کی سوال میں ذکر کردہ تاریخ اکیس دسمبر کو آپ روزہ تو ۵:۴۳ سے پہلے بند کر دیں، اور اذان ۵:۵۲ کے بعد دیں۔

(۲): دوسری صورت جو جائز ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں میں سے جس تقویم پر اعتما ہو اس عمل کریں، لیکن دوسری تقویم پر عمل کرنے والے کی تغلیط نہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: اس جگہ یہ بتلا دینا مناسب سمجھتا ہوں، کہ منیار صاحب کی تیار فرمودہ تقویم کو مفتیان گجرات کی تصدیق کا شرف حاصل ہے، اور جس حسابی فارمولہ کے مطابق یہ تیار کی گئی ہے، اس کے مطابق کراچی میں تیار کیے گئے ”عالمی نقشۂ اوقات نماز“ کو

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ (صدر مفتی وشیخ الحدیث مدرسہ بنوریہ کراچی) اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث ومفتی دارالعلوم کراچی) کی تصدیق کا شرف، اور اسی حسابی فارمولہ کے مطابق دہلی میں تیار کردہ کتابچہ اوقات الصلوٰۃ کو حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب مدظلہم (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ماہر علم ہیئت) اور مولانا انظر شاہ صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند) اور دیگر حضرات علماء کی تصدیق کا شرف حاصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/صفر ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نماز کا ٹائم ٹیبل بنانے میں احتیاط والے قول کی رعایت

سوال: جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی مندرجۂ ذیل سوالات کے جوابات شریعت محمدی کی روشنی میں فقہ حنفی کے مطابق جوابات دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں، ہم کو ممنون ومشکور فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(ا): ہمارے یہاں عشاء کا وقت علماء یوکے کے فتویٰ کے مطابق مئی، جون، جولائی، ان تین مہینوں میں غروب کے ایک گھنٹہ بعد شروع ہوجاتا ہے۔

(ب): اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر، جنوری، فروری، مارچ، اپریل کے مہینوں میں رات کے ساتویں حصہ کے بعد شروع عشاء کا وقت شمار کریں تو کیا یہ صحیح وقت شمار ہوگا؟

ساتواں حصہ رات کا غروب شمس سے طلوع آفتاب کا جتنا وقت ہے، اس میں سے ساتواں حصہ اور اس کے مطابق پورے سال کا ٹائم ٹیبل بنایا جائے تو صحیح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

عشاء کا وقت مغرب کے بعد شروع ہوتا ہے، اور مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے۔ شفق کی تفسیر میں دو قول ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد سرخی ہے اسی کو نور الایضاح ۵۸ اور شرح وقایہ ۱/ ۱۳۰ اور درمختار (علی ھامش الشامی) ۱/ ۲۴۱ میں مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، یہی صاحبینؒ کا قول ہے۔ دوم یہ ہے کہ اس سے مراد سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے، اور یہ امام صاحبؒ کا قول ہے اور علامہ ابن ہمامؒ نے اسی کو قوی بتلایا ہے۔ (فتح القدیر ۱/ ۲۲۲، ۲۲۳) علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق ۱/ ۲۵۹ میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ دونوں کی رعایت کی جائے، جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ ۱/ ۳۸ میں تحریر فرمایا ہے، غروب شفق کا یہ وقت اختلافات زمان و مکان کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے، آپ اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر ٹائم ٹیبل تیار فرما سکتے ہیں۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری جگہ اسی وقت کو پایا تو کیا دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر ہوائی جہاز پر سوار ہو کر ایسی جگہ پہنچا جہاں ابھی ظہر کا وقت داخل نہیں ہوا تھا، پھر اس جگہ آدھے گھنٹہ کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوا، تو اب اس شخص کو دو مرتبہ ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الواضحہ توجروا یوم القیامۃ۔

المستفتی: احقر محمد کلیم لوہاروی خادم دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اصل جواب سے پہلے اس سے متعلق عبارتیں اور ان عبارتوں سے مستفاد امور

پیش کرتا ہوں:

(۱): قال المحقق ابن الهمام: تواطأت اخبار الاسراء من فرض اللّٰه تعالیٰ الصلوة خمسا بعد ما امروا اولا بخمسين ثم استقر الأمر على الخمس شرعا عاما لأهل الآفاق، لاتفصيل فيه بين اهل قطر و قطر (الى ان قال)۔ فاستفدنا أن الواجب فى نفس الأمر خمس على العموم غير ان توزيعها على تلك الأوقات عند وجودها و لا يسقط بعدمها الوجوب و كذا قال صلى اللّٰه عليه و سلم خمس صلوات كتبهن اللّٰه على العباد (فتح القدير ۱/ ۲۲٤)

قال الشيخ عبد الرحمٰن الجزيرى فى كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: اما السنة الصحيحة الدالة على ان عدد الصلوات خمس فهى كثيرة بلغت مبلغ التواتر (الى ان قال) ولهٰذا فقد اجمع ائمة المسلمين على ان الصلوات المفروضة خمس صلوات وهى الظهر و العصر الخ (۱/۱۷۹،۱۸۰)

عبارت بالا سے مستفاد ہوا کہ رات دن میں صرف پانچ ہی نمازیں فرض ہیں، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو متواتر و متوارث ہونے کے ساتھ مجمع علیہ بھی ہے۔

(۲): قال النبى ﷺ: لا تصلىٰ صلوة مكتوبة فى يوم مرتين. (سنن دار قطنى، باب لايصلى المكتوبة فى يوم مرتين) و ايضاًقال: لاتصلوا صلوة فى يوم مرتين. (ابو داؤدشريف ص۹۳ باب اذا صلى فى جماعة ثم ادرك جماعة أ يعيد) (نسائى شريف ص۱۳۸ باب سقوط الصلوة عمن صلى مع الامام فى المسجد جماعة انظر لتخريجه "نصب الراية" للزيلعى ۲/ ۱۳۸،۱۳۹، مع الهامش)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک فرض نماز جب ایک مرتبہ تمام شرائط وارکان وواجبات وغیرہ کی رعایت کے ساتھ ادا کر لی گئی، تو پھر دوبارہ بحیثیت فرض اس کا اعادہ درست نہیں ہے۔

(۳): وھل تثبت صفة الجواز للمأمور به اذا اتی به قال بعض المتکلمین لا و الصحیح عند الفقهاء انه تثبت به صفة الجواز للمأمور به و انتفاء الکراھة (منار الانوار للعلامة النسفیؒ) ای المذھب الصحیح عندنا انه تثبت بمجرد ایجاد الفعل صفة الجواز للمامور به وھو حصول الامتثال علی ما کلف به والا یلزم تکلیف مالایطاق ثم اذا ظھر الفساد بدلیل مستقل بعده یعیده. (نور الانوار ص ۵۱)

لو قال کغیره و ھل الاتیان بالمامور به یوجب الاجزاء لکان اولیٰ و فی العضد اعلم ان الاجزاء یفسر بتفسیرین احدھما حصول الامتثال به و الآخر سقوط القضاء فان فسرّ بالأول فلا شك ان الاتیان بالمأمور به یحققه و ذلك متفق علیه و ان فسّر سقوط القضاء فقد اختلف فیه و المختار ان یستلزمه.

(نسمات الاسحار للعلامة الشامیؒ)

عبارت بالا سے مستفاد ہوا کہ جب مامور بہ کو اس کے جملہ شرائط وارکان و واجبات وغیرہ کی مکمل رعایت کے ساتھ ادا کر دیا گیا تو بندہ کا ذمہ بری ہوگیا، اور اب دوبارہ اس پر اسی مامور بہ کی ادائیگی لازم نہ ہوگی۔

(٤): اعلم ان سبب وجوب الصلوة بایجاب اللّٰه تعالیٰ فی حقنا الوقت ولھٰذا تضاف الصلوة الیه فیقال صلوة العصر وکذلك سبب وجوب الصوم الوقت وھو شھر رمضان (الی ان قال) وھذه طریقة المتئاخرین فمرادھم من الاسباب، الاسباب الظاھرة واما المشایخ المتقدمون فیقولون سبب وجوب العبادة نعم اللّٰه علینا شکرا لھا للایمان ...... وجب شکرا لنعمة الوجود فی النطق وکمال العقل، والصلوة وجبت شکرا لنعمة الاعضاء السلیمة والصوم وجب شکرا

لنعمة اقتضاء الشهوات و الزكوة وجبت شكرا لنعمة المال والحج وجب شكر النعمة البيت فمرادهم بالاسباب الحقيقة. (تسهيل الوصول الى علم الاصول ص٢٥٦)

اعلم ان اصول الدين و فروعه مشروعة باسبابٍ جعلها الشرع اسبابا لها كالحج بالبيت و الصوم بالشهر و الصلوة باوقاتها. (حسامی ص٥٤)

وحاصله ان لاحكام الشرع اسبابا تضاف اليها والموجب والشارع لها في الحقيقة هو اللّٰه تعالىٰ دون السبب لان الموجب للاحكام هو اللّٰه تعالىٰ وحده. (نامی شرح حسامی ١١٦)

ثم ههنا شيئان نفس الوجوب و وجوب الاداء، فنفس الوجوب سببه الحقيقي هو الايجاب القديم وسببه الظاهري وهو الوقت. (نور الانوار ص٥٣)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ وجوب کی نسبت اسباب کی طرف ظاہری ہے، ورنہ درحقیقت موجب تو اللہ کی ذات ہے، اور باری تعالیٰ نے (جیسا کہ حدیث معراج میں ہے) فرمادیا ہے: هي خمس و هي خمسون لايبدل القول لدى ......

نیز آنحضرت ﷺ نے خبر دیدی کہ خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ اور سبب ظاہری کے وجود میں آجانے پر جب بندہ نے امتثالِ امرِ الٰہی کر دیا تو براءۃِ ذمہ ہوگئی، اب اس پر اسی دن وجوب مکرر نہ ہوگا۔

(٥): والاصل في هٰذا النوع انه لما جعل الوقت ظرفاً للمؤدى و سبباً للوجوب لم يستقم ان يكون كل الوقت سبباً لان ذٰلك يوجب تاخير الاداء عن وقته او تقديمه على سببه فوجب ان يجعل بعضه سبباًوهوالجزء الذى يتصل به الأداء فمااتصل الاداء بالجزء الأول كان هو السبب والا تنتقل

السببية الى الجزء الذى يليه لأنه لما وجب. الخ (حسامى ص۳۳)

وهو اما ان يضاف الى الجزء الأول او الى مايلى ابتداء الشروع او الى الجزء الناقص عند ضيق الوقت او الى جملة الوقت يعنى ان الأصل كل مسبب متصل بسببه فان ادّيت الصلوة فى اول الوقت يكون الجزء السابق على التحريمة وهو الجزء الذى لايتجزأ سبباًلوجوب الصلوة فان لم يؤدّ فى اول الوقت تنتقل السببية الى الاجزاء التى بعده. الخ (نور الانوار ص۵۳)

والحاصل ان كل جزء سبب على طريق الترتيب والانتقال لكن تقرر السببية موقوف على اتصال الاداء. (ص۶۳ افاضة الانوار على متن المنار للعلامة الحصكفى على هامش نسمات الأسحار)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ وقتِ نماز کا جزءِ اول سبب ہے، لیکن اگر اس میں اداءِ صلوۃ نہیں پائی گئی تو صفتِ سبیت بعد والے اجزاء کی طرف منتقل (یعنی ثابت) ہوتی جائے گی، اور جب اداء پائی جاوے گی اس کے متصل جزء کو سبب قرار دیا جاوے گا، اب اگر اداء جزء اول کے متصل وجود میں آئی تو وقت نماز کا وہی جزء (یعنی جزء اول) سبیت کے لئے متعین ہو گیا، اور بعد والے اجزاء میں صفتِ سبیت کی صلاحیت کے باوجود اب اسکے حق میں سبب نہیں قرار دیئے جائیں گے، حالاں کہ دیگر جن حضرات نے ابھی تک نماز ادا نہیں کی ہے ان کے حق میں وہی اجزاء سبب بن گئے ہیں۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب پیش خدمت ہے، کہ صورت مسئولہ میں اس آدمی نے ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے جو نماز ظہر پڑھی تھی وہ اگر زوالِ شمس (یعنی دخولِ وقتِ ظہر) سے پہلے پڑھی ہے، تب تو اسکی وہ نماز وقت سے پہلے ہونے کی

وجہ سے درست نہیں ہوئی اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ پڑھے، اور اگر وہ نماز زوالِ شمس (یعنی دخول وقتِ ظہر) کے بعد پڑھی تھی تو اسکو اب دوبارہ نماز ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا ذمہ فرضِ ظہر سے بری ہو چکا ہے؛ البتہ اگر وہ بہ نیت نفل وہاں والوں کے ساتھ جماعت میں شرکت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ هذا ما سنح لی و اللّٰه اعلم بحقیقة الحال.

تنبیہ: درمختار میں ایک جزئیہ موجود ہے: فلو غربت ثم عادت هل یعود الوقت الظاهر نعم. الخ اور اس پر درمختار کی شرح میں علامہ طحطاویؒ نے (جلد اول ص ۱۷۴) اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار (۱/ ۲۶۵) میں بحث فرمائی ہے، علامہ شامیؒ اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں: قلت: و یلزم علی الأول بطلان صوم من افطر قبل ردها و بطلان صلوته المغرب لو سلّمنا عود الوقت بعودها للکل. و اللّٰه تعالی اعلم.

لیکن علامہ شامیؒ کے انداز سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ وہ بطور لزوم اس کو ذکر فرما رہے ہیں مگر خود اس پر مطمئن نہیں، نیز اس جگہ حضرت علیؓ کے لیے ردشمس کے جس واقعہ کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، اس میں بھی کسی جگہ کسی روایت میں یہ وارد نہیں کہ حضور اقدس ﷺ یا دیگر صحابہؓ نے نماز عصر کا اعادہ فرمایا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴/ جمادی الأ خری ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

برطانیہ میں اوقاتِ نماز میں اختلاف کا صحیح حل

سوال: آپ موصوف کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ برطانیہ میں یہاں کے موسم اور (Weather) ویدھر کی خرابی کی وجہ سے یہاں کے علماء کرام میں وقت عشاء اور وقتِ

نماز فجر کے بارے اختلافات ہیں، نماز عشاء قبل از وقت پڑھی جائے، تو نماز نہیں ہوتی اور اگر تاخیر کی جائے تو مختصر راتوں میں لوگ برداشت نہیں کرتے جو تقلیل جماعت کا باعث ہوتا ہے اور نماز فجر کا مسئلہ بہت زیادہ اہم ہے خصوصاً رمضان المبارک میں روزے کو اس کے وقت صحیح پر بند کرنا اور نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا ہوتا ہے ہم اس وقت آپ کی خدمت میں ٹائم ٹیبل ارسال کر رہے ہیں، آپ اس کا مطالعہ فرما کر ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

علاقۂ برطانیہ میں وقت عشاء اور وقت نماز فجر کا مسئلہ نیا نہیں ہے، ایک مدت سے اہل علم اور ارباب فتاوٰی کے درمیان موضوع بحث بنا ہوا ہے اور یہ حضرات اس کے حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، قرآنی آیات، حدیثی روایات، فقہی عبارات، مشائخ کے اقوال اور قواعد ہیئت سے استنباط اور استشہاد بھی فرماتے ہیں لیکن کسی ایک بات پر اتفاق نہیں ہو پایا، اور متفق ہونا بظاہر دشوار ہونے کے ساتھ ضروری بھی نہیں ہے، اس لیے کہ اہل علم اور دلائل سے واقف حضرات کے لئے دیانۃً یہ ضروری ہے، کہ جس دلیل کو قوی اور راجح قرار دیں اسی پر عمل کریں، اور عوام اپنے علماء کی اتباع کریں، اور اگر ان میں بھی اختلاف ہو تو جس پر زیادہ اعتماد ہو اس کا اتباع کریں، ایک بات یاد رہے کہ اہل علم اپنے اختیار کردہ قول و عمل کو دوسرے اہل علم پر زبردستی چپکانے کی کوشش نہ کریں، اور ان کے قول کو باطلِ محض قرار دے کر نزاع پیدا نہ کریں، اور عوام پر لازم ہے کہ اہل علم کے اختلاف میں دخل دے کر اس کو باعث نزاع اور فساد ہرگز نہ بنائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/شوال ۱۴۱۱ھ

غروب آفتاب سے طلوع تک کا ساتواں حصہ وقت نماز فجر والا قاعدہ تخمینی ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں؟

(ا): کیا یہ صحیح ہے کہ غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک جتنا وقت ہے اس کا ساتواں حصہ وقت نماز فجر ہے؟ اس صورت میں موسم گرما میں جب کہ راتیں قصیر ہوتی ہیں، وقت فجر بھی قصیر ہوگا، اور موسم سرما میں جب کہ راتیں طویل ہوتی ہیں، وقت نماز فجر بھی طویل ہوگا؛ حالانکہ موجودہ مروّجہ نقشہ جات جن میں معمول بہ دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور ومصدقہ حضرت تھانویؒ برائے تھانہ بھون وغیرہ شامل ہیں، ان میں موسم گرما میں وقت فجر طویل اور موسم سرما میں وقت فجر قصیر ہے۔ حضرت تھانویؒ کا فتوی امداد الفتاویٰ میں تحریر ہے: ''اور فقہائے کرام نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کا وقت جتنا ہے اس کو سات پر تقسیم کریں۔ چھ حصے میں سحر کھا سکتے ہیں، یہ قاعدہ حتمی، یقینی و قطعی ہے یا انداز و تخمین واحتیاط پر مبنی ہے''۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۶۳ بھی ملاحظہ ہو، نیز یہ کہ: قال فی خزانة الروايات عن جواهر الفتاوى انّ ذلك اى وقت الصبح الصادق سبع الليل، نیز حاشیہ (۱) مفتی سعد اللہ رامپوری برمالا بد منه ۲۹.

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً:

(ا): یہ قاعدہ بطور احتیاط اور انداز وتخمین پر مبنی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض حضرات نے ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش کی تعیین فرمائی ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں: ''بعض علماء نے منتہائے سحر وطلوع آفتاب کے درمیان کچھ وقت (مثلاً ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش) کی تعیین فرمائی ہے، اس سے انکا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر موسم میں ہر مقام پر طلوع اور صبح صادق کے درمیان اتنا ہی وقفہ

ہوتا ہے، اس لئے یہ امر تو بداھۃً غلط ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ وقفہ ہر تاریخ میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتا ہے، اس کی تصدیق مشاہدہ سے بھی کی جاسکتی ہے، اور مختلف مقامات کے اوقات نماز کے پرانے نقشوں سے بھی، لہٰذا ان حضرات کی تحریر سے انکا مقصد یہ ہے کہ ان کے ملک میں جس مقام اور جس تاریخ میں زیادہ سے زیادہ وقفہ ہوا سے منتہائے سحر قرار دے دیا جائے تو پورے ملک کی حدود کے اندر ہر مقام اور ہر موسم میں روزہ بلاشبہ صحیح ہوجائے گا، اور غروب سے اتنی ہی دیر بعد نماز عشاء بلاشبہ درست ہوگی، مثلاً: متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں اگر کسی عالم نے اس وقت کی مقدار متعین کی تو انہوں نے متحدہ ہندوستان (بشمول خیبر، مردان، مالاکنڈ، چترال وغیرہ) کی حدود میں سے جس مقام پر اور جس تاریخ میں زیادہ سے زیادہ وقفہ تھا، اسے انتہائے سحر قرار دیدیا، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۵۷ میں فرماتے ہیں کہ: ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھاسکتے ہیں۔ پھر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''بعض مواسم میں اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھ دیا''۔

غرضیکہ اس سے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر مقام پر اور ہر تاریخ میں اس وقت صبح صادق ہوجاتی ہے، اور فوراً اذان دے کر نماز فجر بھی پڑھ لینا جائز ہے، اور نہ ہی یہ مقصد ہے کہ کسی مقام اور کسی موسم میں بھی غروب کے بعد اتنا وقت گزرنے سے پہلے عشاء کا وقت نہیں ہوتا''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں: ''بعض مصنفین نے صبح صادق کے کل وقت کی پوری رات کے وقت سے کوئی خاص نسبت تحریر فرمائی ہے (جیسا کہ بعض حضرات نے رات کا ساتواں حصہ بتلایا ہے، از ناقل) اسکی حقیقت بھی وہی ہے جو اوپر گذری''۔ (احسن الفتاوی ۲/۱۸۳،۱۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا صبح صادق کی پہچان آسان ہے؟

بعض علماء نے لکھا ہے کہ صبح صادق کا پہچاننا آسان نہیں ہے، دوسری طرف بعض علماء نے سبع اللیل ھو الفجر کا قاعدہ پیش کیا ہے۔اب ہم لوگ صبح صادق کو کس طرح معلوم کریں،اس کا پہچاننا ممکن وآسان ہے یا ناممکن ودشوار؟

ومن الناس من لا یعرف الفجر. (الجوھرۃ ص۱۷۵) وقت فجر یا وقت ختم سحر کو ہم لوگ کیسے معلوم کریں۔

نیز ملاحظہ ہو: ثم یظھر بیاض معترض لا یعسر ادراکہ بالعین لظھورہ فھٰذا اول الوقت. (احیاء علوم الدین للغزالی ج ۲ ص ۲۹۰) دارالکتب العلمیۃ، بیروت.

المستفتی: عبداللہ عفی عنہ، ۱۲/صفر ۱۴۲۵ھ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً:

جس کام کا آدمی عادی ہوتا ہے وہ اس کے لیے آسان ہوتا ہے، اور جس کی عادت نہیں ہوتی وہ اس کے لیے دشوار اور مشکل ہوجاتا ہے، چاند ہی کو دیکھ لیجیے، جو لوگ ہر مہینہ چاند دیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں ان کے لیے اس کی تلاش آسان ہے، اور جو لوگ صرف عید کا چاند ڈھونڈنے کے لیے نکلتے ہیں ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ چاند کو کہاں تلاش کیا جائے، یہی حال ہے صبح صادق کی پہچان کا بھی، صبح صادق کی جو علامتیں احادیث اور کتب فقہ میں بتلائی گئی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مدت تک صبح صادق کے کھلی فضاء میں مشاہدہ کرنے کا اہتمام کریں گے تو انشاء اللہ آپ کے لیے بھی صبح صادق کی پہچان آسان ہوجائے گی، ورنہ سال کے کسی دن میں صبح صادق تلاش کرنے کی کوشش

کریں گے تو ممکن ہے دشواری کا سامنا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

فجر کی نماز میں اسفار کی حد بندی، فجر کی سنت جماعت کھڑی ہونے کے بعد ادا کرنا، سنتِ فجر کی قضاء، فجر کی قرأت کی تفصیل

محترم ومکرم جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم

سوال (۱): ہمارے یہاں بعض مسجدوں میں خود امام صاحب محترم اور مصلیان کی رعایت کرتے ہوئے طلوع آفتاب سے بیس بائیس منٹ پہلے فجر کی جماعت کا وقت مقرر کیا جاتا ہے، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ اگر مسنون اور حد جواز والے وقت کی نشاندہی فرمادیں تو بہتر ہے۔

(۲): اگر امام کو نماز فجر میں حدث یا کوئی مفسدۂ صلاۃ پیش آجائے اور نماز دوبارہ دہرانی پڑے، تو کیا وہی قراءۃ (طوال مفصل) پڑھیں گے جو پہلی نماز میں پڑھی تھی، یا پھر اوساط مفصل یا قصار مفصل میں سے کوئی سورۃ پڑھی جاسکتی ہے، جبکہ وقت طلوع ہوجانے کا اندیشہ بھی ہو؟

(۳): فجر کی جماعت کھڑی ہوجانے کے قریب یا بعد میں کچھ آدمی صف میں ہی، اور کچھ آدمی صحن میں سنتیں ادا کرتے ہیں، اس طرح امام دوسری رکعت کے قعدہ تک پہنچ جاتا ہے، اور سلام کے قریب پہنچنے تک بعض مصلی آ آ کر جماعت میں شرک ہوتے رہتے ہیں، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ فجر کی سنتیں جماعت شروع ہوجانے کے بعد کب تک ادا کرکے جماعت میں شامل ہوسکتے ہیں؟

(۴): متروکہ فجر کی سنتوں کو اگر کوئی شخص اشراق کے وقت ادا کرے یا اشراق کی نماز میں ہی فجر کی سنتوں کی نیت کر لے تو آیا شرعاً درست ہے؟ اس طرح اگر کوئی شخص ظہر کی سنتوں سے پہلے دو رکعت فجر کی سنت قضا کی نیت سے ادا کرے تو کیا شرعاً صحیح ہے؟

(۵): فجر کی فرض نمازوں میں طوال مفصل کی قراءۃ کے بارے میں تشریح کر دی جائے کہ ایک مکمل سورۃ دو رکعتوں میں قراءت کریں، یا دو پوری پوری سورتیں الگ الگ رکعتوں میں قراءت کریں؟ بعض امام ٹھہر ٹھہر کر یا خوب قراءۃ و لہجہ سے پڑھتے ہیں، اور بعض امام ذرا تیز و سیدھے سادے لہجہ میں مگر تجوید کا لحاظ کرتے ہوئے پڑھتے ہیں، عام طور پر فجر کی نماز دس بارہ منٹ میں پوری ہوتی ہے، لہذا امام کو روزانہ یا اکثر دنوں میں فجر کی نماز میں کس طرح اور کتنی دیر قراءت کرنی چاہئے کہ مسنون قراءۃ کی فضیلت حاصل ہو جائے اور مصلیان پر بار بھی نہ پڑے؟

(۶): طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصار مفصل والی سورتیں ہی آیا مختلف نمازوں میں پڑھنا مسنون و مطلوب ہے یا یہ محض اصطلاحیں ہیں اور ایک طرح کی پیمائش و ضابطہ ہے کہ اتنی اتنی مقدار کی آیتیں کلام پاک میں جہاں سے جی چاہے پڑھ سکتے ہیں، کوئی قید نہیں؟ فقط والسلام۔

مستفتی: محمد عبداللطیف علیانی

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

(۱): عمدۃ الفقہ میں ہے: ''فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ سورج نکلنے کا شک ہو جائے بلکہ جب اسفار یعنی اجالا ہو جائے اور اتنا وقت ہو کہ سنت کے موافق اچھی طرح نماز ادا کی جائے اور قرأت مستحبہ یعنی چالیس سے ساٹھ

تک آیتیں ترتیل کے ساتھ (ٹھہر ٹھہر کے) دونوں رکعتوں میں پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر شاید کسی وجہ سے یہ نماز درست نہ ہوئی ہو خواہ طہارت میں خلل واقع ہو یا نماز میں تو طہارت کر کے دوبارہ قرأت مستحبہ مذکورہ کے ساتھ سنت کے موافق سورج نکلنے سے پہلے نماز پڑھی جا سکتی ہو ایسے وقت نماز پڑھنا افضل ہے اور یہ حکم ہر زمانہ میں ہے لیکن نحر (قربانی) کے روز حج کرنے والوں کیلئے مزدلفہ میں اس کے خلاف ہے اور وہاں اندھیرے میں یعنی نہایت اول وقت فجر کی نماز پڑھنا افضل ہے۔ عورتوں کے لیے ہمیشہ فجر کی نماز اول وقت (اندھیرے) میں مستحب ہے"۔ (عمدۃ الفقہ ۲/ ۱۸)

امداد الاحکام میں ہے "نماز فجر میں اسفار مستحب ہے، یعنی روشنی پھیلنے سے پہلے شروع نہ کی جاوے۔ وھو المختار کما فی الرد المحتار وھو ظاھر الروایۃ کما فی البحر عن العنایۃ خلافاً للطحاوی فانه قال ان کان من عزمه تطویل القرأۃ فالأفضل ان یبدأ بالتغلیس و یختم بالاسفار وان لم یکن من عزمه تطویل القرأۃ فالاسفار (ای الابتداء فی الاسفار) افضل من التغلیس، وجه المختار أن فیه تکثیر الجماعۃ کما قاله الشمس الائمۃ فی المبسوط. اور روشنی پھیلنے کا وقت احقر نے جو تجربہ کیا تو طلوع شمس کے نصف پر ہے، اور طلوعین میں کم از کم فاصلہ ایک گھنٹہ بیس منٹ ہوتا ہے، اور زائد سے زائد ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ، پس اسفار کا وقت بعض ایام میں طلوع شمس سے ۴۰ منٹ پیشتر ہوگا، اور بعض ایام میں تقریباً ۵۰ منٹ، جیسا کہ اسلامی جنتری سہارنپور سے واضح ہے، یہ تو نماز فجر کے وقت مستحب کی ابتداء ہے، اور انتہاء کے متعلق شامی میں ہے۔ وحد الاسفار ان یمکنه اعادۃ الطهارۃ ولو من حدث اکبر کما فی النهر و القهستانی و اعادۃ الصلوۃ علی الحالۃ الاولیٰ قبل طلوع الشمس (ای بحیث

یرتل اربعین آیۃ الی ستین) اور اسکا تخمینہ آدھا گھنٹہ کیا گیا ہے پس وقت مستحب کا انتہائی حصہ یہ ہے کہ جب نماز شروع کی جاوے اس وقت کم از کم نصف گھنٹہ طلوع آفتاب میں باقی ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا، کہ وقت مستحب کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا وقت معین نہیں ہے جس میں ذرا سی کمی بیشی سے یہ فضیلت فوت ہو جاوے؛ بلکہ بعض ایام میں طلوع آفتاب سے ۴۰ منٹ پہلے شروع کرنا بھی وقت مستحب کی حد میں داخل ہے، اور بعض میں ۵۰ منٹ قبل طلوع بھی، اور علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وقت فجر کا کوئی حصہ مکروہ نہیں، پس اگر کوئی اسفار سے قبل نماز پڑھے یا زیادہ تاخیر کردے تو اس پر ملامت نہیں''۔ (امداد الاحکام ۱/ ۳۱۸/ ۳۱۹)

نوٹ از احقر: مندرجۂ بالا جواب میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کے فاصلہ کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار جو تحریر فرمائی ہے وہ سہارنپور کی جنتری کے اعتبار سے ہے، گویا سہارنپور اور اطراف کا یہ حکم ہے، ہر جگہ یہ فاصلہ اتنا ہی نہیں ہوتا جو جواب میں مذکور ہے؛ بلکہ اس جگہ کے عرض البلد اور طول البلد کے مختلف ہونے سے اس فاصلہ میں بھی فرق ہوتا رہتا ہے، آپ اپنے یہاں کی جنتری دیکھ کر اس کی تعیین کر سکتے ہیں۔ فقط

(۲): اسکا جواب اوپر آچکا البتہ اگر طوال مفصل پڑھنے کی صورت میں دوران نماز سورج نکل آنے کا اندیشہ ہو تو پھر اسکے مطابق قرأت کی مقدار رکھی جائے۔

(۳): عمدۃ الفقہ میں ہے: ''جماعت قائم ہونے کے بعد کسی نفل نماز کا شروع کرنا جائز نہیں سوائے سنت فجر کے پس اگر کوئی شخص گھر سے فجر کی سنتیں پڑھ کر نہیں آیا اور مسجد میں جماعت ہو رہی ہو اور یہ شخص جانتا ہے کہ سنتیں پڑھنے کے بعد جماعت مل جائے

گی خواہ قعدہ ہی مل جائے تو سنتیں پڑھ لے؛ مگر صف کے برابر کھڑا ہو کر نہ پڑھے، اور ایسے شخص کو مسجد کے دروازے پر سنتیں پڑھنا افضل ہے، اس کے بعد اگر امام اندر کی مسجد میں نماز پڑھتا ہو تو باہر کے حصہ میں سنتیں پڑھنا افضل ہے، اور اگر امام باہر کے حصہ میں نماز پڑھتا ہو تو اندر سنتیں پڑھنا افضل ہے، اور اگر اس مسجد میں اندر باہر دو درجے نہ ہوں تو ستون یا دیوار یا پیڑ کی آڑ میں پڑھے جو کہ اس میں اور صف میں حائل ہو جائے، اور صفوں کے پیچھے بغیر کسی حائل کے سنتیں پڑھنا مکروہ ہے، اور سب سے سخت مکروہ یہ ہے کہ جماعت کی صف میں مل کر سنتیں پڑھے، یہ سب صورتیں اس وقت ہیں جب امام جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو۔ امام کے نماز شروع کرنے سے پہلے جہاں چاہے نماز پڑھے اور خواہ وہ کوئی سی سنتیں ہوں۔ لیکن اگر وہ یہ جانتا ہے کہ جماعت جلد قائم ہونے والی ہے اور یہ اس وقت تک سنتوں سے فارغ نہ ہو سکے گا تو ایسی جگہ نہ پڑھے کہ اس کے سبب صف قطع ہوتی ہو۔ امام کو رکوع میں پایا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلی رکعت کا رکوع ہے یا دوسری کا تو فجر کی سنتیں بھی ترک کر دے، اور جماعت میں مل جائے''۔ (عمدۃ الفقہ ۲/ ۳۰۹، ۳۱۰)

(۴): فجر کی سنتیں اگر فرض کے ساتھ فوت ہو جائیں یعنی فجر کی نماز ہی قضا ہو جائے تو اگر سورج نکلنے کے بعد زوال سے قبل ادا کرے تو فرضوں کے ساتھ سنتوں کو بھی قضا کرے، اور اگر زوال کے بعد قضا کرے تو سنتیں اس سے ساقط ہو جائیں گی صرف فرضوں کی قضا کرے، یہی صحیح ہے۔ اور اگر فجر کی سنتیں بغیر فرض کے قضاء ہوں جیسا کہ جماعت جاتے رہنے کے خوف سے جماعت میں شامل ہو گیا، اور سنتیں رہ گئیں تو شیخینؒ کے نزدیک ان کو طلوع آفتاب کے بعد قضا نہ کرے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جب سورج نکل آئے اور ایک نیزہ بلند ہو جائے اس کے بعد زوال سے پہلے پہلے تک قضا کر لے، اس

کے بعد قضا نہ کرے، اور فرض کے بعد طلوع آفتاب سے قبل بالاتفاق سنت فجر یا کوئی نفل پڑھنا مکروہ تحریمی وممنوع ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/ ۲۹۸)

(۵): افضل یہ ہے کہ فرض کی ہر رکعت میں الحمد کے سوا ایک پوری سورت پڑھے، اور اگر عاجز ہو تو ایک سورت دو رکعتوں میں تمام کرے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/ ۱۱۸)

فرضوں میں ٹھہر ٹھہر کر قرأت کرے اور ہر حرف کو جدا جدا پڑھے، اور تراویح میں متوسط انداز پر، اور رات کے نوافل میں (تہجد میں) جلد پڑھنے کی اجازت ہے، اس لیے کہ رات کی نوافل یعنی تہجد پڑھنے والوں کی عادت زیادہ قرآن پڑھنے کی ہوتی ہے تو جلد پڑھنے سے ان کا ورد پورا ہو سکتا ہے مگر جلدی کے یہ معنی ہیں کہ مد زیادہ نہ کھینچے بلکہ مد کا کم سے کم درجہ جو قاریوں نے رکھا ہے اسکو ادا کرے، اور ایسی جلدی نہ کرے کہ سمجھ میں بھی نہ آوے ورنہ ترک ترتیل کی وجہ سے حرام ہے کیونکہ قرآن کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/ ۱۲۰)

(۶): عمدۃ الفقہ میں ہے: ''حضر میں یعنی جبکہ سفر میں نہ ہو اور اطمینان کی حالت میں ہو کسی قسم کا اضطرار نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے، اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ سے سو تک پڑھے۔ ظہر کی دونوں رکعتوں میں بھی فجر کی مثل یا اس سے کم پڑھے۔ عصر اور عشاء کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا پندرہ یا بیس آیتیں پڑھے، اور مغرب کی ہر رکعت میں پانچ آیتیں یا کوئی چھوٹی سورۃ پڑھے، اور مستحسن ومستحب ہے کہ حضر میں فجر وظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھے، اور وہ سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں ہیں، (سورۂ بروج اس میں شامل ہے) عصر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھے، اور وہ سورۂ والطارق سے لم یکن تک ہے، اور مغرب میں قصار مفصل، یعنی چھوٹی سورتیں پڑھے، اور وہ اذا زلزلت سے آخر قرآن یعنی والناس

تک ہے۔ مفصلات کا پڑھنا الگ سنت ہے، اور مقدار معین یعنی آیتوں کی تعداد کے لحاظ سے جو اوپر مذکور ہوئی پڑھنا الگ سنت ہے۔ حسب موقع جس پر چاہے عمل کرے لیکن مفصلات کا اختیار کرنا مستحسن ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۱۶)

احسن الفتاوی میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ اس سلسلہ میں ردالمحتار کی طویل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ: "تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ سنیتِ قراءۃ سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک میں آیات کی متعین تعداد کو سنت قرار دیا ہے، اور دوسری میں سور مفصل کو، نہر میں صورت تطبیق یہ بیان کی ہے کہ سور مفصل میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے، اور اسکو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں، اور سور مفصل کی روایت عام متون کی ہے اور یہی راجح ہے، پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر جزءِ سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے، آخر سورت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے؛ غرضیکہ مفصل سور پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ ومنیہ میں قراءۃ مفصل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بفرض استحباب بھی اسکے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترک سنت یا استحباب اور کراہت تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام واصرار قابل اصلاح ہے، سور مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقتضائے حال پر مبنی ہے۔ (احسن الفتاوی ۳/۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سورتیں ترتیب سے پڑھنے کا حکم فرائض کے ساتھ خاص ہے

سوال: ترتیب سور کے اعتبار سے نمازوں میں کراہت وعدم کراہت کا حکم صرف فرائض وسنن سے متعلق ہے یا وتر میں بھی یہی حکم ہے؟ آیا وتر کی پہلی دو رکعت میں بالترتیب سورہ کافرون ونصر پڑھنے کے بعد تیسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھنا کیسا ہے؟ فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے یا وتر کو اس شرعی حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

پہلی رکعت میں کوئی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں درمیان کی ایک سورت چھوڑ کر بعد کی سورت پڑھی تو اگر درمیان کی سورت چھوٹی ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن یہ حکم فرائض کے لئے ہے نوافل میں ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: ويكره الفصل بسورة قصيرة وان يقرأ منكوسا الا اذا ختم، فيقرأ من البقرة. وفي القنية: قرأ في الاولى الكافرون وفي الثانية الم تر او تبت ثم ذكر يتم وقيل يقطع ويبدأ ولا يكره في النفل شيء من ذلك. علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:(قوله ولا يكره في النفل شيء من ذلك) عزاه في الفتح الى الخلاصة، ثم قال: وعندي في هذه الكلية نظر. فانه ﷺ نهى بلالا رضي الله عنه عن الانتقال من سورة الى سورة، وقال له اذا ابتدأت سورة فاتمها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة الى سورة في التهجد. اه. واعترض ح ايضاً بانهم نصوا بان القرأة على الترتيب من واجبات القرأة فلو عكسه خارج الصلوٰة يكره فكيف لا يكره في النفل تأمل. واجاب ط بان النفل لا تساع بابه نزلت كل ركعة منه فعلا مستقلا فيكون كمالو قرأ انسان سورة ثم سكت ثم قرأ مافوقها فلا كراهة فيه. (شامی

۴۰۴/۱) درباب قرأت وتر بھی بحکم نفل ہے: فان الوتر من حیث القراءۃ ملحق بالنوافل.
(کبیری ۳۵۵) اس لئے وتر کی پہلی دو رکعت میں سورۂ کافرون اور سورۂ نصر پڑھنے کے بعد تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

فجر میں قرأت کے طول وقصر کا مدار

سوال(۱): ینظر الی طول اللیالی و قصرھا. (ھدایه ج ۱ ص ۱۰۰)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سردیوں میں طویل قرأت فجر ہو اور گرمیوں میں قصیر مثل چالیس تا ساٹھ آیات، کیا اس عبارت سے یہ سمجھا جائے کہ چونکہ موسم سرما میں طویل قرأت ہے اس لیے طویل وقت فجر ہے اور موسم گرما میں چونکہ قصیر قرأت ہے اس لیے موسم گرما میں وقت فجر بھی قصیر ہے۔

(۲): وأیضاً یقرأفی الظھرمثل (قرأۃ الفجر) لاستوائھما فی سعۃ الوقت.

(ھدایه ۱/۱۰۰) ش أی لاستواء الظھر و الفجر فی سعۃ الوقت. (عینی شرح ھدایه ص ۷۰۲)

کیا اس عبارت سے یہ مطلب سمجھا جائے کہ فجر اور ظہر کا وقت مساوی ہے، جب کہ متعدد مفتیان وعلماء کرام بشمول حضرت تھانویؒ بوادر النوادر ۴۳۰، مفتی کفایت اللہ کفایت المفتی ۳/ ۳۵، مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ فتاویٰ رحیمیہ ۳/۳۴ میں تصریح کر چکے ہیں کہ فجر اور مغرب کا وقت مساوی ہوتا ہے اور موسم گرما میں یہ وقت زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ اور کم ازکم ایک گھنٹہ ۱۰/ منٹ کا ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی جدید ۱/۱۵۴؛ نیز امداد الاحکام ۱/۱۲۳۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

(۱): سردیوں میں طویل قرأت فجر، اور گرمیوں میں قصیر قرأت فجر کی کوئی صریح

تعلیل وتوجیہ باوجود تتبع اور تلاش کے مجھے نہیں ملی، اس لیے اس سے وقت فجر کے طویل اور قصیر ہونے پر استدلال درست نہ ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف مشاہدہ بھی ہے، میرے ذہن میں اس کی توجیہ یہ آرہی ہے کہ قرأت کے طویل اور قصیر ہونے کا مدار مصلیوں کی رغبت اور ملال پر ہے، چنانچہ ھدایہ ہی میں صراحۃً ہے: انـه یقـرأ بـالـراغبین مـائة و بـالـکسـالـی أربعین و بالأوساط مابین خمسین الی ستین. اسی بنیاد پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ سردی کی راتیں طویل ہونے کی وجہ سے آرام کا پورا وقت مل جاتا ہے، اور لوگ شروع وقت ہی سے نماز فجر کے لیے آجاتے ہیں، اور رات بھر نیند پوری کر لینے کی وجہ سے طویل قرأت کا رغبت کے ساتھ تحمل کر لیتے ہیں، جبکہ گرمیوں میں یہ بات نہیں۔

(۲): اس عبارت سے فجر اور ظہر کے وقت کے مساوی ہونے پر استدلال خلاف مشاہدہ ہے، غالباً دونوں کے وقت مستحب کی وسعت مراد ہے بایں طور کہ فجر کا تو پورا وقت ہی مستحب ہے اور مشغولی نہیں بلکہ فرصت کا وقت ہے، اگر اسفار میں شروع کر کے اسفار ہی میں ختم کرے تب تو ظاہر ہے، اور اگر غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرے تب تو مزید ظاہر ہے، اور ظہر بھی مشغولیت کا لحاظ کر کے گرمیوں میں ابراد کے ساتھ پڑھی جائے اور مثل اول سے پہلے پوری کر لی جائے اس کی تائید فتح القدیر کی عبارت سے بھی ہوسکتی ہے چنانچہ متن کی عبارت والعصر والعشاء سواء کی تشریح کرتے ہوئے صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں۔ یعنی فـی سعة الـوقـت علـی جهة الاستــحبـاب. رہا فجر اور مغرب کے وقت کا مساوی ہونا وہ نفس مقدار وقت کے اعتبار سے ہے ورنہ اشتباک نجوم تک مغرب کی تاخیر مکروہ ہے، اس معنی کر کے وقت مستحب میں دونوں برابر نہیں رہیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز میں قراءۃ سبعہ پڑھنا

سوال: نماز میں قرأت سبعہ کا پڑھنا اس شخص کے لیے جو اس کا جاننے والا ہو کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اس صورت میں بھی نماز صحیح اور درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ظہر و عصر میں قرأت سراً اور مغرب، عشاء اور فجر میں جہراً کیوں؟

سوال: ظہر و عصر میں قرأت سری اور مغرب، عشاء و فجر میں بلند آواز سے کیوں؟ پھر مغرب و عشاء کی ابتدائی دو رکعت میں جہراً اور آخری رکعت میں سراً کیوں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

شریعتِ مطہرہ کے تمام احکام بے شمار مصالح و حکم پر مبنی ہیں، جن میں سے بہت سی مصالح کو حضرات علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں بیان فرمایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اسی موضوع پر ہے۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اردو زبان میں ایک کتاب ''المصالح العقلیۃ'' نامی اسی موضوع پر تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کو بھی اگر دلچسپی ہے تو اس کا مطالعہ فرمائیں۔ باقی مومن کا مزاج یہ ہونا چاہیے کہ حکم و مصالح میں پڑے بغیر خدائی حکم سمجھ کر اسکی بجا آوری میں دل و جان سے مصروف ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

منفرد اپنی قرأت آہستہ کرے یا زور سے؟

سوال: مسجد میں اذان ہونے کے بعد اگر کوئی نمازی نہ آئے اور امام تنہا ہو تو تکبیر اور قرأت وغیرہ زور سے کرے یا آہستہ؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جہری نماز اپنے وقت میں کوئی شخص تنہا پڑھے تو اسکو اختیار ہے کہ جہر کے ساتھ قرأت کرے اور یہ افضل ہے اور سراً قرأت کرے تو بھی درست ہے۔ (درمختار علی ھامش الشامی ۱/۳۹۴) تکبیرات انتقالی کو جہراً کہنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نماز میں دوسورتوں کے درمیان ایک سورت ترک کرنا کیسا ہے؟

سوال: نماز میں قرأت کرتے ہوئے ترتیب وار ایک سورت چھوڑ کر دوسری سورت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جیسے پہلی رکعت میں سورۂ لہب اور دوسری رکعت میں سورۂ فلق پڑھی اور درمیان میں سورۂ اخلاص ترک کردی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

فرض نماز میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے اور غیر اختیاری طور پر یا نفل میں مکروہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ

حرام لقمہ کھانے سے چالیس روز کی نماز نہیں ہوتی کا مطلب

سوال: حرام کا ایک لقمہ اگر پیٹ میں چلا جائے تو چالیس روز کی نماز نہیں ہوتی تو اس کی اصلاح کی صورت کیا ہے؟ کیا حرام لقمہ کھائے تو کیا نماز نہ پڑھے جبکہ چالیس روز تک نماز نہ ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نماز قبول نہیں ہوتی۔ دو باتیں الگ الگ ہیں نماز نہ ہونا اور نماز قبول نہ ہونا۔ اس صورت میں قبول نہیں ہوگی، یعنی اس پر اجر وثواب اور خوشنودیٔ باری تعالیٰ مرتب نہ ہوگی، لیکن آپ کا فریضہ ادا ہو جائے گا، اور آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے لیکن اگر آپ نے نماز ہی نہ پڑھی تو آپ کا ذمہ بری نہ ہوگا۔ رہی اصلاح کی صورت تو وہ یہ ہے کہ جس کا حق دبایا ہے اس کا حق ادا کریں، اور اس سے معاف کرا کر آئندہ کے لئے سچی توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلسل ریح خارج ہونے کا مرض ہو تو نماز کسطرح پڑھے؟

سوال: اگر کسی کو بار بار ہوا خارج ہونے کا مرض ہو یا پیشاب کے قطرے ٹپکنے کا مرض ہو تو وہ شخص نماز اور قرآن کی تلاوت کس طرح کرے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر نماز کا پورا وقت اس طرح گذرتا ہے کہ اس میں ریح (ہوا) خارج ہوتے رہنے اور پیشاب کے قطرے ٹپکتے رہنے کی وجہ سے اس کو اتنا وقت نہیں ملتا جس میں وضو کر کے طہارت کے ساتھ نماز ادا کر سکے تو ایسا شخص شرعاً معذور کہلاتا ہے، ایک مرتبہ شرعاً معذور بن جانے کے بعد آئندہ پورے وقت میں ایک دفعہ عذر پایا جانا کافی ہے، زوالِ عذر کے لیے ضروری ہے کہ پورا وقت عذر سے کلیۃً خالی نکل جائے، ایسے صاحبِ عذر کے لیے ہر وقت فرض کے لیے وضوء کرنا ضروری ہے، اور اسی وضوء سے فرض، واجب، نفل جو چاہے وقت کے اندر پڑھ سکتا ہے۔ (شامی ۱/۲۲۳) (احسن الفتاویٰ ۲/۷۴-۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

استقبالِ قبلہ سے کتنا انحراف مفسدِ صلوۃ ہے؟ اور مسجد بنانے والوں کو ہدایت

سوال: ہمارے یہاں برطانیہ میں قبلہ کا مسئلہ کافی معترض علیہا ہے، چند سال قبل ہم نے کارخانہ کی خریداری کی تھی اس نیت کے ساتھ کہ اس کو مسجد میں تبدیل کیا جاوے، جیسا کہ یہاں عامۃً ہوتا ہے، قبلہ کے رخ وسمت کے تعین کے لیے ہم نے ہمارے امام صاحب مولانا اسماعیل واڈی اور دارالعلوم بری کے مہتمم اور استاذ حدیث مولانا یوسف صاحب متالا اور مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی کو دعوت دی، جگہ کو دیکھ کر انھوں نے فرمایا کہ قبلہ کا رخ وسمت بالکلیہ طور پر موافق نہیں ہے، بلکہ ۳۵/ فیصد باہر ہے مگر مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے فتویٰ کے مطابق اتنی گنجائش ہے تو اسی فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے بغیر کسی ترمیم کے محراب بنا کر نماز شروع کردی لیکن چند دن سے بعض مصلیان کا عمل یہ رہا ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو محراب کی طرف پڑھتے ہیں مگر جب سنن ونوافل کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو تھوڑے مڑ کر کھڑے رہتے ہیں۔ (۳۵/ فیصد) استفتاء یہ ہے کہ کیا ان کا اس طرح سے سنن ونوافل پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اب چوں کہ مصلیان کا یہ رویہ بڑھتا جارہا ہے لہذا مسجد میں فتنہ کا قوی اندیشہ ہے، لہذا خدمت عالی سے قوی توقع رکھی جاتی ہے کہ مسئلۂ ھذا کو حدِ شافی تک واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً:

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ان میں خلط ملط کیا جاتا ہے، اور اسی کے نتیجہ میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے جہتِ قبلہ سے منحرف ہو کر نماز ادا کی تو کتنا انحراف معاف ہے؟ اور کتنے انحراف سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ تو اس سلسلہ میں عموماً ہمارے علماء نے پینتالیس درجہ تک کے انحراف کو معاف قرار دے کر اس سے

زائد انحراف کو مفسدِ صلوۃ قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: فتاویٰ دار العلوم (امداد المفتیین) مطبوعہ کراچی ۲/ ۴۱۶، امداد الفتاویٰ ۱/ ۲۱۷، احسن الفتاویٰ ۲/ ۳۱۳) بعض اکابر نے بنا بر احتیاط چوبیس درجہ تک کے انحراف کو معاف قرار دے کر اس سے زائد انحراف کو مفسد صلوۃ قرار دیا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم فرماتے ہیں: ''معمولی انحراف ہوتو نماز ہوجائے گی اور اگر ۲۵/ ڈگری یا اس سے زائد ہوتو نماز نہیں ہوگی''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۱۸۹) حضرت تھانویؒ نے بھی اسی کو احتیاط بتلایا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم (امداد المفتیین) مطبوعہ کراچی ۲/ ۴۲۷)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب نماز کی ادائیگی کے لیے مکان مخصوص (بصورت مسجد یا جماعت خانہ) تیار کیا جائے تو اس کے بنانے والوں کو کیا کرنا چاہئے؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ ''مسجد تعمیر کرنے والوں پر صحیح سمت قبلہ متعین کر کے مسجد کا رخ اس کے مطابق کرنا تاحد امکان ضروری ہے''۔ (کفایت المفتی ۳/ ۱۴۱)

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں: لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدۂ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفاسد ہیں جیسے: افتراق بین المسلمین، واطالت لسان معترضین، وجسارت عوام علی الخروج عن الحدود، واستخفاف حدود وامثالها، خلاف مصلحت ہے، نظیره مامر من عدم اعتبار النجوم فی المساجد القديمة وفی اعتبارها فی المفاوز، ان مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہوجانا اہون ہے۔ (امداد الفتاویٰ مطبوعہ دیوبند ۱/ ۲۱۹)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: قصداً باوجود علم کے نو، دس درجہ کے انحراف کو نظر انداز کر دینا، اور غلط سمت پر نماز پڑھنا مسلمانوں کے قلوب میں خطرات اور وساوس پیدا کرنے اور استقبال قبلہ کی وقعت کو گھٹانے کا موجب ہوگا، اس لیے مسجد میں صحیح سمت کے نشان قائم کر کے ہی نماز ادا کرنی چاہئے، ہاں یہ صحیح ہے کہ ادا

شدہ نمازوں کا اعادہ لازم نہیں۔ (کفایت المفتی ۳/ ۱۳۷)

حضرت اقدس فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ سے ایک ایسی مسجد کے متعلق جس کا انحراف اٹھارہ ڈگری ہی تھا اور جو مشکل آپ نے سوال میں لکھی ہے اسی کے حل کے لیے انہوں یہ تفاوت روا رکھا تھا پوچھا گیا۔

اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: آپ کی لکھی ہوئی تین صورتوں میں سے نقشہ نمبر دو کے موافق نماز ادا کرنا بلا شبہ درست ہے اگرچہ صفیں ٹیڑھیں ہی ہوں گی مگر رخ صحیح ہوگا اس لیے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے، قبلہ کے رخ کے لحاظ سے نہیں، سو اس میں مضائقہ نہیں۔ نقشہ نمبر ایک اور نمبر تین کی صورت میں کمرہ کے اعتبار سے تو صفیں سیدھی ہیں، ٹیڑھی نہیں، لیکن قبلہ کا رخ برابر نہیں، اگرچہ اتنا فرق نہیں کہ بالکل سمت قبلہ باقی نہ رہے، اور نماز کو قطعاً فاسد قرار دیا جائے لیکن قصداً اتنا فرق بھی نہ کیا جائے اس سے بھی بچنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۵۹)

آپ نے محراب تعمیر کرتے وقت مذکورہ بالا ہدایت واحتیاط کا لحاظ نہیں کیا، اور آج جب کہ اس کے مفاسد سامنے آرہے ہیں تو پریشان ہورہے ہیں، اور جو حضرات اپنی انفرادی نمازوں میں صحیح سمت پر رخ کرنے کا اہتمام کررہے ہیں ان پر فتنہ بھڑکانے کا الزام دے رہے ہیں، آپ کا یہ رویہ کتنا مبنی بر انصاف ہے وہ آپ ہی بتلائیں؟ خصوصاً جب کہ آپ کی مسجد کا انحراف ۳۵/ ڈگری ہے تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم کے فتویٰ کے بموجب تو نماز ہی نہیں ہوگی، اس لیے آپ ہی صفوف کا رخ سمت قبلہ کی طرف درست فرماکر لوگوں کی نماز کو متفق علیہ طریقہ پر صحیح بنانے کی فکر کیجیے اور فتنہ کا دروازہ کھول کر مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو اس سے پہلے ہی فتنہ کی جڑ کاٹ دیجیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی معیار

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں:

کہ یہاں محلّہ ڈانگرا واڑہ شہر بھروچ میں ایک مسجد جو تقریباً ایک سو پچیس سال پرانی ہے، شہید کی گئی، اور اسی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، پرانی مسجد کی سمتِ قبلہ محفوظ رکھنے کی غرض سے اس کا کچھ حصہ باقی رکھا گیا ہے، جن انجینئر صاحب کو مسجد کا کام سپرد کیا گیا ہے، انھوں نے بتایا کہ نئی مسجد کی سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ متعین کی جائے، تو انہیں سمجھایا گیا کہ پرانی مسجد کی سمت قبلہ جس جانب ہے اسی جانب نئی مسجد کی سمت قبلہ رکھی جائے، یہاں آلات رصد یہ کمپاس وغیرہ کی ضرورت نہیں، پرانی مسجد کی سمت قبلہ ہی کافی ووافی ہے، الحمدللہ تھوڑا سمجھانے پر بات ان کی سمجھ میں آگئی لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ قرب وجوار کے محلوں اور سوسائٹیوں میں جو مساجد از سرِ نو تعمیر کی جاتی ہیں ان میں کمپاس کے ذریعہ سمتِ قبلہ طے کر سکتے ہیں اور عام طور پر ایسا ہی کیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جن مساجد قدیمہ کو شہید کر کے اس جگہ نئی مساجد تعمیر کی جاتی ہیں اس میں بھی انجینئر صاحبان مسجد قدیم کی سمتِ قبلہ کو چھوڑ کر کمپاس کے ذریعہ سمت قبلہ طے کرتے ہیں، جیسا کہ ان انجینئر صاحب نے یہاں کرنا چاہا، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱): اگر مسجد قدیم کو شہید کر کے اسی جگہ نئی مسجد تعمیر کی جائے تو آیا نئی مسجد کی سمت قبلہ بعینہ وہی رکھی جائے جو مسجد قدیم کی تھی، یا آلات رصد یہ کمپاس وغیرہ کے ذریعہ سمت قبلہ طے کی جائے، خواہ دونوں سمتوں میں اختلاف قلیل ہی ہو، بظاہر پہلی صورت ہی زیادہ صحیح اور اکابرِ امت کے تعامل کے مطابق معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ جواہر الفقہ حصہ اول رسالہ "تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال" کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲): اگر کسی ایسی جگہ از سرِ نو مسجد تعمیر کی جائے جہاں قرب وجوار میں دوسری مساجد موجود ہیں تو آیا اس نئی مسجد کی سمتِ قبلہ طے کرنے کے لیے قرب وجوار کی مساجد قدیمہ کی سمت قبلہ کو معیار بنایا جائے؟ یا آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کی مدد سے سمتِ قبلہ طے کی جائے؟ خواہ دونوں سمتوں میں اختلاف قلیل ہو یا کثیر؟ کون سا طریقہ صحیح وتعاملِ سلف سے زیادہ قریب اور امت محمدیہ علی صاحبها الصلوة والتسليم کے لیے زیادہ سہل وآسان ہے؟

(۳): آلاتِ رصدیہ کمپاس وغیرہ کا استعمال کہاں اور کن صورتوں میں کر سکتے ہیں؟

(۴): حضرات فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کا درجہ کیا ہے؟ کمپاس وغیرہ کے ذریعہ طے کی ہوئی سمت قبلہ کا درجہ وہی ہے جو مساجد قدیمہ کے ذریعہ طے کی ہوئی سمت قبلہ کا ہے یا کم یا زیادہ؟ بينوا وتوجروا.

برائے کرم مندرجۂ بالا مسائل کی تحقیق از روئے فقہ حنفی عباراتِ فقہیہ کے ساتھ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً:

"**فتاویٰ عالمگیری**" میں ہے: وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل فى الامصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون، فعلينا اتباعهم فان لم تكن فالسؤال من اهل ذلك الموضع واما فى البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم هكذا فى فتاوى قاضى خان. (عالمگیری ۱/ ۶۳) اور "**فتاوی قاضی خان**" میں ہے: وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل فى الامصار والقرى المحاريب التى نصبتها الصحابة والتابعون رضى الله تعالىٰ عنهم، فحين فتحوا العراق جعلوا قبلة اهلها مابين المشرق والمغرب. لذلك قال ابو حنيفة رحمه الله

تعالیٰ ان کان بالعراق جعل المغرب عن یمینه والمشرق عن یساره، وهكذا قال محمد رحمه الله تعالیٰ وانما قال لذلك لقول عمر رضی الله عنه اذا جعلت المغرب عن يمينك والمشرق عن يسارك فما بينهما قبلة لاهل العراق وحين فتح خراسان جعلوا قبلة اهلها ما بين مغرب الصيف ومغرب الشتاء، فعلينا اتباعهم واتباعهم فی استقبال المحاریب المنصوبة فان لم تكن فالسؤال عن الاهل، اما فی البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم لما روى عن عمر رضی الله عنه انه قال تعلموا من النجوم ماتهتدون به الى القبلة. (قاضی خان علی هامش الهندية ١/ ٦٩، ٧٠)

فتاویٰ خیریہ میں ہے: وقال فی فتاوی قاضی خان: وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل فی الامصار والقرى المحاریب التی نصبتها الصحابة والتابعون رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعين، فعلينا اتباعهم فی استقبال المحاریب المنصوبة فان لم تكن فالسوال من الاهل. اه. فقد جعل السوال من الاهل مؤخرا عن المحاريب وذكر بعضهم ان اقوى الادلة القطب فيجعله من بالشام وراءه والرملة ونابلس وبيت المقدس من جملة الشام كدمشق وحلب وجوز للكل الاعتماد على القطب وجعله خلفه ولا بد فی ذلك من نوع انحراف لاهل ناحية منها لكنه لا يضر كما قررناه وهذاعلى قول من اعتبر الجهة وهو المختار كما فی اكثر الكتب، اما من اشترط اصابة العين فجعل الانحراف القليل مفسدا لكن لا يتحقق الخطا بالانحراف يمنة ويسرة مع البعد عن مكة، وانما بظن وبناء على اشتراط الشافعية ذلك جوزوا الاجتهاد فی المحاريب يمنة ويسرة ما عدا محرابه ومساجده صلى الله عليه وسلم،

و امـا الاجتهـاد فيهـا اى فـى محاريب المسلمين بالنسبة الى الجهة فلا يجوز حيـث سلمت من الطعن لأنهالم تنصب إلا بحضرة جمع من المسلمين أهل مـعـرفة بسـمـت الـكـواكـب والادلة فـجـرى ذلك مجرى الخبر فتقلد تلك الـمـحـاريـب وفى الخادم لهم كما نقله فى حاشية ابن قاسم وهذا كله اذا لم يـجتهـد، و اما لو اجتهد فظهر له الخطأ ظنا او قطعا فلا يسوغ له التقليد قطعا اى تقليد تلك المحاريب. اه.

والحاصل المفهوم من كلامهم انه يجوز الاجتهاد فى المحاريب يمنة ويسـرـة ولا يـجـب وانـه يـجـوز تـقـليدها قبل الاجتهاد وبعده لا يجوزله اذا ظهر خطؤها واما الاجتهاد فى الجهة فلايجوز قبل الطعن امابعده فيجوز. (فتاویٰ خيريه على هامش تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ١/ ١٣،١٤)

''معین الحکام'' میں ہے: اذا دخـل رجـل بـلـدا خـرابـا لا احد فيها وقد حـضـر وقـت الـصلاة فان كان من اهل الاجتهاد ولم تخف عليه دلائل القبلة رجـع الـى اجتهاد ه ولم يلتفت الى تلك المحاريب، وان خفيت عليه الدلائل ولـم يـكـن مـن أهـل الاجتهـاد وكـانـت الـقـرية لـلـمسلمين صلى الى تلك الـمـحـاريـب لان الظاهر من بلاد المسلمين ان مساجدهم واثارهم لا تخفى وان قبـلتهـم ومـحـاريبهـم عـلـى مـا توجبه الشريعة، واما ان كانت محاريب مـنـصـوبة فـى بـلاد الـمسلمين العامرة فى المساجد التى تكثر فيها الصلوات وتتـكـرر ويـعـلم ان اماما للمسلمين بناها فان العالم والعامى يصلون الى تلك الـقبـلة ولا يـحتاجون فى ذلك الى اجتهاد لان من المعلوم انها لم تبن الا بعد

الاجتهاد في ذلك، واما المساجد التي لاتجرى هذا المجرى، فان العالم اذا كان من اهل الاجتهاد فسبيله ان يستدل على الجهة فان خفيت عليه الدلائل صلى الى تلك المحاريب اذا كان بلدا للمسلمين عامرا لان هذا اقوى من اجتهاده مع خفاء الدلائل عليه فاما العامى فيصلى فى سائر المساجد اذ ليس من اهل الاجتهاد. (معين الحكام ١٦٧،١٦٨)

مندرجۂ بالا اور دیگر عباراتِ فقہیہ نقل کرنے کے بعد مولانا محمد یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں: فتلخص من هذه الدرر المنثورة التي التقطناها من كتب الثقات مسائل:

الاولىٰ: ان دلائل القبلة فى العمرانات محاريب الصحابة و التابعين ثم ذوى العلم الموثوق بهم.

الثانية: انه يجب الاستخبار عن اهل البلد اذا لم تكن هناك محاريب منصوبة.

الثالثة: انه لا يجوز التحرى فى محاريب الصحابة والتابعين مطلقا لا فى الجهة ولا فى الانحراف عنها يمنة او يسرة.

الرابعة: انه لايعتبر قول الفلكى فى مقابلة محاريب الصحابة والتابعين.

الخامسة: انه يجوز عدم التحرى فى محاريب عامة المسلمين فى الانحراف عنها ولا يجوز الاجتهاد فى الجهة قبل الطعن.

السادسة: انه يجوز التحرى فى محاريب عامة المسلمين والانحراف عنهم يمينا وشمالا بدليل، ويجوز الاجتهاد فى الجهة بعد الطعن فيها.

السابعة: انه يجوز اعتبار الادلة الهندسية فى باب القبلة، والاعتماد بقول الفلكى فى محاريب غير الصحابة والتابعين عندنا، واما عند الشافعية

فيجوز الاعتماد بها وان كان في محاريبهم. (بل يجب عندهم)

الثامنة: انه يسوغ العمل بالادلة الهندسية ولا يجب.

التاسعة: انه يجوز تحمل الانحراف اليسير فى المحاريب بان لا تتبدل الجهة بالكلية وتبقى مسامتة جهة الكعبة.

العاشرة: ان من كان من اهل الاجتهاد فله ان يجتهد وجوبا فى المحاريب التى لم يعلم ناصبوها.

الحادية عشرة: انه لا يقلد المحراب الخارج عن الجهة بالاجماع.

الثانية عشرة: ان العامى يستوى فى حقه سائر المساجد فيصلى فيها من غير استخبار ولا تحر.

تنبيه: المجتهد فى القبلة هو الذى يعلم ادلة القبلة من الشمس والقمر والنجوم وغيرها كما صرح به العينى فى شرح الهداية. (بغية الاريب فى مسائل القبلة والمحاريب ۷۸،۷۷)

جن علاقوں میں حضرات صحابہؓ وتابعینؒ نے مساجد کی بنیادیں ڈالی ہیں اور سمت قبلہ متعین فرمائی ہے، اور پھر انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں ان علاقوں میں تو سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے انہی کا اتباع کیا جائے بلکہ کتبِ فقہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کی متعین کی ہوئی سمت قبلہ میں آلات رصدیہ کا بالکل اعتبار نہیں کیا جائے گا، کتب فقہ میں جہاں پر لفظ ''مساجدِ قدیمہ'' استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مساجد ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا، یعنی حضرات صحابہؓ وتابعینؒ کی بنائی ہوئیں یا انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے جو مساجد بنائی ہیں، آپ نے اپنے سوال کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مسجد جو تقریباً ایک سو پچیس

سال پرانی ہے شہید کی گئی الخ آپ اپنی اس تحریر سے اپنی اس مسئولہ مسجد کو بھی کتب فقہ میں وارد شدہ لفظ ''مساجد قدیمہ'' میں علی الاطلاق شامل کر رہے ہیں لیکن آپ کا یہ دعویٰ علی الاطلاق درست نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۱۶۲) پر ایک سوال ہے وہ سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک مسجد جامع ہے جو تقریباً ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ ہے، آج کل اس میں بوجہ تنگی نمازیوں کو سخت تکلیف ہو رہی تھی، مسجد ھٰذا کو بغرض توسیع و تعمیرِ جدید منہدم کرایا گیا کہ پہلی بنیاد سے اسے سیدھی کرنے میں اتر کا مغربی گوشہ تین ہاتھ پچھّم جانب بڑھایا گیا اور دکھن کا مشرقی گوشہ تین ہاتھ پورب ہٹایا گیا مگر پھر بھی قطب سے کچھ فرق رہ گیا، کوئی صورت ایسی نہیں ہوسکتی جو قطب سے بالکل سیدھی کی جاسکے، بہت بڑا کنواں مسجد کی بنیاد میں پڑ رہا تھا، ایسی مسجد ھذا میں شرعاً کوئی نقص نماز کی ادائیگی وغیرہ میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ اور قطب کو تعمیر مسجد میں شرعا کیا حیثیت حاصل ہے؟ قبلہ رخ جو معتبر ہے جس کو فقہاء نے ''بین الفرقدین و الجدی'' لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً و مسلماً: اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا، تاہم اگر دوبارہ تعمیر سے اصلاح نہ ہوسکی تو صفوف کے نشان صحیح طور پر مسجد میں لگا دیئے جائیں اور ان کے موافق رخ صحیح کرلیا جائے پھر مسجد کو گرا کر از سرِ نو تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمت معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہاء نے لکھی ہیں: قطب بھی ایک دلیل ہے بلکہ اقوی الادلہ ہے، اہل ہند سے قبلہ کا رخ عامۃً جانب مغرب میں ہے، پس اگر سردی اور گرمی میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہے اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی، یعنی دونوں موسموں کے جائے غروب کے درمیان کا حصہ

جہت کعبہ ہے، یہی مطلب ہے ”بین الفرقدین و الجدی“ کا۔ و تعرف بالدلیل الخ (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۶۲،۱۶۳) اس جواب پر ۹/ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ کی تاریخ لکھی ہوئی ہے گویا آج سے ۵۷ سال قبل کا تحریر فرمودہ جواب ہے اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے سوال میں تصریح موجود ہے کہ وہ مسجد ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ تھی اس کے باوجود جواب میں اس کا رخ صحیح کرنے کی تاکید کی جارہی ہے، اور ایک سو تیس سال کی تعمیر شدہ ہونے کی بنیاد پر مسجد قدیم کہہ کر اس انحراف کو باقی رکھنے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے؛ اسی طرح کا ایک سوال و جواب فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۶۲ پر بھی موجود ہے۔

”فتاوی خیریہ“ کی جو عبارت شروع جواب میں نقل کی گئی ہے اس میں بھی یہی نوعیت پائی جاتی ہے، جب کہ فتاویٰ خیریہ کی ترتیب وتبویب ۱۰۸۱ھ میں ہوئی ہے، صاحب فتاویٰ خیریہ اسی نوع کے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: اذا لم یکن المحراب من وضع الصحابة والتابعین ولا من وضع ذوی العلم الموثوق بھم فی معرفة القبلة ولا علی سمت وضعھم فلا عبرة به اجماعا. (الفتاوی الخیریة علی ھامش الفتاویٰ الحامدیة ۱/۱۶) آگے تحریر فرماتے ہیں: ”والمسئلة واضحة وحاصلھا اذا تحقق خروجه عن الجھة بالکلیة لایجوز اعتماده اجماعا واذا لم یخرج عنھا جاز اعتماده وان کان فیه انحراف قلیل یجوز عند الحنفیة ولا یجوز عند الشافعیة، ومعرفة ذلك من ھذا العلم لا ینکره احد ونحن علی علم بان الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم اعلم من غیرھم فاذا علمنا انھم وضعوا محرابا لایعارضھم من ھو دونھم و اذا علمنا ان محرابا وضع من غیرھم بغیر علم لا نعتمده واذا لم نعرف شیئا وعلمنا کثرة المارین وتوالی المصلین علی مرور السنین عملنا بالظاھر وھو

الصحة وعند تحققنا بالخطأ زال الغطا وهو فی اختلاف الجهة بحيث يكون متجاوزا المشارق الی المغارب. (الفتاوی الخيرية علی هامش الفتاویٰ الحامدية ۱/۱۷)

ان ساری عبارتوں کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ حضرات صحابہؓ وتابعینؒ کی بنائی ہوئی مساجد کے علاوہ دیگر مساجد میں اگر دلائل سے معلوم ہوجائے کہ اس کی جہت درست نہیں ہے، تو اس کو درست کردیا جائے گا، ہاں معمولی فرق قابل انگیز ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

(۱): اگر مسجدِ قدیم کے متعلق معلوم ہے کہ اس کی تعمیر ثقہ اور قابل اعتبار ماہر علماء کی نگرانی میں ہوئی ہے تو اس صورت میں اس کو شہید کرکے نئی تعمیر کی جانے والی مسجد کی سمت قبلہ وہی رکھی جائے جو مسجد قدیم کی تھی۔

(۲): از سر نو تعمیر کی جانے والی مسجد کے قرب وجوار میں دوسری مساجد مندرجۂ بالا نمبر (۱) کے مطابق موجود ہیں تو اس نئی مسجد کی سمت قبلہ کے لیے قرب وجوار کی مسجد کو معیار بنایا جائے۔

(۳/۴): اگر صحابہ وتابعین کے زمانہ کی مساجد موجود ہیں تو سمت قبلہ کی تعیین کے لیے انہی کو معیار بنانا ضروری ہے، آلات رصدیہ کا کوئی اعتبار اس صورت میں نہیں ہوگا اور صحابہ وتابعین کے زمانہ کی مساجد کے نہ ہونے کی صورت میں اگر جواب (۱) میں مذکور نوع کی مساجد ہوں ان کو سمت قبلہ کی تعیین کے لیے معیار بنایا جائے، اور اگر اس نوع کی بھی کوئی مسجد موجود نہیں تو آلات رصدیہ کو صحیح استعمال کرنے والا ماہر موجود ہے اور اس نوع کے ماہرین کے اقوال میں آپس میں کوئی تعارض بھی نہیں پایا جاتا ہے تو اس صورت میں اس ماہر کی متعین کردہ سمت قبلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ ''فتاویٰ خیریہ'' کے حوالہ سے

تحریر فرماتے ہیں: وقال (فی حق قبول قول الفلکی) ومع ذلك يعمل به بلا شبهة اذا خلا عن المعارضة بما هو مثله او هو فوقه. (بغية الاريب فی مسائل القبلة والمحاريب ۷۶) اور جیسا کہ آگے ہم اوپر نقل کر آئے، مختلف عبارات فقہیہ سے جو نتائج انھوں نے نکالے ہیں اس میں تو یہاں تک فرمایا ہے: العاشرة: ان من كان من اهل الاجتهاد فله ان يجتهد وجوبا فی المحاريب التی لم يعلم ناصبوها. (بغية الاريب ۷۸)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ بھی تحریر فرماتے ہیں: اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ سے اگر اس میں کام لے لیا جائے تو جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور جو جہت ان حسابات کے ذریعہ متعین کی جائے وہ شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق فیصلہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا یہ ہے کہ جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں تو باتفاق علماء ان آلات وحسابات سے کام لینا جائز ہے؛ بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو اس کے لیے ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں ضروری ہے کہ بجائے دوسری علامات ونشانات کے ان آلات وحسابات سے کام لے؛ کیوں کہ محض تحری وتخمینہ سے زیادہ مفید ظنِ غالب ہے۔ (رسالہ سمت قبلہ جواہر الفقہ ۱/ ۲۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: سمت قبلہ کے موضوع پر ایک عربی تصنیف "بغية الاريب فی مسائل القبلة والمحاريب" کے نام سے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب علیہ الرحمۃ کی بھی ہے اس کا مطالعہ بھی ضرور فرمالیں، جواہر الفقہ کے مطالعہ کے بعد بھی کچھ گوشے تشنہ رہ جاتے ہیں مذکورہ رسالہ کے مطالعہ کے بعد اس کی تلافی ہوجاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

پہلی صف کون سی ہے؟

سوال: بعض مسجدوں میں جگہ کی قلت کی وجہ سے امام کے قریب سے صف بنتی ہے کیا یہ پہلی صف ہوگی یا امام کے پیچھے مکمل ایک صف والی صف پہلی صف ہوگی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

امام کے قریب سے جو صف بنتی ہے وہ پہلی صف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قلت مکان کی وجہ سے امام کے پیچھے ایک آدمی کھڑا رہ سکتا ہے

سوال: ریل گاڑی میں جگہ کی قلت کی وجہ سے دو سیٹوں کے درمیان میں آگے امام کھڑا رہے، اور برابر اس کے پیچھے ایک مقتدی کھڑا رہے تو درست ہے، یا اکیلے ہی نماز پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نماز درست ہوگی، اور اکیلے نہ پڑھیں بلکہ جماعت کر لینا چاہیے، عذر کی وجہ سے اکیلے آدمی کے لیے امام کے پیچھے کھڑے رہنے میں حرج نہیں ہے۔ لان قیام الواحد خلف الامام مکروہ تنزیہاً کما صرح فی الدر ۱/۴۱۹ علی ھامش الشامی. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بچوں سے متعلق صفوف کے چند مسائل:

محترم و مکرم جناب مفتی صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بعد سلام کے عرض ہے کہ میں بہت ہی مؤدبانہ التماس کے ساتھ مندرجہ ذیل سوالات آپکی خدمت اقدس میں ارسال کرر ہا ہوں، جن کے جوابات کی روشنی میں مسجد کے مصلی حضرات کی عمومی طور پر اور مسجد کے متولی حضرات کی خصوصی طور پر رہنمائی ممکن ہوگی۔ آپ کے جوابات کے لیے میں بلکہ سب کے سب مصلی بہت بہت ممنون اور مشکور ہوں گے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی خصوصی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ آمین

سوال (۱): عام طور پر کتنی عمر کے بچے (لڑکے) مسجد میں فرض نماز ادا کر سکتے ہیں؟

سوال (۲): فرض نماز کی ادائیگی کے لیے بچوں کی (لڑکوں کی) صف کہاں بنانی چاہیئے؟

سوال (۳): عام طور پر کتنی عمر کے بعد بچے (لڑکے) بڑوں کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں؟

سوال (۴): اگر چھوٹی عمر کے لڑکے بڑوں کے ساتھ صف میں شامل ہو جائیں تو کیا اس طرح بڑوں کی نماز ضائع ہو جائیگی؟ اگر واقعی اس طرح نماز ضائع ہوتی ہے تو کس حد تک؟

سوال (۵): کوئی مصلی دیر سے آیا جماعت کھڑی ہو چکی تھی اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹا بچہ بڑوں کی صف میں کھڑا نماز ادا کر رہا ہے۔ تو کیا وہ مصلی چھوٹے بچے کو کھینچ کر پیچھے کی قطار میں لا سکتا ہے؟

سوال (۶): کیا کوئی والد یا نگہبان چھوٹے لڑکے کو پہلی صف میں یا اس کے بعد کی صف میں اپنے ساتھ کھڑا کر سکتا ہے؟ ایک عالم کی رائے کے مطابق ایسے کرنا کوئی مکروہ فعل نہیں۔

سوال (۷): کیا یہ ایک مناسب دلیل ہے کہ بچوں کو بڑوں کے ساتھ صف میں کھڑا کیا جائے کیونکہ جب ان کو الگ پچھلی صف میں کھڑا کیا جاتا ہے تو وہ شرارتیں کر کے بڑوں کی نماز میں مخل ہوتے ہیں اور ان کی توجہ کو ہٹانے کا سبب بنتے ہیں؟

سوال (۸): انتظامیہ کمیٹی یا امام صاحب کے لیے یہ کس حد تک ضروری ہے کہ وہ اس بات پر اصرار کریں کہ جماعت خانہ (مسجد) میں بچوں کی صف سب سے آخر میں بنائی جائے یا بڑوں کی صفوں کے بعد ایک یا دو قطاریں بچوں کے لیے مختص کر دی جائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

(۱): ایسے بچے جو نماز اور وضو وغیرہ کی تمیز رکھتے ہیں، اور آداب مساجد سے واقف ہو کر اس کی بجا آوری کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کو مسجد میں لایا جا سکتا ہے، اور جو بچے نماز وضو وغیرہ کی تمیز نہیں رکھتے، اور آداب مسجد کی بجا آوری کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کو مسجد میں لانا درست نہیں۔ (ماخوذ از احسن الفتاوی ۳/ ۲۸۰)

(۲) صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ نابالغوں کی مستقل صف بالغین کی صف سے پیچھے ہو، وہ بالغین کی صف میں نہ کھڑے ہوں؛ البتہ اگر نابالغ تنہا ہو تو وہ بالغین کی صف میں ہی کھڑا ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۲۹۷)

(۳) صفوں کی ترتیب میں شریعت نے بلوغ اور عدم بلوغ کو ملحوظ رکھا ہے، عمر کو ملحوظ نہیں رکھا، اگر لڑکا بالغ ہو تو وہ بڑوں کی صف میں شامل ہوگا۔

(۴) چھوٹی عمر کے لڑکوں کے بڑوں کے ساتھ شامل ہو جانے کی وجہ سے بڑوں کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۲۹۷) ایک بچہ ہونے کی صورت میں اس کو بڑوں کے ساتھ کھڑا کرنے کا حکم کتابوں میں صراحۃً موجود ہے، اگر نابالغ بچہ کے بڑوں کے ساتھ صف میں شامل ہونے سے بڑوں کی نماز خراب ہو جاتی تو یہ حکم نہ دیا جاتا۔

(۵) اگر ایک ہی چھوٹا بچہ بڑوں کی صف میں کھڑا ہو کر نماز اداء کر رہا ہے تو اس کا یہ عمل شرعاً درست ہے اس لیے کہ یہی حکم ہے۔ بعد میں آنے والا مصلی اسکو کھینچ کر پیچھے کیوں لائے گا؟

(۶) اگر چھوٹے بچوں کی صف مستقل بنی ہوئی ہے تو والد یا نگہبان کو ایسا کرنا مناسب نہیں؛ لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے چھوٹے بچہ کو اپنے ساتھ پہلی یا اس کے بعد کی صف میں کھڑا کیا تو یہ گناہ نہیں۔

(۷) جی ہاں! ''احسن الفتاوی'' میں ہے: ''اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو تو اس کو بالغوں کے ساتھ ہی کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، مگر اس زمانہ میں لڑکوں کو مردوں کی صفوف ہی میں کھڑا کرنا چاہئے؛ کیونکہ دو یا زیادہ لڑکے ایک جگہ جمع ہونے سے اپنی نماز خراب کرتے ہیں بلکہ بالغین کی نماز میں بھی خلل پیدا کرتے ہیں''۔ قال العلامة الرافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ: (قوله ذکره فی البحر بحثاً) قال الرحمتیؒ ربما یتعین فی زماننا ادخال الصبیان فی صفوف الرجال لان المعهود منهم اذا اجتمع صبیان فاکثر تبطل صلوة بعضهم ببعض و ربما تعدّی ضررهم الی افساد صلوۃالرجال۔ انتهیٰ. (التحریر المختار ۱/۷۳، احسن الفتاوی ۳/۲۸۰)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''جو بچے بالکل کم عمر ہوں ان کو تو مسجد میں لانا ہی جائز نہیں، نابالغ بچوں کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ ان کی الگ صف بالغ مردوں کی صف سے پیچھے ہو لیکن آج کل بچے جمع ہو کر زیادہ اودھم مچاتے ہیں اس لیے مناسب یہی ہے کہ بچوں کو ان کے اعزہ اپنے برابر کھڑا کر لیا کریں، بچوں کو سمجھانا چاہئے اور پیار و محبت و شفقت سے ان کو نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ بتانا چاہئے، بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے چنداں فائدہ نہیں ہوتا''۔ مزید ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''اگر بچہ ایک ہو تو اس کو بالغ مردوں کی صف میں ہی کھڑا کیا

جائے، اور اگر بچے زیادہ ہوں تو ان کی الگ صف بالغ مردوں سے پیچھے ہونی چاہئے، اور یہ حکم بطور وجوب نہیں، بطور استحباب ہے۔ تاہم اگر بچے اکھٹے ہوکر نماز میں گڑبڑ کرتے ہوں یا بڑا مجمع ہونے کی وجہ سے ان کے گم ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ان کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہئے تاکہ ان کی وجہ سے بڑوں کی نماز میں خلل نہ آئے، اور یہ حکم ان بچوں کا ہے جو نماز اور وضو کی تمیز رکھتے ہوں، ورنہ زیادہ چھوٹی عمر کے بچوں کو مسجد میں لانا جائز نہیں''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/۲۲۲)

(۸) اوپر کے جوابات میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۱۰/صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کے بالائی حصہ میں عورتوں کی بلا جماعت نماز کا حکم

سوال: ہمارے یہاں ایک ایسی جگہ ہے جہاں کافی ساری مسلم عورتیں کام کرتی ہیں، اور وہ کافی دور سے آتی ہیں، نیز اس جگہ پر ایک مسجد بھی ہے جس کے دو حصے ہیں، ایک اوپر کا اور ایک نیچے کا، اور دو ہی دروازے ہیں، ایک اوپر جانے کے لیے اور ایک نیچے جانے کے لیے، مرد لوگ نیچے کے حصے میں نماز ادا کرتے ہیں، اور نماز کے بعد ۲۰۔۲۵ منٹ رکتے ہیں پھر مسجد خالی ہوجاتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ عورتیں صبح سے کام کے لیے آتی ہیں اور شام ہو جانے پر اپنے گھروں کو روانہ ہوتی ہیں ان پر تین نمازوں کا وقت گزرتا ہے لہذا یہ عورتیں مسجد کے اس حصے میں جس میں مرد نماز نہیں پڑھتے، کیا بلا جماعت کے اپنے اپنے طور پر نماز پڑھ سکتی ہیں؟ جبکہ دروازہ بھی الگ ہے، جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

قطع نظر اس سے کہ ان عورتوں کا دور دور سے ملازمت کے لیے اس طرح آنا شرعا مفاسد و مضرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممنوع و حرام ہے۔ان کو مسجد میں بلا جماعت تنہا اپنی نماز پڑھنے کی اجازت دینا آئندہ بہت سارے مفاسد و فتن (جو اہل افتاء پر مخفی نہیں) کا دروازہ کھولنا ہے۔اس لیے جہاں پر وہ کام کرتی ہیں وہیں کوئی کمرہ ان کی نماز کے لیے مخصوص کر دیا جائے کہ اس میں وہ اپنی نماز ادا کرتی رہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عورتوں کا نماز باجماعت پڑھنا

سوال: تنہا عورتوں کی جماعت (یعنی ایک عورت دوسری عورتوں کو نماز پڑھائے) کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اس طرح عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عورتوں کا نماز کی جماعت میں حاضر ہونا کیسا ہے؟

سوال: عورتوں کا مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟ غیر ممالک مثلاً سعودی عرب وغیرہ میں عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھتی ہیں۔بہر حال اجازت اور عدم اجازت کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اس سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں: ''عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں، عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالس وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہے، اور اس حکم فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے: عن عائشةؓ قالت: لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل فقلت لعمرة: او منعن؟ قالت نعم. (رواه البخاري) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انھوں نے اب اختیار کی ہیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو انھیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ انتہی۔

اس حدیث سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابۂ کرامؓ کے زمانہ میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعت میں جانا سببِ فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ و دیگر اکابر صحابہؓ عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت جس میں عورتوں کا زمانۂ رسالت پناہی میں عیدین میں جانا مذکور ہے تحریر فرماتے ہیں: علماء نے فرمایا کہ عورتوں کا عیدین میں جانا رسولِ خدا ﷺ کے زمانہ میں اس لیے تھا کہ وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا اور فتنہ کا خوف نہ تھا اور آج کل جوان عورتیں خوبصورت خوش وضع

ہرگز نہ جائیں، اور اسی لیے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی یہ حرکت ملاحظہ فرماتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے، جیسے: بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھی، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک کے بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے، اور آج کل تو خدا کی پناہ! پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انتہی۔ جب کہ علامہ عینیؒ اپنے زمانہ میں یہ فرماتے ہیں کہ آجکل کی عورتوں کے حالات سے خدا کی پناہ! تو پھر ہمارے اس زمانہ چودھویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب یعنی علمائے حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو صاحبِ بدائع نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جوان عورت کو عیدین اور جمعہ بلکہ کسی نماز میں جانے کی اجازت نہیں بوجہ ارشادِ باری تعالیٰ: وقرن فی بیوتکن کے، اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، ہاں بوڑھیاں عیدین کے لیے جاسکتی ہیں اور اس میں خلاف نہیں ہے، کہ افضل بوڑھیوں کے لیے بھی یہی ہے کہ کسی نماز کے لیے نہ نکلیں۔ انتہی. (عینی شرح بخاری و بدائع ۱/ ۲۷۵)

اور بدائع میں ہے: جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا، اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اور فتنہ حرام ہے، اور جو چیز فتنہ کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ انتہیٰ. (بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۷) اور فتاوی ہندیہ معروف بہ فتویٰ عالمگیری میں ہے یعنی اس زمانہ میں فتوی اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے کیونکہ ظہور فساد کا زمانہ ہے۔ (فتاوی عالمگیری ۱/ ۹۳) اور بدائع میں ہے: عورت کا

حکم یہ ہے کہ وہ خاوند کی خدمت میں (شرعاً) لگائی گئی ہے، اور مردوں کی مجلسوں میں جانے سے (شرعاً) روکی گئی ہے؛ کیونکہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور اسی لیے عورتوں پر جماعت اور جمعہ نہیں۔ (بدائع الصنائع ۱/ ۲۵۸)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نماز پنجگانہ، عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہِ تحریمی ہے، اور گھروں سے ان کے نکلنے میں ہی فتنہ ہے، اور یہ ممانعت حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، عروۃ بن الزبیرؓ، قاسمؒ، یحیٰ بن سعید انصاریؒ، امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ وغیرہم سے منقول ہے، اور ائمۂ حنفیہ کا بالاتفاق یہی مذہب ہے جیسا کہ عینی اور بدائع کی عبارتوں سے واضح ہے''۔ (کفایت المفتی ۵/ ۳۹۱ تا ۳۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد شرعی میں تکرار جماعت مکروہِ تحریمی ہے

سوال: ہمارے کالج میں جماعت سے نماز ہوتی ہے جو امام صاحب پڑھاتے ہیں لیکن جو حضرات جماعت میں شامل نہیں ہو پاتے، وہ بعد میں اپنی الگ جماعت بنا لیتے ہیں اور ایسی چار پانچ مرتبہ جماعت بنائی جاتی ہے، کیا اس طرح بار بار جماعت بنا کر پڑھنا درست ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آپ کے کالج میں جس جگہ پر جماعت سے نماز ہوتی ہے وہ جگہ اگر مسجد شرعی ہے تو امام صاحب کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھا چکنے کے بعد میں آنے والوں کا جماعت کر کے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے درمختار میں ہے: ویکرہ تکرار الجماعۃ الخ.

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: (قولہ ویکرہ) ای تحریماً. (شامی ۱/ ۴۰۸)

اور اگر وہ جگہ مسجدِ شرعی نہیں ہے صرف نماز کی ادائیگی کے لیے اسکو مخصوص کر لیا گیا ہے، مسجدِ شرعی کی نیت نہیں کی گئی ہے، تو اس صورت میں بعد میں آنے والوں کے لیے

دوسری جماعت کر کے نماز ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد جدید کی تعمیر قدیم بنیاد پر

سوال: صوبہ مہاراشٹر ضلع امراوتی مقام مورسی محلّہ پیپل پورہ کی مسجد جس کی تعمیر تقریباً سات آٹھ سال قبل پرانے دیواروں کے نشانات پر رکھی ہے؛ لیکن فی الحال ٹائل بیٹھانے کی غرض سے مسجد کو ناپا گیا جس کے نتیجہ میں قبلہ کا رخ بھی دیکھا گیا جو صحیح نہیں ہے، بلکہ قبلہ کا رخ جاننے کا جو آلہ ہے اس کے مطابق جنوب کے جانب نو فٹ کا فرق ہے، جس کی پوری کیفیت حسبِ ذیل نقشہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گی۔

اس مسجد کی عمارت تقریباً دو لاکھ کے خرچ سے تعمیر کی ہوئی ہے، جس کو یہاں کے مصلیوں کے حالات کے مطابق قبلہ کا رخ درست کرنے کے لئے توڑ بھی نہیں سکتے اور اگر مسجد کو توڑے بغیر مسجد ہی کے اندر صفیں ترچھی کر کے قبلہ کا رخ درست کیا جائے، تو اس صورت میں دو خرابی ہے، ایک یہ ہے کہ اس صورت میں صرف کامل دو ہی صفیں ہوتی ہیں، باوجود کہ اس میں فی الحال چار صفیں کامل ہو رہی ہیں۔

دوسری خرابی دونوں صورتوں میں (صفیں ترچھی کرنے اور مسجد کو توڑنے کی صورت میں) اور یہ ہی سب سے بڑی خرابی ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ اور جھگڑے کا اور دو گروہ ہو جانے کا بہت زیادہ بلکہ فتنہ کا تو یقین ہی ہے، دوسری بات یہ کہ یہ مسجد پورے تعلقہ کا مرکز کہلاتی ہے؛ لہذا آپ سے درخواست ہے کہ جماعت کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، تفصیلی جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

سمت قبلہ کی تعیین اور بنائے مسجد میں سنت سلف صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس بلدہ میں مساجدِ قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں، ان کا اتباع کیا جائے، ایسے مقامات میں آلات رصد یہ اور قواعدِ ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت کے خلاف اور نامناسب اور باعثِ تشویش ہے۔ (جواھر الفقہ ۱/ ۲۵۲، رسالہ تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال)

اس لئے آپ کی موجودہ مسجد کی جدید تعمیر جس کی بنیاد قدیم مسجد کی دیواروں پر رکھی گئی ہے وہی طریق سلف کے مطابق ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

مسجد کی ظاہری خوب صورتی برقرار رکھنے کے لئے ۴۵ ڈگری منحرف کردینا

سوال: انگلینڈ میں اکثر مساجد، مکانات یا فیکٹریاں خرید کر بنائی گئی ہیں، جن میں سے اکثر میں قبلہ سے تھوڑا بہت انحراف ہے، اس ملک میں مسلمان نئے آباد ہوئے ہیں اس لئے یہاں پرانی مساجد نہیں ہیں، اب اکثر شہروں میں نئی مساجد بنائی گئی ہیں، جو کہ ۱۳۰ ڈگری جنوب مشرق کے قبلہ رخ پر بنائی گئی ہیں، ہمارے شہر میں دو نئی مسجد اور یہاں سے ۴۵ میل دور یورپ کا تبلیغی مرکز ہے، اس کی مسجد بھی ۱۳۰ ڈگری جنوب مشرق قبلہ رخ پر بنائی گئی ہے، یہاں اس ملک میں تقریباً سب علماءِ کرام کا اس ڈگری قبلہ رخ پر اتفاق ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے محلّہ میں پہلے مکانات میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے، ان سب میں ۱۳۰ ڈگری پر نماز باجماعت ادا کی جاتی رہی اس ڈگری پر تقریباً پندرہ سال ہم نے نماز ادا کی، اب اسی سڑک اور اسی محلّہ میں جہاں گزشتہ کئی برسوں سے مکان میں جماعت ہوتی رہی، ایک بڑی فیکٹری خرید کر مسجد بنائی ہے، جس میں تقریباً ایک ہزار آدمی

باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں، جبکہ مکان میں صرف پچاس ساٹھ آدمیوں کی گنجائش تھی: موجودہ جگہ میں مسجد کی خوب صورتی قائم رکھنے کے لئے پہلے قبلہ رخ سے تقریباً ۴۵ ڈگری جنوب کی طرف انحراف کر دیا ہے، اس انحراف قبلہ کی وجہ سے محلّہ کے کچھ لوگ متفق نہیں ہیں؛ آپ تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ قبلہ سے کتنی ڈگری انحراف کی گنجائش ہے، کیا صرف مسجد کی خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے ۴۵ ڈگری کے انحراف قبلہ میں نماز ادا ہو جائے گی؟

نیچے دیئے گئے نقشہ میں پہلی جگہ اور موجودہ کے قبلہ رخ کو ملاحظہ فرمائیں، پہلے مکان اور موجودہ جگہ میں نمازیوں کی صفوں کی ترتیب اور رخ سرخ پنسل سے دکھایا گیا ہے، پہلا مکان اور موجودہ مسجد ایک ہی سڑک پر ہیں، اس وقت موجودہ مسجد میں تقریبا ایک سو آدمی نماز پڑھتے ہیں جبکہ گنجائش ایک ہزار نمازیوں کی ہے؛ براہِ کرم اس مسئلہ کا جواب اردو اور گجراتی زبان میں آسان الفاظ میں تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، ان شاء اللہ آپ کا فتویٰ اس ملک کے لئے آنے والے زمانے کے لئے دلیل ہوگا۔ نقشہ:

پہلا قبلہ رخ	130 ڈگری	175 ڈگری	موجودہ قبلہ رخ جنوب کی طرف
	سڑک		175 ڈگری
130 ڈگری جنوب مشرق			

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

وہ ممالک اور مقامات جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں شرعی طریقہ جو سلف سے ثابت ہے، یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب وغیرہ کے مشہور اور معروف ذرائع سے اندازہ قائم کر کے سمتِ قبلہ متعین کی جائے، اگر اس میں معمولی میلان اور انحراف بھی

رہے تو اس کو نظر انداز کیا جائے، اس لئے کہ ان بلاد بعیدہ میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ ہے، اور اسی پر احکام کا مدار ہے: بخلاف ما اذا کان فی المفازۃ فینبغی وجوب اعتبار النجوم ونحوھا فی المفازۃ بتصریح علماء نا وغیرھم لکونھا علامۃ معتبرۃ فینبغی الاعتماد فی اوقات الصلوٰۃ وفی القبلۃ علی ماذکرہ العلماء الثقات فی کتب المواقیت، وعلی ما وضعوہ لھا من الآلات کالربع والاصطرلاب فانھا ان لم تفد الیقین تفد غلبۃ الظن للعالم بھا، وغلبۃ الظن کافیۃ فی ذلک. (شامی ۱/ ۳۱۷)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں آلاتِ رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا جائز بلکہ ماہر وواقف کے لئے ضروری ہے کہ دیگر علامات ونشانات کے بجائے ان آلات سے کام لے، اس لئے کہ محض تحری اور تخمینہ کے مقابلہ میں ان آلات کے ذریعہ زیادہ ظن غالب حاصل ہوگا۔

حسبِ تصریح فقہاء عین کعبہ سے ۴۵ ڈگری کا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔ فعلم ان الانحراف الیسیر لا یضر وھو الذی یبقی معہ الوجہ او شیء من جوانبہ مسامتا لعین الکعبۃ او لھوائھا بأن یخرج الخط من الوجہ او من بعض جوانبہ ویمر علی الکعبۃ او ھوائھا مستقیما ولا یلزم ان یکون الخط الخارج علی استقامۃ خارجا من جبھۃ المصلی بل منھا او من جوانبھا. (شامی ۱/ ۳۱۶) البتہ ایک قول کے مطابق عین کعبہ کی دونوں جانب ۲۴/ ۲۴ ڈگری انحراف جائز ہے یعنی مفسدِ صلوٰۃ نہیں اس سے زیادہ جائز نہیں؛ لیکن اس کو احتیاط پر محمول کیا گیا ہے: وقال ابو منصور: ینظر الی اقصر یوم فی الشتاء والی اطول یوم فی الصیف، فیعرف مغربیھما ثم

یترك الثلثين عن يمينه والثلث عن يساره ويصلی فيما بين ذلك وهذا استحباب والاول للجواز. اھ. (منحة الخالق ۱/۳۰۱)

آپ کے یہاں جب سمت قبلہ کے ۱۳۰ درجہ جنوب مشرق ہونے پر علماء متفق ہیں، اسی کے مطابق جدید مساجد بھی تعمیر ہورہی ہیں اور اب تک کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے، اب محض مسجد کی ظاہری خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لئے اس کا رخ ۴۵ درجہ تک منحرف کردینا بالکل نامناسب ہے، اگرچہ ۴۵ درجہ کا انحراف بقول مفتی بہ انحراف معفو عنہ کی آخری حد ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز صحیح ہوجائے گی؛ لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا دوسرے قول (جس کو احوط قرار دیا گیا ہے) کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوتی، اور نماز جیسی اہم اور عظیم عبادت میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اسی لئے مسجد حرام میں صرف حطیم کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو فریضہ ادا نہ ہوگا جبکہ طواف میں حطیم کو بھی شامل کرلینا ضروری ہے۔ (ہدایہ ۱/۲۲۱) دیکھئے نجاست غلیظہ کی قدر درہم مقدار معاف ہے یعنی اس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح ہوجاتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس کے ازالہ پر قدرت ہونے کے باوجود اس کو باقی رکھتے ہوئے نماز پڑھی جائے؛ بلکہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ اس طرح نماز مکروہ ہوگی۔

بحرالرائق میں ہے: ومراده من العفو صحة الصلوة بدون ازالته لاعدم الكراهة لما فی السراج الوهاج وغيره ان كانت النجاسة قدر الدرهم تكره الصلوٰة معها اجماعا وان كانت اقل وقد دخل فی الصلوٰة نظر. ان كان فی الوقت سعة فالافضل ازالتها واستقبال الصلوٰة وان كانت تفوته الجماعة. (۱/۱٤۰)

ظاہری خوبصورتی کے مقابلہ میں معنوی وباطنی خوبصورتی کا لحاظ مقدم ہے، سمتِ قبلہ کا مستقیم ہونا محاسنِ باطنیہ میں سے ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں سمتِ قبلہ کو

درست کر لینا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

التحیات سے پہلے سجدہ کی تسبیح دو مرتبہ پڑھی تو سجدۂ سہو نہیں ہے

سوال: زید نے عشاء کی نماز پڑھائی اور قعدۂ اولیٰ میں التحیات سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی التحیات پڑھنے کے بجائے سجدہ کی یا رکوع کی تسبیح دو مرتبہ پڑھی، اور چوکنا ہو گیا کہ میں تو قعدہ میں ہوں، فوراً التحیات پڑھنا شروع کر دیا، اب وہ نماز میں ہی پریشان ہو گیا کہ سجدۂ سہو کروں یا نہیں؟ ایک طرف یہ خیال آتا ہے کہ تین تسبیح کی بقدر تاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، دوسری طرف یہ خیال آتا ہے کہ التحیات کے بعد اللّٰھم صل علی محمد پڑھ دیا تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، بالآخر وہ نماز میں ہی اس نتیجہ پر پہنچا کہ سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، لہٰذا سجدہ نہیں کیا اور نماز ختم کر دی؛ مگر بعد میں کچھ لوگوں نے کہا کہ سجدۂ سہو واجب تھا لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہوگی، اب آپ والا جواب عنایت فرمائیں کہ نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

صورتِ مسئولہ میں امام تشہد سے پہلے صرف دو مرتبہ ہی رکوع کی یا سجدہ کی تسبیح پڑھا ہے، تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا، اور سجدۂ سہو نہ ہونے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ بھی نہیں تھی، اس لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قومہ اور سجدہ کے اذکارِ مسنونہ

سوال: نفل یا سنت یا فرض نماز میں قومہ کے وقت ربنا لك الحمد کے بعد

حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی کے بعد سبوح قدوس رب الملائکة والروح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دونوں سجدوں کے درمیان اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی واجبرنی وارفعنی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہو یا منفرداً نماز پڑھتا ہو۔

نوٹ: یہ کچھ ارشادات حصن حصین کتاب سے نقل کر رہا ہوں چوں کہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے اس لیے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فتویٰ میں ان مسائل کا کیا حل ہے اور کس پر فتویٰ ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مسنون یہ ہے کہ قومہ میں اللھم ربنا ولك الحمد یا اللھم ربنا لك الحمد یا ربنا لك الحمد پڑھے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے اس کے علاوہ دیگر دعائیں جو وارد ہوئی ہیں ان کو نوافل میں پڑھے، فرائض میں ان کا پڑھنا مسنون نہیں ہے۔(ویجلس بین السجدتین مطمئنا) لما مر .... (ولیس بینهما ذکر مسنون وکذا) یسن (بعد رفعه من الرکوع) دعاء وکذا لا یأتي فی رکوعه وسجوده بغیر التسبیح (علی المذهب) وما ورد محمول علی النفل. (درمختار)

فرائض میں تنہا پڑھنے کی صورت میں جائز ہے، علی انه ان ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الانفراد، او الجماعة والماموموں محصورون لا یتثقلون بذلك الخ کما فصله العلامة بن عابدین الشامی (ردالمحتار ۱/ ۳٤۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذو الحجہ الحرام ۱۴۰۶ھ

رکوع میں یاد آیا کہ سورت نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

سوال: ایک شخص چار رکعت فرض پڑھ رہا تھا، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے

بعد سورۃ ملانا بھول گیا اور سیدھا رکوع میں چلا گیا، پھر رکوع میں جانے کے بعد یاد آیا کہ سورۃ نہیں پڑھی، تو کیا ایسی صورت میں رکوع میں یاد آنے کے بعد سورۃ پڑھنے کی طرف نہ لوٹنے سے نماز فاسد ہو جائیگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اس صورت میں جبکہ اس کو رکوع میں یاد آیا کہ میں نے سورۃ نہیں ملائی تو اس کو چاہئے کہ قیام کی طرف لوٹ کر سورت پڑھ کر رکوع کا اعادہ کر لے اور سجدۂ سہو کر لے، لیکن اگر وہ قیام کی طرف نہیں لوٹا بلکہ نماز جاری رکھی تو نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ سجدۂ سہو واجب ہے۔ ولو تذکرھا فی رکوعه قرأھا و أعادالرکوع (قوله و لو تذکرھا) ای السورۃ (قوله قرأھا) ای بعد عوده الی القیام. الخ (درمختار مع الشامی ۱/۵۴۷) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ شخص سورت پڑھنے کے لیے قیام کی طرف لوٹا تو اس صورت میں سورت پڑھنے کے بعد رکوع کا اعادہ ضروری ہے اور اگر اس نے رکوع نہیں لوٹایا تو نماز فاسد ہوگی۔ غالباً آپ کو اسی سے غلط فہمی ہوئی کہ سورت پڑھنے کی طرف نہ لوٹنے سے نماز فاسد ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

وضوء کے پانی کو پونچھ کر رومال کو بوقتِ نماز آگے رکھنا کیسا ہے؟

سوال: اگر کوئی آدمی وضوء کرے اور اس کے بعد رومال سے اسکو پونچھ لیا اور اس گیلے رومال کو نماز پڑھنے کی حالت میں سامنے رکھا تو اس طرح نماز کی حالت میں سامنے رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

وضوء کے بعد جس رومال سے منہ ہاتھ وغیرہ پونچھے جاتے ہیں، اس کو بوقتِ نماز

اپنے سامنے اسطرح ڈال دیا کہ اس پر سجدہ نہیں ہوتا ہے یا اس پر کھڑا نہیں ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے البتہ اگر اسکو باقاعدہ مصلیٰ کی طرح بچھا کر اس پر نماز ادا کرتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔ الاولی أن لایصلی علی منديل الوضوء الذی یمسح به. الخ

(الکلام الجلیل لمولانا عبد الحی اللکنویؒ ص۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تصویر والی گھڑی پہن کر کیا نماز ہوگی؟

سوال: اکثر ہاتھ کی گھڑیوں میں کسی پرند کی شکل بنی رہتی ہے، ایسی گھڑی ہاتھ میں ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نماز بہر حال صحیح ہو جائے گی، اب اگر تصویر اتنی چھوٹی ہے کہ زمین پر رکھ دو تو کھڑے ہو کر نہ دکھائی دے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔ (عموماً گھڑیوں میں ایسی ہی چھوٹی ہوتی ہے) ورنہ مکروہ ہے۔ (درمختار مع الشامی ۱/۴۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ٹخنوں سے نیچے لنگی یا پائجامہ کئے ہوئے نماز پڑھی تو وہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی

سوال: ٹخنے سے نیچے لنگی یا پائجامہ لٹک رہا ہے اور اس حالت میں نماز ادا کی گئی، امام نے پڑھائی ہو یا مقتدی نے پڑھی ہو تو نماز پر کیا اثر انداز ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

''ابوداؤد شریف'' میں روایت ہے کہ ایک شخص لنگی ٹخنے سے نیچے کئے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ وضوء کرو، وہ گیا، اور وضوء کر کے آیا تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ وضو کرو، وہ گیا اور وضوء کر کے آیا، تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

جاؤ وضو کرو، وہ گیا اور وضوء کر کے آیا، تو ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں دیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ٹخنوں سے نیچے لنگی کئے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتے جو ٹخنے سے نیچے لنگی (یا پائجامہ) باندھے ہوئے ہو۔ (ابوداؤد شریف ۱/۹۳)

حدیث پاک میں بحالت نماز سدل کی ممانعت آئی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سدل کا اطلاق اسبالِ ازار پر بھی ہوتا ہے، اور سدل کے متعلق فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مکروہِ تحریمی ہے۔ و کرہ (سدل) تحریماً للنھی (ثوبه) (در مختار علی هامش الشامی ۱/۴۷۲) وقد یطلق السدل علی اسبال الازار ایضاً و هو ظاهر عبارات الفقهاء رحمهم اللّٰه ولهذا لم یذکر اسبال الازار مستقلاً فی المکروهات. (معارف السنن ۳/۳۶۱)

اس لیے اگر کسی نے ایسی حالت میں نماز پڑھی یا پڑھائی کہ لنگی یا پائجامہ ٹخنے سے نیچے لٹک رہا ہے تو وہ نماز مکروہِ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

’’نماز میں رام رام کرنا‘‘ کہنے کا حکم

سوال: ایک مرد نے اپنی عورت کے ساتھ جھگڑا کیا اور کچھ دیر کے بعد اس نے اپنے لڑکے کو مارا اور مارنے کے بعد کہا کہ نماز کے لیے جا اب لڑکے کی والدہ کو والد پر غصہ آیا اور غصہ میں آ کر کہا کہ ’’جا نماز میں رام رام کرنا‘‘ تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر اس کہنے والے کا مطلب ’’رام رام کرنا‘‘ سے یہ ہو کہ یادِ خدا میں مشغول ہونا تو اس سے کفر لازم نہیں آیا لیکن اس قسم کا تو ہم والا جملہ استعمال کرنے سے احتیاط لازم

ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ذوی القعدہ ۱۴۰۷ھ

کسی آنے والے کی خاطر رکوع یا سجدہ کو طویل کرنا

سوال: امام صاحب نماز کے دوران کسی آنے والے کی آہٹ سن کر یا کسی کے جماعت خانہ کا دروازہ کھولنے کی آواز سن کر قرأت، رکوع یا قعدۂ اخیرہ کو لمبا کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ یہاں ایک امام صاحب نے بتایا کہ اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

کسی آنے والے کی خاطر رکوع یا قرأت یا قعدۂ اخیرہ کو طویل کرنا اس صورت میں مکروہ تحریمی ہے جبکہ امام اسکو پہچان کر تعلق کے لحاظ سے ایسا کرے نماز پھر بھی فاسد نہ ہوگی؛ لیکن اگر امام نے اس کو پہچانا نہیں ہے بلکہ محض اس لیے ایسا کیا کہ آنے والے نمازی کو رکعت یا نماز ملنے میں اعانت ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ باعثِ اجر ہے۔ درمختار میں ہے:
وكره تحريما اطالة ركوع أو قراءة لادراك الجائى الخ (شامی ۱/۳۶۵،۳۶۶) **البتہ** اس بات کا خیال رہے کہ یہ طویل کرنا ایک دو تسبیح کی مقدار سے زیادہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پلنگ پر بیٹھے ہوئے کے سامنے نماز پڑھنا

سوال: اگر کوئی پلنگ (bed) پر بیٹھا ہے یا سویا ہے اور اس کے سامنے نیچے کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو کیا نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اس میں کوئی حرج نہیں، نماز درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ۔

نماز میں فساد آئے تو اسی وقت ختم کردے

سوال: امام صاحب سے فرض چار رکعات کی دوسری رکعت میں قرأت میں فاحش غلطی ہوگئی جس کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی تو کیا چار رکعات پوری کریں گے یا جس وقت غلطی ہوئی اسی وقت بیٹھ کر سلام پھیر کر نماز کا اعادہ کریں گے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نماز میں جب فساد آگیا تو اب اسکو پورا کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی وقت ختم کر کے اعادہ کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قرآن میں وسبّحه کی جگہ سبِّه پڑھا تو نماز فاسد ہوگی؟

سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورۃ الدھر پڑھنا شروع کیا، پہلی رکعت میں تقریباً تیرہ چودہ آیتیں پڑھی اور رکوع کیا پھر دوسری رکعت میں بقیہ آیتیں پڑھی اور آیت نمبر ۲۶ میں "وسبِّحه" کی جگہ "سبِّه" پڑھا تو کیا نماز ہوجائیگی؟ اور نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

امام نے اگر واقعۃً اسی طرح پڑھا ہے تو چونکہ معنی میں تغیر فاحش پیدا ہوگیا ہے، اس لیے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ والقاعدة عند المتقدمين أن ماغير تغييراً يكون اعتقاده كفراً يفسد فى جميع ذلك، سواء كان فى القرآن أولم يكن. (كبيرى ص ٤٧٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

كل صلاة اديت مع كراهية وجبت اعادتها کا محمل

(ہر وہ نماز جو مکروہ کے ارتکاب کے ساتھ پڑھی گئی اس کا لوٹانا مستحب ہے یا واجب؟)

سوال: فقہ کا اصول "كل صلاة اديت مع كراهية وجبت اعادتها" کا محمل

کیا وقت کے ساتھ خاص ہے، کہ وقت کے بعد بھی اعادہ ضروری ہے جب کہ فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۴۳، تحفۃ الالمعی ۲/۶۰، ۱۰۱ پر لکھا ہوا ہے کہ وقت میں اعادہ واجب ہے اور وقت کے بعد مستحب ہے، برخلاف عمدۃ الفقہ ۲/۳۴۱، مسائل امامت مدلل ''مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی کی'' ۲۸۳، شامی مکتبۂ دارالکتاب ۲/۴۵۵ سے ۲/۴۵۸ تک کے خلاصہ سے یہ بات راجح سمجھ میں آتی ہے کہ وقت اور بعد الوقت اعادہ کرنا واجب ہے؛ تو حضرت سے گزارش ہے کہ برائے کرم اس تعارض کو دور کر کے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

احسن الفتاویٰ کی چوتھی جلد میں ایک مستقل رسالہ ''نیل السعادۃ بالاقتداء فی الصلاۃ المعادۃ'' نامی شامل ہے، اس کے اخیر میں صاحبِ فتاویٰ تحریر فرماتے ہیں:

بارھویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحقیقاتِ فقہیہ میں آپ کے تبحر و تعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تحقیقات کا مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص بلکہ کالعدم ہے، مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق آپ کے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں:

سوال: بعد از خروجِ وقت جبرِ نقصان مستحب است یا واجب؟

جواب: ہر دو روایت است، والاصح الوجوب کمافی مسائل شتیٰ من شرح المنیۃ.

سوال: در جبرِ نقصانِ نمازِ مغرب و وتر اگر سہواً بر سہ رکعت نہ نشست، چہ کند؟ سہو دہد یا جبر باز گرداند۔

الجواب: باز گرداند۔ (بیاضِ ہاشمی قلمی جلد اول باب قضاء الفوائت ص ۱۳۰، احسن الفتاوی ۳/۳۵۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۵/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

قرأت میں فاحش غلطی کر کے صحیح پڑھا تو کیا نماز ہو جائیگی؟

سوال: ایک امام نے نماز میں ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِين ﴾ کے بجائے ﴿من المشركين﴾ پڑھا اور سلسلۂ قرأت جاری رکھتے ہوئے ﴿الا ذو حظ عظيم﴾ تک پہنچ گئے، پھر لقمہ دیا گیا تو پہلی غلطی کی اصلاح کی اور پھر پوری قرأت کی، اس صورت میں نماز کے فساد و اعادہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ہمارے اکابر کے فتاویٰ دونوں قسم کے موجود ہیں، اس لیے لوٹا لینا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بوقت ختم قرآن اللهم انس وحشتي الخ نماز میں پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: اگر امام نے تراویح میں ختم قرآن کے وقت اخیری رکعت میں سورۃ الناس پڑھنے کے بعد متصلاً دعائے ماثورہ جو سورۃ الناس کے بعد لکھی ہوئی ہوتی ہے، یعنی اللهم انس وحشتي في قبري الخ کو پڑھا پھر اس کے بعد متصلاً ﴿الم ذلك الكتاب﴾ سے دوسری مرتبہ قرآن شروع کر کے پہلا رکوع پورا کر کے رکوع میں گیا تو کیا اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ختم قرآن کی جو صورت دریافت فرمائی ہے اس میں نماز فاسد نہیں ہوگی، اس

لئے اللھم انس وحشتی الخ والی دعا ماثور ہے؛ البتہ نماز میں حالت قیام میں اس کو نہ پڑھنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنا

سوال: زید نے نماز تراویح میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا اور پھر دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھی تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔ (شامی ۱/۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام آیتِ سجدہ بھول گیا مقتدی نے لقمہ دیا کتنے سجدے کریں

سوال: امام قراءت کرتے کرتے آیتِ سجدہ پر جب پہنچا تو وہ آیت بھول گیا، مقتدی میں سے کسی نے اسی آیت کا لقمہ دیا تو امام نے اس آیتِ سجدہ کو پڑھ لیا، سوال یہ ہے کہ ایک ہی سجدۂ تلاوت کافی ہوگا یا دو کرنے ہوں گے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

صورتِ مسئولہ میں صرف ایک ہی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ (شامی ۱/۵۱۴، رسائل الارکان ۱۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ

قضائے عمری کی نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟

سوال: قضائے عمری کے متعلق ایک جگہ اشتہار دیکھا کہ نفل نماز کے بجائے قضاء ادا کریں، اسی طرح بڑی راتوں میں (مثلاً شب برأت، شب قدر وغیرہ میں بھی)

زیادہ سے زیادہ قضائے عمری ادا کرنے کی فکر کریں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ قضائے عمری کا طریقہ کہیں بھی میری نظر سے نہیں گذرا اس لیے تحقیق چاہتا ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

کسی آدمی کی بہت ساری نمازیں چھوٹ گئی ہیں، اور اس کو معلوم ہے کہ میری اتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں تب تو فوت شدہ نمازوں کی تعیین کے ساتھ نیت کر کے قضاء کرے، مثلاً: میری فلاں دن کی فجر کی نماز جو فوت ہوئی ہے میں اس کی قضاء کر رہا ہوں، اسی طرح تمام فوت شدہ نمازوں کی قضاء کر لے، اور اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی کتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں تو فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کے لیے حسب ذیل طریقہ اختیار کر سکتا ہے، مثلاً: سب سے پہلے فجر کی تمام نمازوں کی قضاء کر لے، اور اس کے لیے بوقت قضاء نیت اس طرح کرے کہ میرے ذمہ جتنی فجر کی نمازیں باقی ہیں ان میں جو پہلی فجر ہے میں اس کی قضاء کر رہا ہوں، اسی طرح ہر فجر کی نماز کے لیے نیت کرتا رہے؛ یہاں تک کہ دل کو اطمینان ہو جائے کہ میرے ذمہ جتنی فجر کی نمازیں باقی تھیں ان کی قضاء پوری ہو چکی، اس کے بعد اسی ترتیب سے ظہر کی نمازوں کی قضاء کرے، اس کے بعد عصر، مغرب، عشاء اور وتر کی قضاء اسی ترتیب سے کرتا رہے، یہ یاد رہے کہ قضاء صرف فرائض کی ہوتی ہے نوافل اور سنن کی قضاء نہیں، مثلاً: فجر کی نماز میں دو سنن اور دو فرض ہیں، تو قضاء صرف دو فرض رکعات کی کی جائے گی، دو سنت رکعتوں کی قضاء کی ضرورت نہیں۔ ایسا آدمی جسکی زندگی میں بہت ساری نمازیں فوت ہوئی ہیں نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری ہی پڑھا کرے کیونکہ اگر موت آ گئی اور فرض نمازیں ذمہ میں باقی رہی تو پکڑ ہوگی، اور اگر نفلیں نہ پڑھیں تو ان پر پکڑ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قضائے عمری کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین بار سبحان اللہ کہنا

سوال: قضائے عمری کے اشتہار میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ تین بار سبحان اللہ کہے، ہاں! وتر کی ہر رکعت میں الحمد اور سورت پڑھنا ہے۔

اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں درود اور دعائے ماثورہ کی جگہ فقط "اللھم صل علی محمد و الہ" پڑھے، دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے قضائے عمری ساقط ہو جائیگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جی ہاں! فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لے تب بھی کافی ہے۔ البتہ وتر کی تیسری رکعت میں الحمد شریف کے ساتھ سورت ملانا ضروری ہے، جس پر بہت ساری قضاء نمازیں باقی ہوں، وہ ان کی ادائیگی میں سہولت کے لیے قعدۂ اخیرہ میں درودِ ابراھیم کی جگہ مختصر درود پر اکتفا کرے جیسا کہ سوال میں ہے، اور اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد پڑھی جانے والی دعائے ماثورہ چھوڑ دے تو اسکی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کیا دوسروں کے لئے استخارہ کر سکتے ہیں؟

سوال: اگر کسی کو کوئی کام پڑ جائے اور وہ اس کام کے لیے دوسرے آدمی سے استخارہ کرنے کو کہے تو کیا دوسرا آدمی استخارہ کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

استخارہ عربی لفظ ہے جس کا معنی ہے "ایسی چیز کا سوال کرنا جس میں خیر ہو" نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کی سعادت مندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرتا رہے،

اسی لیے اگر اس کے لیے کسی وجہ سے نماز دشوار ہو تو صرف دعاء سے بھی استخارہ کر سکتا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کسی کام کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ دعاء کرتے تھے "اللّٰھم خرلی و اخترلی" (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۱۷) خود اپنے لیے استخارہ کرنے کے بجائے دوسروں سے کروانا صراحت سے کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا؛ البتہ استخارہ کی حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی درست ہونا چاہیئے؛ اس لیے کہ آدمی جس طرح اپنے لیے ایسی چیز کا سوال کر سکتا ہے جس میں خیر ہو، اسی طرح دوسرے کے لیے بھی اس قسم کا سوال درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظہر اور عصر چھوٹ جائے تو پہلے کس کو پڑھے؟

سوال: اگر کسی وجہ سے ظہر اور عصر چھوٹ جائے اور مغرب کا وقت قریب ہو تو ظہر اور عصر میں سے پہلے کس کو پڑھے اور اگر مغرب کا وقت بھی نکل جائے تو قضاء نماز کس ترتیب سے پڑھے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر وہ صاحب ترتیب ہے، یعنی اس پر اس دن کی ظہر اور عصر کے علاوہ اور کوئی نماز باقی نہیں ہے، تب تو جب تک پہلے ظہر پھر عصر نہ پڑھے وہاں تک مغرب کی نماز پڑھنا درست نہیں؛ البتہ اگر مغرب کی نماز ادا کرتے وقت اسکو ظہر اور عصر کی نماز یاد نہ رہی یا مغرب کی نماز کا وقت تنگ ہو چکا ہے کہ ظہر اور عصر ادا کرنیکی صورت میں مغرب کی نماز قضاء ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، تو مغرب درست ہے۔ اور اگر وہ صاحب ترتیب نہیں ہے تو اس صورت میں اگر وقت میں گنجائش ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلے ظہر و عصر ادا کرے لیکن اس کے باوجود اگر پہلے مغرب کی نماز ادا کر لی تو وہ درست ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قضاء نمازوں کو بیت اللہ شریف جا کر پڑھے تو کیا ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے گا؟

سوال: بیت اللہ شریف میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ملتا ہے بالفرض اگر کسی آدمی کی چند نمازیں یہاں قضاء ہوئیں اور وہ بیت اللہ شریف جا کر ادا کرے تو اس کو ہر قضاء نماز کے بدلہ ایک لاکھ نمازوں کے برابر ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

فقہاء نے اس فضیلت کو فرض نماز کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، اور قضاء نماز بھی اس کا ایک فرد ہے، اس لیے داخل ہونی چاہیے، اگرچہ باوجود تتبع اور تلاش کے اس کی صراحت کسی کتاب میں نہیں ملی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیت اللہ شریف میں ایک قضاء نماز پڑھنے سے ایک ہی نماز ذمہ سے ساقط ہوگی، نہ کہ ایک لاکھ

سوال: بیت اللہ شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اب اگر کسی آدمی کی دس بیس سال کی نمازیں قضاء ہوئیں اب یہ شخص بیت اللہ شریف جا کر دس روز تک ایک ایک وقت کی قضاء نماز پڑھے تو کیا اس کی بیس سال کی قضاء نمازیں ذمہ سے ساقط ہوجائیں گی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہیں تمام پڑھنی ہوگی، اس کے بغیر ذمہ بری نہیں ہوگا، اگر آپ کی فرض کردہ صورت تسلیم کرلی جائے تو پچپن سال سے زائد کی نمازوں کے لیے حرم کی ایک نماز کافی ہونی چاہیے، دورانِ قیام روزانہ ایک ایک پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا درست ہے؟

سوال: ہوائی جہاز فضاء میں ہو تو مسافر کے ذمہ نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر نماز اسی میں پڑھ لی تو ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

بوقت پرواز ہوائی جہاز میں نماز کا حکم چلتے ہوئے بحری جہاز کی طرح ہے، یعنی اس میں بوجہ عذر نماز جائز ہے۔ کالصلوٰۃ علی الدابۃ. (احسن الفتاویٰ ۴/۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منھ کر کے دعاء کرنا

سوال: امام فجر اور عصر کی نماز کے بعد کبھی تو فوراً مقتدیوں کی طرف منھ کر کے تسبیحات اور دعاء کرتا ہے، اور کبھی تسبیحات کو قبلہ رو ہو کر پڑھتا ہے، اور دعاء مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر کرتا ہے، تو یہ دوسری صورت مکروہ تو نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

سلام کے بعد فوراً دائیں بائیں یا مقتدیوں کی طرف رخ پھیر لینا چاہیے؛ البتہ جن کلمات کے متعلق حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قعدہ کی ہیئت پر بیٹھ کر پڑھے اس میں اسی طرح پڑھے مثلاً مغرب اور فجر میں چہارم کلمہ۔ (کفایت المفتی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

آلۂ مکبر الصوت خراب ہوگیا اور امام کی آواز نہ آئی تو مقتدی نماز کس طرح پوری کرے؟

سوال: جمعہ کی ایک رکعت ہو چکی تھی اچانک لاؤڈ سپیکر کی آواز بگڑ گئی اور ایسی بگڑی کہ نہ امام کی آواز سنائی دے رہی ہے اور نہ ہی مکبر کی، کچھ دیر کے بعد لاؤڈ سپیکر کی

آواز درست ہوگئی مگر امام صاحب نماز سے فارغ ہو کر دعاء میں مشغول تھے تو اب جن لوگوں کو امام کی آواز نہیں آئی ہے وہ اپنی نماز کس طرح پوری کریں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

وہ حضرات لاحق کے حکم میں ہیں اب جب کہ معلوم ہوا کہ امام صاحب نماز سے فارغ ہو چکے ہیں تو وہ اپنی بقیہ رکعت بلاقرأت پوری کر کے قعدہ کر لیں اور سلام پھیر دیں۔ (شامی ۱/ ۴۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسائلِ امامت

امام کا اپنی امامت کو کورٹ کے ذریعہ رجسٹریشن کرالینا درست نہیں

سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد میں امام صاحب اور مؤذن صاحب تقریباً بائیس سال سے خدمت انجام دے رہے ہیں، اور ماشاء اللہ امام صاحب اور مؤذن صاحب کو اچھی تنخواہ بھی دی جارہی ہے، امام صاحب کو تقریباً دس ہزار، اور مؤذن صاحب کو چھ ہزار کے قریب تنخواہ دی جارہی ہے، امام صاحب سے بہت سے گاؤں والے ناراض ہیں، لہٰذا گاؤں والوں نے موجودہ امام کو رخصت کر کے دوسرے امام کو منصب امامت سونپنے کا ارادہ کیا تھا، کہ امام صاحب کو گاؤں والوں کا حال معلوم ہوا لہٰذا امام صاحب اور مؤذن صاحب دونوں نے سرکاری عدالت (کورٹ) کے چکر لگا کر، اور روپیئے خرچ کر کے اپنی امامت کو فکس اور مستقل کروالیا کہ گاؤں والے انہیں نکال نہ سکیں، اب گاؤں والے ان دونوں کو نکالنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو امام صاحب پانچ لاکھ روپیے کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ میں اب مستقل امام ہوں، لہٰذا اگر تم نے روپیئے نہیں دیئے تو ہمارا ہی خاندان کا کوئی فرد امام بنے گا، تو کیا امام صاحب کا مذکورہ معاملہ درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

شریعتِ مطہرہ میں منصب امامت کے لیے کچھ اوصاف ضروری قرار دیئے گئے ہیں، جس آدمی میں وہ اوصاف موجود ہوں وہ اس کا اہل سمجھا جاتا ہے، سرکاری رجسٹریشن اس کی بنیاد نہیں، چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ''امام عاقل، بالغ، صحیح العقیدہ، نماز سے متعلق احکام و مسائل سے واقف، صحیح طریقہ سے پڑھنے والا، دیندار ہونا چاہئے، حدیث

شریف میں ہے کہ اگر تمھیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجۂ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو وہ تمہاری امامت کرے، کہ وہ تمھارے اور تمھارے پروردگار کے مابین قاصد ہے۔ (شرح نقایہ ۱/۸۶) دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں سے جو بہتر ہو اس کو اپنا امام بناؤ؛ کیونکہ وہ تمھارے اور تمھارے پروردگار کے درمیان ایلچی ہے۔ (حوالۂ مذکورہ) فقہ کی مشہور کتاب ''نورالایضاح'' میں ہے ''امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو دین کے امور کا زیادہ جاننے والا (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف) ہو، پھر وہ جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو، پھر جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو، پھر وہ جو خوبصورت، باوجاہت ہو، پھر وہ جو نسباً زیادہ شریف ہو، پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو، پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو۔ (ص ۸۲، ۸۳) الغرض جو شخص اس ترتیب کے بموجب ان اوصاف میں بڑھا ہوا ہوگا وہ دوسرے کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ حق دار ہوگا، اعلیٰ اور مستحق کو چھوڑ کر ادنیٰ کو امام بنانا غلط ہے۔ حدیث میں ہے ''اذا أم الرجل القوم و فيهم من هو خير منه لم يزالوا في سفال''. (فتاویٰ ابن تیمیہ ۱/۱۰۸) جب قوم کی امامت ایسا شخص کرے کہ اس کے پیچھے بہتر شخص موجود ہے تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں رہے گی۔ (کہ قابل قدر کی قدر نہیں کر رہی) دوسری ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی جماعت میں کسی کام کی ذمہ داری کسی شخص کے سپرد کردے، اور اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اس سے زیادہ اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے والا، اور اللہ کے احکام کی زیادہ تعمیل کرنے والا ہے، تو اس نے (اس غلط انتخاب سے) اللہ سے خیانت کی، رسولِ خدا ﷺ سے خیانت کی؛ نیز تمام مسلمانوں سے خیانت کی''۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۱/۱۰۸، فتاویٰ رحیمیہ ۱/۱۶۰، ۱۵۹)

اس لیے امام صاحب کا اپنی امامت کو کورٹ کچہری کے ذریعہ رجسٹریشن کرا لینا شرعاً درست نہیں؛ نیز امامت میں شرعاً وراثت بھی جاری نہیں ہوتی، اس لیے امام صاحب کا یوں کہنا کہ میرے بعد میرا لڑکا ہی امام بنے گا شرعاً درست نہیں، نیز ان کا منصب امامت سے ہٹنے کے لئے گاؤں والوں سے پانچ لاکھ روپیے کا مطالبہ شرعاً جائز نہیں، یہ ایک قسم کی رشوت ہے، جو ان کے لیے حرام ہے، ان کو امام مقرر کرتے وقت ان کے ساتھ امامت کا کام انجام دینے کے لیے عقدِ اجارہ کیا گیا تھا وہ شرعاً عقد اجارہ پر مرتب ہونے والے احکام کے پابند ہیں۔

رہا گاؤں والوں کا ان کی امامت سے ناراض ہونا تو اگر ان کی اس ناگواری اور ناراضگی کا سبب یہ ہے کہ امام میں کوئی خرابی ہے یا یہ لوگ امامت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں وہ ان سے کم درجہ رکھتا ہے، تو اس کو امامت کرنا مکروہِ تحریمی ہے؛ چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے جو امامت کرے اور لوگ اس سے کراہیت محسوس کرتے ہوں، اور اگر واقعہ یہ ہے کہ امام ہی سب سے زیادہ امامت کا حق دار ہے (یعنی عالم، فاضل اور متقی ہے) اور لوگ اس سے کراہیت کرتے ہیں تو اس کراہیت کا وبال نمازیوں پر ہوگا۔ (درمختار مع الشامی) (فتاوی رحیمیہ ۱/ ۱۶۵، ۱۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عالم کا عامی کی اقتدا میں نماز پڑھنا

سوال: عالم اگر ایسے جاہل کے پیچھے نماز پڑھے جس کو نہ قرآن صحیح پڑھنا آتا ہو، اور نہ اسے مسائل سے واقفیت ہو، تو عالم کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر وہ جاہل "قدر ماتجوز به الصلوٰة" قرأت (یعنی قرآن کی اتنی مقدار جس

کے پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہو پڑھنے) پر قادر ہے، اور اس کی نماز میں کوئی مفسد صلوٰۃ بات پیش نہیں آئی ہے، تو اس کے پیچھے عالم کی نماز بھی درست ہے، اور اگر "قدر ما یجوز به الصلوٰۃ" قرأت پر قادر نہیں ہے، تو اس کے پیچھے عالم یعنی ایسے آدمی کی نماز جو اتنی مقدار قرأت پر قادر ہو، درست نہیں۔ (شامی ۱/ ۴۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام کی وجہ سے جماعت کو مؤخر کرنا

سوال: جماعت کا وقت ہونے کے بعد امام کے لئے پانچ منٹ انتظار کرنے میں کوئی حرج ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ امام کو تاخیر کی عادت نہیں بنانی چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کبھی کبھار مثل اول پر عصر پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام مسائل ذیل میں:

سوال: میں ایک ایسے شہر میں رہتا ہوں، جہاں غیر مقلدین حضرات کی کثرت ہے اور اس شہر کی تمام مساجد کے ائمہ بھی تقریباً غیر مقلدین ہی ہیں، اور وہ حضرات عصر کی نماز مثل اول پر پڑھاتے ہیں، بسا اوقات مجھے کبھی مسجد میں امامت کے لیے آگے کر دیا جاتا ہے، تو کیا میں مثل اول پر نماز پڑھا سکتا ہوں؟ جب کہ میں حنفی المسلک ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

فتاوی محمودیہ میں ہے: "قول مختار اور مفتی بہ تو یہی ہے کہ وقت عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے، مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مثل واحد کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے، اور اس

وقت کی پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوتا''۔ (۱۶/ ۳۱۸) اس لیے کبھی اتفاقیہ نماز پڑھانے کی نوبت آ جائے تو درست ہے، مستقلاً ہمیشہ مثل واحد پر نماز عصر ادا کرنا گویا امام ابوحنیفہ کے مذہب کو ترک کرنا ہے، اس لیے ایسا نہ کیا جائے، اگر ہو سکے تو چند حنفی حضرات دوسری مسجد میں جا کر مثلین پر جماعت کرلیا کریں، یہ بھی نہ ہو سکے کسی کمرہ یا عبادت گاہ میں جماعت کر لیا کریں''۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۳۲۹، ۳۳۰) غیر مقلدین کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے مگر بوقت ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے جماعت نہ چھوڑے۔ (احسن الفتاوی ۳/ ۲۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بے ریش غیر مقلد کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال: وہاں کی مساجد کے ائمہ بے ریش ہوتے ہیں تو کیا ان کی اقتداء کر کے با جماعت نماز پڑھنا اولیٰ ہے یا منفرداً اپنے گھر میں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے والا فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس لیے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کریں، اگر نہ ملے تو جماعت نہ چھوڑیں؛ بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لیں۔ (مأخوذ از مسائل امامت ص ۵۹)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کپڑے کے موزوں پر مسح کرنے والے کے پیچھے نماز

سوال: وہ کپڑے کے موزے جن کو عام طور پر ہم سردیوں میں استعمال کرتے ہیں، وہاں کے ائمہ ان پر مسح کر کے نماز پڑھاتے ہیں، تو کیا ان کی اقتداء جائز ہے؟ یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

غیر مقلد امام اگر رعایت اس امر کی کرتا ہے کہ وہ امر نماز میں نہ کرے جس سے حنفی کی نماز فاسد یا مکروہ ہو، اور متعصب نہ ہو تو اقتداء اسکی درست ہے۔ (مسائل امامت ص۸۲،۸۳)

صورت مسئولہ میں اگر امام ایسے موزے پر مسح کرتا ہے جس پر حنفیہ کے یہاں مسح درست نہیں، تو ایسے امام کی اقتداء درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مقلد خطیب کی اقتداء میں جمعہ

سوال: اس شہر میں بروز جمعہ خطبہ تقریباً ۴۰ یا ۴۵ منٹ کا ہوتا ہے، جس میں پہلا خطبہ تقریباً ۳۰ منٹ کا ہوتا ہے، اور دوسرے خطبہ میں تسبیح، تحمید اور دعاء ہوتی ہے؛ نیز اس دوسرے خطبہ میں امام اور تمام حاضرین بوقت دعاء ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے ہیں، اور خطبہ ۶۰ فیصد انگریزی میں ہوتا ہے، اور ۴۰ فیصد عربی میں، اب ایسی صورت میں ان ائمہ کی اقتداء کرنا اولیٰ ہے یا ظہر کی نماز پڑھنا؟ پورے شہر کی تمام مساجد کا یہی حال ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ان ائمہ کی اقتداء ہی کرلیں، ظہر پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مہدوی فرقہ سے تعلق رکھنے والے حافظ کی اقتداء میں نماز

سوال: ہمارے یہاں بھروچ میں فرقۂ مہدویہ کے بہت زیادہ لوگ رہتے ہیں، اس فرقے کے بہت سارے بچے اپنے مدرسہ میں (مکاتب میں) پڑھتے ہیں، کچھ بچے اپنے ادارہ میں پڑھ کر حافظ ہوتے ہیں، اب یہ بچے رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن سنانا چاہتے ہیں، تو کیا اہل سنت والجماعت کی مسجد میں یہ قرآن سنا سکتے ہیں؟ اور اگر یہ تراویح اور نماز پڑھاویں، تو ان کی اقتدا میں ہماری نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اس فرقہ کے متعلق مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمہ کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ فرقہ کافر ہے۔ دیکھیے: (کفایت المفتی جلد ۱/ ۳۲۱) اس کے متعلق ایک تفصیلی فتویٰ (فتاوی رحیمیہ ۷/ ۳۹ تا ۶۱) میں موجود ہے، اس کا مطالعہ فرمالیں۔

ہمارے اطراف میں اس فرقے کے جو افراد موجود ہیں، ایک زمانہ سے ان کا تعلق دکن میں واقع اپنے مرکز سے نہ رہنے کی وجہ سے، اور ہمارے اہل سنت والجماعت سے تعلقات، ان کے ساتھ لین دین اور صحیح العقائد حضرات کی صحبت کی وجہ سے، ان میں سے بہت حضرات کی اصلاح ہو چکی ہے، صرف برائے نام مہدوی ہیں۔ لہٰذا جو لوگ صحیح العقیدہ ہو گئے ہیں، وہ مندرجہٴ بالا حکم کے مصداق نہ ہوں گے؛ البتہ پچھلے چند سالوں سے دکن میں واقع مرکز کے ذمہ دار حضرات کا آنا جانا، اور ان حضرات کا ان سے رابطہ بڑھا ہے اس لیے احتیاط اور تحقیق حال ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مرضِ برص میں مبتلا آدمی کی امامت کیا مکروہ ہے؟

سوال: بندہ چھ سات سال سے ایک مقام کی جامع مسجد میں امامت کرتا ہے، اور مرضِ برص میں مبتلا ہے، تو کیا میں امامت کر سکتا ہوں یا نہیں؟ چند علماء کرام سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ برص میں مبتلاء آدمی کی امامت مکروہ ہے، بشرطیکہ مقتدی کراہت محسوس کرتے ہوں، اور اگر مقتدی حضرات کراہت محسوس نہیں کرتے تو امامت بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا آپ والا اس مسئلہ کو مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مرض برص اگر تمام جسم میں اس حد تک پھیل چکا ہے، کہ اس کی وجہ سے مقتدی نفرت و کراہت محسوس کرتے ہیں تو اس شخص کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ ''در مختار'' میں ہے:و "أبرص شاع برصه" یعنی ایسے آدمی کی امامت جس کا مرض برص پھیل چکا ہو مکروہ (تنزیہی) ہے۔علامہ شامیؒ اسکی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: والظاهران العلة النفرة ، ولذا قيد الأبرص بالشيوع. یعنی ظاہر یہی ہے کہ کراہت کی علت نفرت ہے، اور اسی لیے ابرص میں یہ شرط لگائی کہ اس کا مرض پھیل چکا ہو۔ (شامی ۱/۴۱۶) اگر کسی کے علم وتقوی کی وجہ سے لوگوں کو (اسکی امامت سے) انقباض (نفرت و کراہت) نہ ہوتو کراہت تنزیہی بھی نہیں۔ (احسن الفتاوی ۳/ ۳۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

داڑھی کٹوانے والے کوامام بنانا مکروہِ تحریمی ہے

سوال: ایک امام صاحب نے پہلے داڑھی رکھی تھی پھر بعد میں داڑھی بالکل صاف کروادی، اور داڑھی کی توہین کی، کیا ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ایسے شخص کو امام بنانا مکروہِ تحریمی ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

(فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: داڑھی کی توہین سے آپ کی مراد کٹوانا اور صاف کروانا ہے تو یہی حکم ہے، اور اگر دوسری مراد ہے اس کی تشریح کیجیے۔

ٹی۔وی دیکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے

سوال: ہمارے مسجد کے امام صاحب ٹی۔وی، فلم دیکھنے کے بہت عادی ہیں،

بار باران کو اس پر آگاہ کیا گیا، اور مفتیان کرام کے فتوؤں سے ان سے توبہ بھی کروائی گئی؛ لیکن پھر بھی وہ اپنی عادتِ شنیعہ سے باز نہیں آئے، ان کے گھر کے اندر (جو مسجد کے ٹرسٹیوں نے ان کو رہنے کے لیے دیا ہے) انھوں نے ایک ٹی۔وی لاکر رکھ دی ہے، اور وہ مع اپنے اہل وعیال کے ٹی۔وی دیکھتے ہیں، اور اب تو بعض حضرات نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیا ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ امام صاحب کے متعلق میٹنگ بھی قائم کی گئی تو امام صاحب نے عوام کو یہ شوشہ چھوڑ کر خاموش کر دیا کہ بتلاؤ تین داڑھی منڈے آدمی ہیں، اور جماعت کا وقت ہو چکا ہو لہٰذا جماعت ان پر واجب ہوگی، اب بتلاؤ کہ ان میں سے نماز کون پڑھائیگا، تو کسی نے جواب دیا کہ جو ان میں بہتر ہوگا وہ پڑھائے گا، پھر امام صاحب نے سوال کیا کہ کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟ جواب دیا کہ نماز ہو جائیگی، پھر امام صاحب نے جواب دیا کہ جب داڑھی منڈا آدمی جو فاسق ہے امامت کرتا ہے، اور نماز بھی درست ہو جاتی ہے تو مجھ کو بھی انہی میں سے شمار کرو گویا میں بھی امامت کرا سکتا ہوں اور میرے پیچھے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا امام امامت کے لائق ہے؟ ایسے امام کو باقی رکھا جائے یا نکال دیا جائے، اور ان کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ٹیلی ویزن دیکھنا ناجائز ہے، اور ایسے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔ (احسن الفتاوی ۳/ ۲۸۸) بار بار کی تنبیہ کے باوجود جب امام صاحب اپنی اس عادت شنیعہ سے باز نہیں آتے تو ان کو علیحدہ کر کے دوسرا متبع شریعت پرہیزگار اور نماز کے مسائل سے واقف، صحیح قرآن پڑھنے والا امام تجویز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ٹی۔وی دیکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب تاش کھیلتے ہیں، اور ٹی۔وی دیکھتے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی نہ رکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے

سوال: جو شخص داڑھی نہیں رکھتا، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

داڑھی کتروانا یا منڈانا اور ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے، اور اسلام کی کھلی ہوئی توہین، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بغاوت کا اظہار، اور شریعت کی مخالفت ہے، یہ گناہِ کبیرہ؛ بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بدتر ہے، کہ داڑھی کٹانے کا گناہ سوتے جاگتے ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے، نیز یہ قومِ لوط کی خصلت ہے، ایسا شخص کھلا ہوا فاسق و فاجر ہے، اس کی امامت اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز مکروہِ تحریمی ہے، اگر کسی جگہ ایسا امام ہے اور اس کے ہٹانے پر فتنہ کا اندیشہ ہو تو دوسری مسجد میں نیک امام تلاش کرے، ورنہ بدرجۂ مجبوری اسی کے پیچھے پڑھ لینا بہتر ہے تنہا پڑھنے کے بجائے، اس کا جو کچھ وبال ہوگا امام بنانے والے پر ہوگا۔ (مسائل امامت مدلل ص۱۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مؤذن کی اجازت سے دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے

سوال: مؤذن صاحب کی اجازت سے دوسرا شخص تکبیر کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

کہہ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنخواہ دار امام بہتر ہے یا غیر تنخواہ دار؟

سوال: مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے پیش امام تنخواہ لینے والا بہتر اور اچھا ہے یا وہ امام جو تنخواہ نہ لیتا ہو؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

امام اعلم، اقرء اور اورع ہونا چاہئے، یعنی شرعی مسائل کا علم زیادہ رکھتا ہو اور قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو اور متبع شریعت و پابندِ سنت ہو، اب اگر دو آدمی مذکورہ اوصاف میں برابر ہیں، اور ان میں سے ایک تنخواہ لیتا جب کہ دوسرا نہیں لیتا، تو اس صورت میں جو تنخواہ نہ لیتا ہو تو اس کو امام بنانا بہتر ہے۔ عن عثمان بن ابی العاصؓ قال: قلت یا رسول اللّٰہ إجعلنی امام قومی، قال: انت اما مهم و اقتد بأضعفهم و اتخذ مؤذناً لا یاخذ علی اذانه اجراً. رواه احمد و ابو داؤد و النسائی. (مشکوة شریف) ثم یدخل فی کونه خیاراً ان لا یأخذ اجراً. (مرقاة ۲/ ۱۷۰) باقی اگر کسی امام میں امامت کے لئے مطلوبہ اوصاف مفقود ہیں یا کمی ہے، تو محض اس بناء پر کہ وہ تنخواہ نہیں لیتا اسکو بہتر نہیں کہہ سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسائل تراویح

تراویح میں بسم اللہ بالجہر کا مسئلہ

سوال: تراویح کی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر کے بارے میں فتاویٰ رحیمیہ، محمودیہ، احسن الفتاویٰ، امداد الاحکام، خیر الفتاویٰ دیکھنے سے حنفی مذہب کے رو سے عدمِ جہر اولیٰ معلوم ہوتا ہے، اور یہاں ہر مسجد میں اس پر سالہا سال سے عمل ہو رہا ہے، ایک قاری صاحب فنِ تجوید کے ماہر ہونے کے زعم میں بسم اللہ بالجہر پر عمل کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں، اس پر یہاں سالہا سال سے عمل نہیں ہے، اس سے لوگوں میں انتشار ہونے کا خطرہ ہے، حضرت والا سے گذارش ہے کہ اس بارے میں جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

یہ مسئلہ ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں جن کا آپ نے ابھی اپنے سوال میں تذکرہ کیا ہے، تفصیل سے موجود ہے، اس لئے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب آپ نے سوال کر ہی لیا ہے تو اکابر ہی کی عبارتوں سے جواب پیشِ خدمت ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: کہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھنا حتیٰ کہ اگر ایک رکعت میں متعدد سورتیں بالجہر پڑھے تو ان کے درمیان بالجہر پڑھنا خلافِ سنت ہے، اور ایسی صورت میں آہستہ بھی نہ پڑھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۴۳۸، ۴۳۹)

آپ سے کئے گئے اس سوال کہ ائمہ قرأت سے معتبر کتابوں میں جو کچھ منقول ہے اس پر عمل کرنا کیسا حکم رکھتا ہے؟ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "ائمہ قرأت سے جو قواعد فنِ تجوید کی معتبر کتابوں میں منقول ہیں وہ معتبر اور معمول بہا ہیں، اگر نماز میں کوئی

مسئلۂ قرأت مسئلۂ فقہ سے مقابل ہوگا تو اس صورت میں فقہ کی معتبر کتابوں پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ بسم اللہ قبل السورۃ میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۴۴۰)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں ''خارجِ نماز قرآن کی تلاوت میں امام قرأت کے مسلک کا اتباع کیا جائے، اور نماز میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مسلک کی پیروی کی جائے، تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک پوری نماز امام اعظم کے مسلک کے موافق پڑھی جائے، اور بسم اللہ میں مخالفت کی جائے یہ مناسب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۸۰)

دارالعلوم دیوبند کے مفتیٔ اول حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک باتفاق بسم اللہ کو سراً پڑھنا چاہئے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا خلاف نہیں ہے، اور اطلاق صلوٰۃ شامل ہے نمازِ فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو، اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباعِ امام من القراء خارج صلوٰۃ میں ہے نہ صلوٰۃ میں، اور اس پر ہم نے اپنے اساتذۂ علماء احناف کو پایا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ۴/۲۶۵)

امداد الفتاویٰ جلد اول از ص ۳۴۳ تا ۳۴۷ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث موجود ہے، ملاحظہ فرمالیں:

حضرت اقدس حکیم الامت علیہ الرحمہ فنِ تجوید کے بھی ماہر تھے، امداد الفتاویٰ میں فنِ تجوید کے کئی مسائل پر تحقیقی مباحث موجود ہیں، اور فن تجوید میں آپ کا رسالہ ''جمال القرآن'' ہمارے مدارس میں داخلِ نصاب ہے، اس کے باوجود آپ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنے کے قائل نہیں۔

اسی طرح حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ (صاحب فتاویٰ

رحیمیہ) بھی جیّد قاری تھے، ان کا فتویٰ بھی اوپر آچکا ہے۔ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ کے فتویٰ میں تو ہمارے اکابر کا عمل یہی لکھا ہے کہ وہ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھتے نہیں تھے، ان تمام اکابر، فقہاء ومفتیان کے فتاویٰ اور عمل کے بعد بھی کوئی اپنے فن دانی کے زعم میں اس کے خلاف عمل کے لیے کہے تو خود لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس پر عمل کریں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام عاصم کا اتباع

سوال: تراویح میں بسملہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کو ہر سورت کے شروع میں پڑھنا ضروری ہے یا کسی ایک سورت کے شروع میں؟ اگر ایک سورت کے شروع میں ہے، تو تراویح میں قرآن کا ختم جو سنت ہے اس پر عمل نہیں ہوگا، اس لیے کہ امام عاصمؒ کے نزدیک ہر سورت کے شروع میں بسملہ منقول ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ پورے قرآن کا جز ہے، اور اگر بسملہ پڑھے تو سراً پڑھے یا جہراً، اگر جہراً پڑھتے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف ہوگا، اس لیے کہ وہ بالسر کے قائل ہیں، اور اگر سراً پڑھتے ہیں تو مقتدیوں کا قرآن ختم نہیں ہوتا۔

تو کیا نماز میں امام صاحبؒ کی اتباع ضروری ہے یا امام عاصمؒ کی؟ کیا ایسا عمل بھی ہے کہ دونوں کے قول پر عمل ہوجائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً:

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءت کے متعلق ہے، اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق، امام عاصمؒ کا قول پہلے مسئلہ کی تحقیق ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا

قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق، حاصل مسئلہ اولی کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورت کا جز نہ ہو مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے، پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قراءت اس روایت کے موافق نہ ہوئی گو کوئی جز متروک نہ ہوا جب کہ کم از کم ایک سورت پر پڑھ لے۔ اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہے لیکن ہر سورت کا جز نہیں ہے بلکہ جز مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جائے گا، گو اس روایت کے موافق اس کی قراءت نہ ہو، پس امام عاصمؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں، کیوں کہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں، اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے۔

یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیوں کہ امام صاحبؒ تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا ردمحتار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے، رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا، یہ بلا شبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصمؒ بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۴۶، ۳۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے

سوال: سورۃ کی تسبیح پڑھتے وقت کیا ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جی ہاں! ہر مرتبہ سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نابالغ بچہ (مراہق) تراویح میں لقمہ دے سکتا ہے؟

سوال: جو بچہ ابھی نابالغ ہے لیکن حافظِ قرآن ہے، یہ بچہ اگر پاکی ناپاکی کا خیال رکھتے ہوئے امام کے ساتھ تراویح میں شریک ہوکر امام کو تراویح میں لقمہ دے تو امام کی نماز میں خلل آئے گا، یعنی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مراہق تراویح میں سامع کی ذمہ داری ادا کرسکتا ہے؛ بلکہ کوئی اور سامع نہ ہو تو اسکو پہلی صف میں بھی کھڑا کرسکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح میں سورۂ ناس کے بعد دعائے ماثورہ پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: اگر امام نے تراویح میں ختم قرآن کے وقت اخیری رکعت میں سورۂ ناس کے بعد متصلاً دعائے ماثورہ (دعاءِ ختم قرآن) لکھی ہوئی ہوتی ہے، یعنی اللھم انس وحشتی فی قبری الخ کو پڑھا، پھر اس کے بعد متصلاً آلم ذلك الكتاب سے دوسری مرتبہ قرآن شریف شروع کرکے پہلا رکوع پورا کرکے رکوع میں گیا، تو کیا اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ختم قرآن کی جو صورت دریافت فرمائی ہے اس میں نماز فاسد نہ ہوگی، اس لیے کہ اللھم انس وحشتی الخ والی دعاء ماثور ہے؛ البتہ نماز میں حالتِ قیام میں اس کو نہ پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح پر ہدیہ لینا

سوال: تراویح پڑھانے والے کو مقتدی حضرات ہدیہ کے نام پر کچھ رقم دیتے

ہیں، تو اس کا لینا کیا درست ہے؟ اور اگر تراویح پڑھانے والا باقاعدہ اس مسجد کا امام ہے، اس کو لوگ ہدیہ کے نام سے رقم دیں تو کیا وہ لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

فقہاء نے "المعروف کالمشروط" والے قاعدہ کے پیش نظر تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ کے نام سے دی جانے والی رقم کو بھی لینے کی اجازت نہیں دی، پنج وقتہ نمازوں کا امام اگر تراویح پڑھاتا ہے، اور اس کو بھی تراویح کی وجہ سے ہدیہ میں کچھ پیش کیا جارہا ہے تو نہیں لینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام نے تراویح کی بھول سے تین رکعت پڑھادی تو کیا حکم ہے؟

سوال: تراویح کی نماز امام نے بھول کر تین رکعت پڑھادی مگر مقتدی حضرات نے مسجد سے نکلنے پر امام کو بتلایا، اب امام کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا دوسرے دن دو رکعت دہرانی ضروری ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو قرآن تین رکعت میں پڑھا ہے اس کو دہرانا چاہئے یا مکمل بیس رکعت میں پڑھا ہوا دہرانا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا ہے تو تراویح کا یہ دوگانہ معتبر نہ ہوگا، اور جو قرآن پڑھا گیا ہے اس کا لوٹانا بھی ضروری۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۴۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تراویح میں اگر بھول سے ایک ہی رکعت پڑھی تو اس میں پڑھا ہوا قرآن دہرایا جائے

سوال: تراویح میں غلطی سے دو رکعت کے بجائے ایک ہی رکعت ہوئی، اور اس

میں دو تین رکوع پڑھ لئے، پھر نماز نہ ہونے کی وجہ سے دو رکعتیں امام صاحب نے دہرائی؛ مگر ایک رکعت میں پڑھا ہوا قرآن دہرایا نہیں، تو کیا دہرانا لازم ہے اور نہ دہرانے کی صورت میں قرآن ناقص رہے گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

صورتِ مسئولہ میں قرآن مجید کی وہ مقدار بھی لوٹانی پڑے گی، جو ایک رکعت میں پڑھی تھی، ورنہ قرآن مجید ناقص رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رمضان میں عشاء انفراداً پڑھنے والا وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتا ہے

سوال: اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں عشاء کی نماز انفراداً پڑھنے کے بعد تراویح میں شامل ہوگیا، تو وہ آدمی وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے یا بغیر جماعت کے، اگر جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو آیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

وتر مستقل نماز ہے عشاء کے تابع نہیں ہے، اس لیے فرض انفراداً پڑھنے کی صورت میں بھی وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم۴/ ۱۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تراویح میں ختمِ قرآن کے بعد ہر رکعت میں مکمل سورت پڑھنا افضل ہے

سوال: تراویح میں ختم قرآن کے بعد بقیہ ایام تراویح میں سورۂ رحمٰن پڑھنا اس طرح کہ چند آیتیں ہر رکعت میں پڑھی جائیں افضل ہے یا مکمل سورت ہر رکعت میں مثلاً: الم تر کیف سے آخر قرآن تک پڑھنا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ہر رکعت میں مکمل سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر ہر رکعت میں چند آیتیں پڑھ

لی، تو یہ بھی بلا کراہت جائز ہے۔ (کبیری ص۴۹۳ و ۴۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح الگ پڑھنے کی صورت میں عشاء کی نماز مسجد میں با جماعت پڑھنا ضروری ہے

محترم المقام جناب حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب زید مجدھم

السلام علیکم ورحمتہ اللّٰہ و برکاتہ

خیریتِ طرفین مطلوب ہے۔

بعدہ عرض یہ ہے کہ رمضان کی تراویح کے سلسلہ میں فتاویٰ کی روشنی میں اتنی تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، کہ محلّہ کی مسجد چھوڑ کر ایک دوسری جماعت الگ سے بنالی جائے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ حفاظِ کرام کو قرآن سنانے کا موقع مل سکے؛ لیکن اس کے ساتھ مفتیانِ کرام یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ عشاء کی فرض نماز باجماعت مسجد ہی میں سب ادا کریں، اس کے بعد تراویح کی دوسری جماعت کرنے والے چاہیں تو مسجد سے الگ دوسری جگہ اپنی جماعت کرلیں، اس سلسلہ میں آں جناب کی رائے معلوم ہوجاوے کہ واقعی عشاء کی نماز سب کو مسجد ہی میں پڑھنی ہوگی یا اس میں کوئی گنجائش بھی ہے کہ جہاں تراویح سنانا ہو وہاں عشاء پڑھی جاسکے، امید ہے کہ جواب شافی دیکر ممنون فرمائیں گے۔ بینوا توجروا. فقط والسلام۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

عن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: من سره ان یلقی اللّٰہ تعالیٰ غدا مسلما فلیحافظ علی هؤلاء الصلوات حیث ینادی بهن، فانّ اللّٰہ شرع لنبیکم سنن الهدیٰ، وانهن من سنن الهدی، ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی هٰذا المتخلف فی بیته لترکتم سنة نبیکم، ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم، وما من رجل یتطهر فیحسن الطهور ثم یعمد الی مسجد من هذه المساجد الا کتب

اللّٰه له بكل خطوة يخطوها حسنة، ويرفعه بها درجة، ويحط عنه بها سيئة. ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها الا منافق معلوم النفاق، ولقد كان الرجل يؤتى بها يهادى بين الرجلين حتى يقام فى الصف. (مسلم شريف مع فتح الملهم ۲/۲۲۲)

الجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدى: ارادوا بالتاكيد الوجوب ...... وقيل واجبة، وعليه العامة اى عامة مشائخنا، وبه جزم فى التحفة وغيرها، قال فى البحر: وهو الراجح عند اهل المذهب. (در مختار على هامش الشامى) قوله قال فى البحر الخ، وقال فى النهر: هو اعدل الاقوال واقواها. (شامى ۱/۴۱۰)

قرون مشہود لھا بالخیر بلکہ اس کے بعد بھی اسلافِ امت میں غیر مساجد میں بدون عذر اقامت جماعت بالخصوص علی سبیل العادۃ کی کوئی نظیر نہیں ملتی، صرف یقینی منافق اور شدید مریض ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں گذرا ......غرضیکہ احادیث صحیحہ اور اسلاف امت کے تعامل اور عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے؛ البتہ معذورین مستثنیٰ ہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۲۷۲،۲۷۳) احقر کے نزدیک بھی گھر میں تراویح کی جماعت کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ عشاء کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسائلِ سفر

دوسرے شہر میں بغرضِ ملازمت قیام ہو تو قصر نماز پڑھیں

سوال: بمبئی میں میرا ایک مکان ہے، اور راشن کارڈ بھی بنا ہوا ہے؛ نیز صوبۂ گجرات ''بلی مورا'' نامی قصبہ میں بھی ایک مکان ہے، جہاں تمام اہل خانہ رہتے ہیں، اور ان کا راشن کارڈ بھی بنا ہوا ہے؛ البتہ اس میں میرا نام نہیں ہے، اور میری ملازمت بمبئی میں ہے، ہفتہ میں بروز سنیچر اور اتوار دو روز ''بلی مورا'' جاتا ہوں تو کیا بمبئی میں قصر کروں گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

بمبئی کو اگر وطن نہیں بنایا ہے صرف ملازمت کی وجہ سے قیام ہے، تو آپ بمبئی میں قصر پڑھیں، اور اگر بمبئی کو وطن کے طور پر اختیار کر لیا ہے، تو بمبئی میں پوری نماز پڑھیں، جیسا کہ گاؤں میں پوری پڑھتے ہیں، صرف دورانِ سفر قصر کریں۔ (ماخوذ از کفایت المفتی ۳/۳۵۶) (فتاوی دارالعلوم مطبوعہ کراچی ۲/۳۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

شہر کی آبادی کے بعد مسافر شمار ہوگا

سوال: آدمی جب سفر کے لئے مکان سے نکلے اور راستہ میں محلّہ کی مسجد میں یا دوسرے محلّہ کی مسجد میں یا ریلوے اسٹیشن پر گاڑی میں یا پلیٹ فارم پر نماز پڑھنا ہو، تو اس صورت میں قصر نماز پڑھے یا پوری نماز پڑھے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جب کوئی تین منزل (۴۸ میل) کے ارادے سے نکلے، اور شہر کی آبادی سے باہر ہو جائے تو مسافر بن جاوے گا، اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتا ہے تب تک مسافر

نہیں ہے، اسٹیشن اگر آبادی کے اندر ہے تو آبادی کے حکم ہوگا، اور جو آبادی کے باہر ہو وہاں پہنچ کر مسافر ہو جاوے گا۔ (درمختار مع الشامی۔ جلد اول) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوا ستتر ۱/۴ ۷۷ کیلو میٹر سفر کی حد ہے

سوال: کتنے کیلو میٹر سفر کا ارادہ کرنے پر قصر لازم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اڑتالیس (۴۸) میل کے ارادہ سے چلیں گے تو قصر لازم ہے، جو کیلو میٹر کے حساب سے سوا ستتر کیلو میٹر ہوتے ہیں 77:248۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جائے ملازمت مقام قصر میں ہو تو وہاں قصر ہوگی

سوال: فتوی کی رو سے بمبئی میں مجھ پر قصر لازم ہے، اب میں اپنے مکان سے صبح ہی سفر کی تیاری کر کے نکلوں اور پورا دن دفتر میں کام کروں اور شام کو وہاں سے وطن کے لئے روانہ ہوؤں تو ظہر اور عصر کی نماز قصر ہوگی یا مکمل پڑھنی ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

بمبئی میں جب قصر ہے اور دفتر بھی بمبئی میں واقع ہے، تو وہاں بھی قصر ہی کیجیے، اس صورت میں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوران سفر اگر اپنے ہی گاؤں آ پہنچے تو نماز پوری پڑھے

سوال: ایک شخص تبلیغی جماعت میں نکلا ہوا ہے، اور مسافتِ شرعیہ ہونے کی وجہ سے قصر کر رہا تھا، اسی دوران وہ اپنے ہی گاؤں میں تبلیغ کے لیے آیا تو قصر پڑھے یا اتمام؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جہاں سے تبلیغی جماعت میں نکلا ہے، وہاں سے اس کا گاؤں اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ دوری پر ہے تو دورانِ سفر تو قصر پڑھے، اور گاؤں میں جب پہنچے پوری پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مستورات بحالت سفر نماز ادا پڑھیں یا قضاء کریں؟

سوال: مستورات مسافری میں نمازوں کو باغیچہ یا ریلوے اسٹیشن یا ایرپورٹ پر لوگوں کے سامنے نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ یا پھر گھر آنے کے بعد قضاء پڑھیں بہتر کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ستر اور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے وقت کے اندر پڑھنا ضروری ہے، وقت سے تاخیر کرنے کی صورت میں گنہگار ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

متفرقات نماز

طلبِ باراں کی نماز

سوال: صلوٰۃ استسقاء جب تک بادل ہو اس وقت تک نہیں پڑھ سکتے کیا یہ بات صحیح ہے؟ یہ نماز اگر گاؤں میں پڑھنی ہو تو کیا وہاں خطبوں کی ضرورت نہیں ہے؟ نیز چوپایوں کو لے جانا ضروری ہے یا نہیں؟ چادر پلٹنا اور الٹے ہاتھ دعا مانگنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جب بارش رک جائے اور لوگوں کے پاس اپنے پینے اور مویشیوں نیز کھیتی کو سیراب کرنے کے لئے جتنی مقدار پانی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ موجود نہ ہو تو استسقاء کیا جائے گا، چاہے فضاء میں بادل موجود ہوں یا نہ ہوں، وشرعاً طلب انزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بان يحبس المطر ولم يكن لهم اودية وآبار وانهار يشربون منها ويسقون مواشيهم وزرعهم او كان ذلك الا انه لايكفى فاذا كان كافيالا يستسقى كما فى المحيط. (شامی ۶۲۳/۱)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز ضروری نہیں ہے؛ البتہ مستحب ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک مسنون ہے، ان کے نزدیک خطبہ بھی ہے، اور اس کے لئے شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ (شامی ۶۲۴/۱) چوپایوں کو لے جانا مستحب ہے۔ (درمختار) قلب رداء بھی مستحب ہے۔ (شامی) لیکن صرف امام کے لئے، لوگ قلبِ رداء نہ کریں، اس دعاء میں ہاتھوں کا مبالغہ سے اٹھانا کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ (طحطاوی ۳۰۱) جو دعا رفعِ بلاء کے لئے مانگی جائے اس میں تفاؤلاً ہاتھوں کو الٹا کیا جا سکتا ہے۔

(طحطاوی۳۰۱)استسقاء میں ایسا کرنے میں تصریح نظر سے نہیں گزری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سنن قبلیہ اور بعدیہ کو مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں؟

سوال: عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: (إجعلوا في بيوتكم من صلوٰتكم ولا تتخذوها قبوراً) (مشكوٰة المصابيح ص/٦٩ نقلاً عن الشيخين "بخاري ومسلم")

مثال کے طور پر کسی گاؤں کے مکتب میں پندرہ بیس اساتذہ پڑھاتے ہیں، یا اسی طرح کوئی بڑا ادارہ ہے جس میں کافی اساتذہ خدمت دین میں مشغول ہیں، اور یہ بات بالکل صاف اور بدیہی ہے کہ علماء عوام کے لیے اور اساتذہ اپنے طلبہ کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں، طلبہ اپنے اپنے اساتذہ کو دیکھ کر اپنی زندگی کو سنوارتے ہیں؛ لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ حدیث مذکور کونسی نماز کے بارے میں ہے؟ (فرائض، سنن یا نوافل کے بارے میں) گاؤں کے اسی طرح دارالعلوم کے بعض اساتذہ صرف فرائض مسجد میں ادا کرتے ہیں، اور سنن وغیرہ اپنے اپنے گھروں میں پڑھتے ہیں، اور دلیل میں حدیث مذکور پیش کرتے ہیں، کیا یہ استدلال درست ہے؟ اساتذہ کے لیے سنن وغیرہ کہاں پڑھنا افضل ہے؟ امید ہے کہ بالتفصیل اور حوالہ سے جواب عنایت فرمائیں گے۔ جزاكم الله أحسن الجزاء.

الجواب: حامداً و مصلياً و مسلماً:

آپ نے سوال میں بخاری و مسلم کی جس روایت کو پیش فرمایا ہے، اس کے علاوہ ابوداؤد شریف میں یہ روایت بھی ہے۔ إن النبي ﷺ قال: صلوة المرء في بيته أفضل من صلوته في مسجد يهذا إلا المكتوبة. (أبو داؤد شريف ١٤٩/١) اسکی شرح میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: أي غير الصلوات

المكتوبات، هذا الحديث يدل على أن صلاة الرجل في بيته غير المكتوبة أفضل من صلاته في المسجد، وإن كان المسجد فيه فضل كثير كمسجد رسول الله ﷺ و مسجد القدس ومسجد الحرام، لبعده من الرياء، وأما المكتوبات فيجب على الرجال أن يصلوها في المساجد بالجماعة (بذل المجهود ۴۳۰/۵)

''مسلم شریف'' میں باب ہے "باب استحباب صلوة النافلة في بيته وجوازها في المسجد وسواء في هذا الراتبة وغيرها إلا الشعائر الظاهرة" الخ اسکے ماتحت اولاً وہ روایت مذکور ہے جس کو آپ نے سوال میں پیش فرمایا ہے، اسکے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی مذکور ہے۔قال رسول الله ﷺ: إذا قضى أحدكم الصلوة في مسجده فليجعل لبيته نصيباً من صلوته، فإن الله جاعل في بيته من صلوته خيراً

(مسلم مع شرحه فتح الملهم ۳۴۰/۲)

مشکوۃ شریف میں بخاری ومسلم کے حوالہ سے "باب قيام شهر رمضان" میں ایک اور روایت بھی موجود ہے، جس کا آخری حصہ یہ ہے:

فصلوا أيها الناس في بيوتكم فإن أفضل صلوة المرء في بيته إلا الصلوة المكتوبة. متفق عليه (ص ۱۱۴) یہی روایت ابوداؤد شریف میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے: فعليكم بالصلوة في بيوتكم فإن خير صلوة المرء في بيته إلا الصلوة المكتوبة.

اسکی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:(فعليكم) وفي رواية الشيخين: فصلوا أيها الناس (بالصلوة) أي بهذه الصلوة(في بيوتكم) و الأمر للاستحباب(فإن خير صلوة المرء) و هذا عام لجميع النوافل والسنة، الا النوافل التي من شعار الإسلام كالعيد و الكسوف

والاستسقاء (في بيته إلا الصلوة المكتوبة) (بذل المجهود ۷/ ۲۸۰)

''درمختار'' میں ہے: والأفضل في النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها والأصح أفضلية ما كان أخشع وأخلص. (در المختار) اس کی شرح کرتے ہوئے شامی میں لکھا ہے: (قوله: والأفضل في النفل الخ)شمل ما بعد الفرضية وما قبلها لحديث الصحيحين عليكم بالصلاة في بيوتكم فإن خير صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة وأخرج أبو داؤد صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجد هذا إلا المكتوبة وتمامه في شرح المنية وحيث كان هذا أفضل يراعىٰ مالم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته أو كان في بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه فيصليها حينئذ في المسجد لأن اعتبار الخشوع أرجح(قوله: غير التراويح)أي لأنها تقام بالجماعة ومحلها المسجد واستثنىٰ في شرح المنية أيضاً تحية المسجد وهو ظاهر. أقول: ويستثنىٰ أيضاً ركعتا الإحرام والطواف فإن الأولى تصلى في مسجد عند الميقات إن كان كما في اللباب والثانية عندا لمقام وكذا ركعتا القدوم من السفر بخلاف إنشائه فإنها تصلىٰ في البيت كما يأتى وكذا نفل المعتكف وكذا مايخاف فوتها بالتأخير وكذا صلاة الكسوف لأنها تصلىٰ بجماعة. (شامی ۱/ ۵۰٤)

''عمدۃ الفقہ'' میں ہے: سنتیں خواہ فرضوں سے پہلے کی ہوں یا بعد کی اور نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے، سوائے ان نو نمازوں کے: (۱) نماز تراویح کیونکہ یہ جماعت سے پڑھی جاتی ہے اور جماعت کا محل مسجد ہے۔ (۲) تحیۃ المسجد۔ (۳) واپسی سفر کے دو نفل۔ (۴) احرام کی دو رکعتیں جبکہ میقات کے نزدیک کوئی مسجد ہو۔ (۵) طواف کی دو رکعتیں جو مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جاتی ہیں۔ (واجب لغیرہ ہیں یعنی دراصل نفل

ہیں اور ان کا وجوب عارضی ہے)۔(۶) اعتکاف کرنے والے کے نوافل۔(۷) سورج گہن کی نماز کیونکہ یہ بھی جماعت سے پڑھی جاتی ہے اور جماعت کا محل مسجد ہے۔(۸) جس کو یہ خیال ہو کہ گھر میں جا کر کاموں میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے سنن ونوافل فوت ہو جائیں گے، اسی طرح گھر میں جی نہ لگے گا اور خشوع کم ہو جائے گا، تو افضل یہ ہے کہ سبھی سنن ونوافل مسجد میں پڑھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں ریا نہ ہو اور خشوع وخضوع واخلاص زیادہ ہو وہاں افضل ہے۔(۹) نماز جمعہ سے قبل کی سنتیں بھی مسجد میں پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ جمعہ کے وقت سے پہلے جلدی مسجد میں جانا افضل ہے، پس اس کے لیے سنتیں مسجد میں پڑھنا لازمی افضل ہو جائیگا۔(عمدۃ الفقہ ۲/۳۰)

''فتاوی دارالعلوم'' میں ہے۔

سوال: سنتیں مکان پر پڑھنے کی فضیلت ہے، یہ سنن قبلیہ اور بعدیہ دونوں کے لیے ہے کیا؟

جواب: یہ حکم ہر دو سنن کے لیے ہے، لیکن اگر بعد فرض کے مکان پر جانے میں راستہ میں یا مکان میں جا کر کچھ حرج واقع ہونے کا احتمال ہے اور امور دنیاوی میں مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہے تو پھر مسجد ہی میں سنتیں پڑھ لیوے کیونکہ ایسا بھی ثابت ہے۔(فتاوی دارالعلوم ۴/۴۰۶) ''فتاوی محمودیہ'' میں اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں ہے: اعلی بات تو یہی ہے کہ سنن مؤکدہ خاص کر قبلیہ بھی مکان پر پڑھیں، لیکن اگر فوت ہونے کا احتمال ہو تو مسجد میں پڑھیں۔(فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۹۷) ''فتاوی دارالعلوم'' میں ''درمختار'' کی مذکورہ عبارت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس اخیر عبارت سے واضح ہوا کہ جو اخشع واخلص ہو وہی افضل ہے۔ اگر مسجد میں پڑھنے میں خشوع زیادہ ہے اور اخلاص زیادہ ہے اور گھر جا کر پڑھنے میں خوف تاخیر وغیرہ ہے تو پھر مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے۔(فتاوی دارالعلوم ۴/۲۱۱)

''خیر الفتاوی'' میں ہے: تراویح کے علاوہ دیگر سنن ونوافل گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔لیکن اگر گھر میں علیحدہ جگہ نہ ہو یا بچوں کے شور وشغب کی وجہ سے خشوع وخضوع میں نقصان آئے تو پھر مسجد میں پڑھنا بہتر ہوگا۔(خیر الفتاوی ۲/۴۷۱) ''احسن الفتاوی'' میں ہے: نوافل وسنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے بشرطیکہ راستہ میں کسی مشغولیت کا خطرہ نہ ہو اگر گھر میں کوئی امر خشوع میں مخل ہو تو مسجد افضل ہے۔(احسن الفتاوی ۳/ ۴۸۷)

عبارات بالا سے بات صاف ہوگئی کہ سوال میں مذکور حدیث اوراسی طرح کی دیگر احادیث جو اوپر جواب کے شروع میں پیش کی گئی ہیں، ان سے مراد سنن ونوافل ہیں فرائض نہیں؛ نیز نوافل میں بھی جو نمازیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کی تفصیل بھی جواب میں مذکور کتب فقہ کی عبارتوں میں موجود ہے، اس لیے جو حضرات صرف فرائض مسجد میں ادا کرتے ہیں اور سنن ونوافل وغیرہ اپنے گھروں میں ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل عین سنت کے مطابق ہے؛ البتہ بعض عوارض کی صورت میں ان نمازوں کو مسجد میں ادا کرنا بہتر قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر جواب میں مذکور فقہ وفتاوی کی عبارتوں میں اس کی صراحت موجود ہے، چنانچہ انہی عوارض میں سے ایک یہ ہے کہ گھر پر جا کر ادا کرنے کی صورت میں تاخیر ہو جانے کا اندیشہ ہو یا ادائیگی سے پہلے کسی ایسی رکاوٹ کے پیش آجانے کا قوی امکان ہو کہ اس کی وجہ سے یہ سنتیں فوت ہو جائیں گی یا گھر کے مقابلہ میں مسجد میں ادا کرنے کی صورت میں خشوع اور دل جمعی زیادہ حاصل ہوتی ہو تو ان صورتوں میں سنن قبلیہ وبعدیہ کو مسجد ہی میں ادا کرنا مناسب اور بہتر ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تہجد کی نماز باجماعت منقول نہیں

سوال: ہمارے یہاں تراویح کے تقریباً دو گھنٹہ بعد نوافل کی جماعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جسے قیام اللیل سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اخیر عشرہ میں تین حفاظ چھ رکعات میں تین پارے پڑھاتے ہیں، اس طرح ایک قرآن پاک ختم کیا جاتا ہے۔ اس میں شہر کی مختلف مساجد سے لوگ شرکت کرتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ قیام اللیل کے نام سے اس طرح نفل کی جماعت کرنا درست ہے؟ شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

تہجد کی نماز رمضان یا غیر رمضان میں باجماعت پڑھنے کا اہتمام آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سے منقول نہیں ہے، ماہ مبارک میں آنحضرت ﷺ کا معمول اعتکاف کا تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کے ساتھ تہجد باجماعت پڑھی ہو یہ ثابت نہیں، اس لیے فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ تہجد وغیرہ نفل نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، بلا تداعی ایک دو مقتدیوں کے ساتھ مکروہ نہیں، یہ حدیث سے ثابت ہے اس سے زیادہ کا ثبوت وارد نہیں، لہذا فقہاء لکھتے ہیں کہ امام کے ساتھ تین مقتدی ہونے میں اختلاف ہے اور چار یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو بالاجماع مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۴/۳۲۳) مزید تفصیل کے لیے فتاوی رحیمیہ جلد ا/ ۱۷۷ سے ۱۷۹ کا مطالعہ کریں۔

فتاوی رشیدیہ سے ایک سوال جواب نقل کیا جا رہا ہے:

سوال: نوافل کو باجماعت ادا کرنا اور بالخصوص رمضان میں تہجد اور اوابین کو جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں مکروہ

تحریمی ہے، فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے، پس جماعتِ صلاۃِ کسوف، تراویح، استسقاء کی درست ہے اور باقی مکروہ ہیں۔ کذا فی کتب الفقہ. (فتاوی رشیدیہ قدیم ۱/ ۲۷)

اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مستقل رسالہ ''رمضان میں نفل کی جماعت'' کے نام سے ان کی کتاب ''فقہی مقالات'' جلد دوم از صفحہ ۳۳ تا صفحہ ۵۶ مطالعہ فرمائیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وفقہی تحریرات کو ان کے نواسہ حضرت مولانا مفتی سلمان منصوری صاحب زید مجدہم نے ''فتاوی شیخ الاسلام'' کے نام سے ترتیب دیا ہے اس میں ''رمضان میں تہجد کی جماعت'' کے عنوان سے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب شامل کیا گیا ہے، اس کے حاشیہ میں مرتب محترم تحریر فرماتے ہیں: یہ مسئلہ (رمضان میں تہجد کی جماعت کا جائز ہونا) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات میں سے ہے، جسے حضرتؒ نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے براہِ راست احادیثِ شریفہ سے مستنبط فرمایا ہے، لیکن احقر کو حضرت کے اس موقف کی تائید فقہ حنفی کے کسی جزئیہ سے نہیں ملی، بلکہ مبسوط سرخسی اور دیگر معتبر کتب احناف میں تین چار سے زیادہ مقتدی ہونے کی صورت میں نوافل کی جماعت کو مطلقاً مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ (مبسوط سرخسی ۲/ ۱۴۴) بریں بناء مسئلۂ زیرِ بحث میں فقہ حنفی کی رو سے حضرت گنگوہیؒ کا موقف ہی راجح اور مضبوط ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ شیخ الاسلام ۴۳)

لہذا آپ کے یہاں ''قیامِ لیل'' کے نام سے باجماعت نوافل کا جو سلسلہ مختلف مساجد میں شروع کیا گیا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے، مسلکِ دیوبند سے تعلق رکھنے والے اکابر مفتیانِ کرام اس کو مکروہ تحریمی ہی بتلاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مغرب سے پہلے اور قبرستان میں دعا

سوال: قبل المغرب دعاء مانگنا کیسا ہے؟ قبر پر کھڑے دعا مانگنا کیا حکم رکھتا ہے؟ قبرستان میں اجتماعی دعاء مانگنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

دعا ہر وقت قبول ہوسکتی ہے اور ہر وقت مقبولیت کی توقع ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۳۷۴) اس لئے قبل المغرب بھی دعاء مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں جو دعاء کی جاوے قبول ہوتی ہے؛ مگر اس گھڑی کے تعین میں روایات اور اقوال علماء مختلف ہیں اور محققین کے نزدیک فیصلہ یہ ہے کہ یہ گھڑی جمعہ کے دن دائر سائر رہتی ہے کبھی کسی وقت میں آتی ہے؛ مگر تمام اوقات میں سے زیادہ روایات اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین وغیرہم سے دو وقتوں کو ترجیح ثابت ہوتی: ان میں سے دوسرا وقت عصر کے وقت غروبِ آفتاب تک ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۳۷۵)

زیارت قبور کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کھڑے رہ کر دعاء مانگے۔ قال فی الفتح والسنة زیارتها قائما والدعاء عندها قائما كما كان يفعله صلى الله عليه وسلم فى الخروج الى البقيع. (شامی ۱/٦٦٥)

دفنِ میت کے بعد اجتماعی دعاء مستحب ہے۔ وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء الخ (درمختار) (قوله وجلوس الخ) لمافى سنن ابى داؤد كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره. وقال: استغفروا لاخيكم واسألوا الله له التثبيت فانه الآن يسئل الخ. (شامی ۱/٦٦١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسائلِ جمعہ

قصبہ کے مثل بستی میں جمعہ

سوال: بستی پام ریج (جنوبی افریقہ) (۱): مقام وتعریف آبادی: پام ریج ایک نئی بستی جو صوبۂ ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) میں واقع ہے، یہاں کے باشندے تقریباً دو ڈھائی سال سے آباد ہیں کل آبادی تخمیناً ۳۱۷۵ کی ہے۔

جنس:	مسلم	غیر مسلم
آبادی:	۸۴۰	۲۳۳۵
مکانات:	۱۶۵	۴۶۷
کل تعداد:	۳۱۷۵	۶۳۵

(۲): سرکاری نظام ودفتر: کل انتظامات بستی کے متعلق دو دفتروں سے ہوتا ہے، مثلاً: زمین یا مکان کی خرید وفروخت، بجلی و پانی وٹیکس کی ادائیگی، فریاد (متعلق بستی) وغیرہ۔

(۳): حفاظت وامن: ایک پولیس اسٹیشن ہے؛ نیز بستی والوں کی حفاظت وامن کے لیے فوجی گاڑی مع پولیس ۲۴ گھنٹہ بستی میں گشت کرتے ہیں۔

(۴): ڈاکخانہ: فی الحال کوئی خاص مکان نہیں ہے ڈاک خانہ کے لیے، لیکن حکومت کی طرف سے ایک گاڑی (Mobile Vehicle) روزانہ آتی ہے، اور باقاعدہ سب کچھ دستیاب ہوتا ہے، جو اور ڈاک خانوں سے ملتا ہے، ڈاکیہ (postman) ہر مکان تک ڈاک پہونچاتا ہے، تقریباً ہر گھر میں ٹیلیفون (Telephone) موجود ہے۔

(۵): صحت وعلاج: ایک سرکاری دوا خانہ موجود ہے، جہاں سے دوا انجکشن

وغیرہ مفت میں حاصل ہوسکتا ہے، خود سرکاری متعینہ ڈاکٹر حاضر ہے، اور نرس (Nurse) بھی دوانفرادی (Privete) ڈاکٹر اپنے اپنے دوا خانوں میں مریضوں کا علاج کرتے ہیں بعوض فیس (Fee)۔

(۶): صلوٰۃ: ایک جماعت خانہ میں پنج وقت کی نماز ہوتی ہے بالجماعت، عنقریب مسجد کی تعمیر ہوجائے گی۔

(۷): سرکاری اسکول، دینی مدرسہ، سرکاری کتب خانہ عام لوگوں کے واسطے۔

(۸): متفرقات: باقاعدہ دوکان جہاں پر سب ضروری اشیاء بکتی ہیں، مثلاً: دودھ، تیل، آٹا، مرچ واناج، بسکٹ، روئی، مٹھائیاں وچاکلیٹ وغیرہ وغیرہ، پانچ مکان بصورت دوکان جہاں ضروریات دستیاب ہوتی ہیں، مرغیاں وگوشت مل سکتا ہے، پھل وسبزیاں ملتی ہیں، دودھ، دہی، ہر گھر تک سواری کے ذریعہ سے (Delivered) پہنچتا ہے، دو درزی جو مردوں کے کرتے، پائجامہ، ٹوپی اور زنانہ لباس وکپڑے بناتے ہیں، گویا اسلامی لباس حاصل ہوسکتا ہے، کاریگر وہنرداں وفن دار، وکیل وغیرہ موجود ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، ویشترط لصحتها الخ عن ابی حنیفۃؒ انه بلدة كبيرة فيها سكك و اسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح. (شامی) وتقع فرضا فی القصبات والقریٰ الكبيرة التی فيها اسواق. (شامی) جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو وہ چھوٹا گاؤں

ہے، وہاں جمعہ درست نہیں، وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة الخ (شامی)

آپ نے سوال میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بستی اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہے، اس لئے اس میں جمعہ پڑھا جائے، بہتر یہ ہے کہ کسی عالم فقیہ کو بلا کر اس کا معائنہ کرادیا جائے، وہاں کے حالات کا مشاہدہ فرما کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

گاؤں میں جمعہ

سوال: چونکہ ہم برادرانِ ملت مسلمین واگب، تحصیل: سوپور، ضلع: بارہ مولہ، کشمیر۔ جو کہ پندرا سو (۱۵۰۰) افراد پر مشتمل ہے، ہمارے گاؤں میں تین مساجد ہیں، ہمارے گاؤں میں ایک گورنمنٹ ہائی پرائمری اسکول، اور گرلز پرائمری اسکول، ایک فیملی پلاننگ سنٹر، ایک دیرینہ خستہ حال پنچایت گھر واقع ہے، اس کے علاوہ ضروریات زندگی کے آٹھ دکان ہیں، اور ایک کواپریٹو دکان بھی ہے، ہمارے گاؤں میں مندرجۂ ذیل طبقوں کے لوگ آباد ہیں، مثلاً: نان بائی، کمہار، موچی، درزی، حجام، آش پز لوگ بستے ہیں، مزید اس کے ایک آہنگر بھی اپنا کام کاج چلا رہا ہے؛ لیکن گاؤں ھذا کا اصلی باشندہ نہیں ہے، اور مثالی کوٹائی کی دو مشینیں، اور ہندسا بھی واقع ہے، ہمارے گاؤں میں چار ٹرکیں، آٹھ ٹانگہ، اور چندر یڑا بھی کام کر رہے ہیں۔

اس کے برعکس مندرجۂ ذیل ضروریات زندگی میسر نہیں ہیں، مثلاً: قصائی کی کوئی دکان نہیں، علاج کا کوئی بندوبست نہیں ہے، بیت الخلاء کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے، سواری کے لئے ٹانگہ مشکل سے ملتا ہے، سواری گاؤں کا کوئی انتظام نہیں ہے، موسم سرما

میں سبزی کا پورا انتظام نہیں ہے، اور کوئی شیر گوجری یعنی دودھ بکنے والا بھی نہیں ہے، دھوبی، نجار، گلکار، سوتھار، ہانجی لوگ غرض بہت سے قسم کے کاریگر یہاں موجود نہیں ہیں۔

اس کے برعکس قصبہ سوپور جہاں نماز جمعہ وعیدین بڑی کثرت سے پڑھی جاتی ہے، گاؤں ھذا سے قصبہ سوپور تقریباً تین کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، جبکہ ہم قصبہ سوپور کی اذان صرف صبح وشام مائیکروفون (لاؤڈ اسپیکر) کے ذریعہ سن سکتے ہیں۔

چونکہ ہم دو علمائے دین کے فتاوی سے چھ سال سے گاؤں ھذا میں نماز جمعہ اور نماز عیدین پڑھتے ہیں، جبکہ ان علمائے دین میں سے ایک نے چھ سال کے بعد نماز عیدین پڑھنے سے روکا، ان کا کہنا ہے کہ آپ نماز جمعہ گاؤں ھذا میں پڑھ سکتے ہیں لیکن نماز عیدین قصبہ سوپور میں ادا کرنی لازمی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ سوپور کی اذان بذریعہ میکروفون سن سکتے ہیں، اس لئے آپ پر لازم ہے کہ آپ نماز عیدین سوپور کے عیدگاہ میں پڑھیں، اور نماز جمعہ گاؤں ھذا میں ہی پڑھا کریں جبکہ چھ سال قبل انھوں نے ایسا نہ کہا۔

چونکہ ہماری اپنی برادری میں چند سالوں سے اختلاف اب پیدا ہو گیا ہے، کیوں کہ کچھ علمائے دین اس فتوی پر راضی نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ گاؤں کی کل آبادی دو ہزار افراد لازمی ہے، اور ضروریات زندگی کی تمام چیزیں میسر ہونی لازمی ہے، اب ہماری برادری میں اختلاف ہوا، آدھے لوگ گاؤں ھذا میں نماز جمعہ اور عیدین ادا کرتے ہیں، اور بعض لوگ سوپور نماز جمعہ پڑھنے جاتے ہیں۔

اب عرض ہے کہ ہم نے اپنی برادری میں یہ فیصلہ لیا ہے کہ ہم علمائے دیوبند کی طرف رجوع کریں، اب آپ صاحبان کی خدمت میں عرض ہے کہ قرآن وحدیث، حنفیہ مسلک کے مطابق فتوی دے کر گاؤں ھذا کے اختلافات دور کر کے مشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی ضروریات روز مرہ: ڈاکخانہ، شفاخانہ، مدرسہ، بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو، اور تین چار ہزار کی آبادی ہو، جو گاؤں ایسا نہیں ہے وہاں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز پڑھی جائے، آپ کے گاؤں کے حالات کی تفصیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا گاؤں نہیں ہے، پھر بھی بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے عالم وفقیہ کو جس پر سب کا اعتماد ہو بلا کر اس بستی کا معائنہ کرا دیا جائے، وہاں کے حالات دیکھ کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ شوال ۱۴۰۷ھ

ملازمت ترک جمعہ کے لئے عذر نہیں بن سکتی

سوال: زید، بکر اور عمر حنفی المسلک ہیں، جو شہر کی ایک کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں، کام کی وجہ سے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے وقت نہیں ملتا بجائے جمعہ کے کمپنی میں تینوں مل کر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں؟ تو کیا عذر کی وجہ سے جمعہ چھوڑ کر ظہر باجماعت پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جب ان حضرات پر جمعہ واجب ہے تو ان کے لیے ضروری اور فرض ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھیں، کمپنی کی ملازمت ترکِ جمعہ کے لئے عذر نہیں بن سکتی۔ (ماخوذ از امداد الفتاوی ۱/ ۶۸۰) لیکن باوجود اس کے اگر جمعہ میں حاضر نہ ہوئے اور ظہر پڑھ لی تو جمعہ ساقط ہو جائے گا، اور ترک جمعہ سے گنہگار رہوں گے۔ (امداد الفتاوی ۱/ ۶۴۱) جو لوگ حقیقی معذور ہیں، یعنی جن

کے عذر کو شریعت نے معتبر سمجھا ہے، ان کے لئے بھی شہر میں نماز ظہر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ منفرداً نماز پڑھیں، اور حالتِ انفراد میں بھی اذان واقامت نہ کہیں۔ و کرہ تحریما لمعذور و مسجون و مسافر اداء ظهر بجماعة فی مصر قبل الجمعة و بعدها لتقليل الجماعة. (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

زوال سے پہلے اذان جمعہ

سوال: شہر بیجاپور کی اکثر مساجد میں بروز جمعہ اذان کا یہ معمول ہے کہ بارہ مہینے ٹھیک ساڑھے بارہ بجے دی جاتی ہے، چاہے زوالِ آفتاب کسی بھی وقت ہو، تو کیا اس طرح اذان دینا درست ہے؟ اگر اذان زوال سے پہلے دی گئی تو اعادہ ضروری ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں جمعہ کے وقت کے سلسلہ میں صراحۃً لکھا ہے کہ وہ زوال، یعنی سورج کے ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے، اور اذان کے لیے جو شرائطِ صحت منقول ہیں، ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس فرض ادا نماز کے لیے اذان دی جائے اس کے لیے اس نماز کا وقت ہونا بھی شرط ہے، اگر وقت آنے سے پہلے اذان دی گئی تو صحیح نہ ہوگی، وقت آنے پر دوبارہ کہی جائے۔ (منقول از عمدۃ الفقہ ۲/۳۰)

آپ کے شہر بیجاپور میں سال کے بارہ مہینے اذانِ جمعہ ساڑھے بارہ بجے دینے کا جو معمول ہے، اگر اس وقت زوال ہوکر جمعہ کا وقت شروع ہوجاتا ہے تب تو صحیح ہے، ورنہ وہ اذان درست نہیں، وقت شروع ہونے کے بعد اذان دوبارہ کہی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شہر میں جمعہ کی اذانِ اول پر کاروبار بند کرنے کا مسئلہ

سوال: زید کی جس شہر میں ہوٹل ہے، اس شہر میں دو مختلف مسجدوں میں مختلف

اوقات میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، زید نے جمعہ کے وقت کاروبار بند کرنے کے بجائے ہوٹل کے آدھے ملازمین کو ایک مسجد میں جہاں ایک بجے جمعہ کی نماز ہوتی تھی نماز پڑھنے کے لیے بھیج دیا، اور جب وہ نماز پڑھ کر آئے تو کاروبار میں لگ گئے، اور بقیہ ملازمین کو دوسری مسجد میں جہاں دو بجے نماز جمعہ ہوتی ہے نماز پڑھنے کے لیے بھیج دیا، تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

دوسرا دریافت طلب امر یہ ہے کہ (الف) نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے ہر ایک آدمی نمازِ جمعہ ادا کر لے یہ شرعاً درست ہے؟

(ب) اگر نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو بند کرنا ضروری ہے تو جس شہر میں مختلف مسجدوں میں مختلف اوقات میں اذانِ جمعہ ہوتی ہے تو کونسی مسجد کی اذان کے وقت کاروبار بند کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد بیع وشرا (خرید وفروخت) مکروہ تحریمی ہے، ایسی بیع سے توبہ اور اس کا فسخ دیانۃً واجب ہے، قضاءً نہیں، بیع فاسد قضاءً بھی واجب الفسخ ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۱۱۴) اس لیے (الف) نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے ہر ایک کا جمعہ پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ کاروبار کا بند رکھنا ضروری ہے۔

(ب) اس سے متعلق صریح جزئیہ اس لیے نہیں ملتا کہ پہلے زمانہ میں پورے شہر میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا، لہٰذا اسکو عام نمازوں کی اذان پر قیاس کیا جائے گا، عام اذان کی اجابت باللسان میں اذان اول کا اعتبار ہے، اور اجابت بالقدم میں اذانِ محلّہ کا اعتبار ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وجوب سعی الی الجمعہ وکراہیتِ بیع میں مسجد محلّہ کی اذان معتبر ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبۂ جمعہ میں آیت درود کا وصل درود شریف کے ساتھ درست ہے

سوال: ہمارے یہاں آیتِ درود کے وقت درود (جمعہ کے خطبہ میں) زور سے پڑھتے تھے، تو میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آیتِ درود کو درود سے ملا کر پڑھنے لگا جیسے: یاایھا الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیماً اللھم صل و سلم الخ پڑھنا شروع کیا، اب جن کو موقع نہ ملا وہ لوگ مجھ سے کہنے لگے کہ امام صاحب آپ آیت پر رکتے نہیں ہو، اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے ساتھ درود کو ملانے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اس طرح آیت کا وصل درود شریف کے ساتھ جائز اور درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

جمعہ کے روز فجر کی نماز میں مسنون قرأت پر کراہت کے شبہ کا ازالہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین حسبِ ذیل مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ہر جمعہ کو فجر میں ''سورۂ سجدہ'' اور ''سورۂ دہر'' اور جمعہ میں ''سورۃ الاعلیٰ'' اور ''غاشیۃ'' ہمیشہ بلا ناغہ تلاوت کی جاتی ہے، تو اس طریقہ سے ہمیشہ ایک ہی طرح کی سورتیں نماز میں تلاوت کرتے رہنا کیسا ہے؟ حالانکہ اس طرح کسی نماز کے لیے سورتیں مقرر کرنا مکروہ لکھا ہے، جیسا کہ امداد الفتاویٰ جلد ۱/ ۲۵۶ پر لکھا ہے:

سوال: جس طرح فرائض میں سورتیں متعین کرنا مکروہ ہے، نوافل میں بھی مکروہ ہیں یا نہیں؟

الجواب: فرائض اور نوافل دونوں کا حکم یکساں ہے۔ فی العالمگیریة ویکرہ ان یوقت شیئا من القرآن بشی ء من الصلوة. ۱/۴۹.

اسی طرح احسن الفتاویٰ ۳/ ۸۰ میں ''سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا'' کے جواب میں مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر سورۂ غیر ماثورہ بغرضِ سہولت یا سورۂ ماثورہ بنیت تبرک اختیار کرتا ہے، تو اس میں کوئی کراہت نہیں؛ مگر اس کو لازم نہ سمجھے، اور کبھی کبھی اس کو ناغہ کر دینا بہتر ہے؛ البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے، اس لیے کہ اس سے ناواقف کو شبۂ وجوب ہوسکتا ہے، اسی لیے فرائض کی امامت میں بھی کسی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے۔

آ گے صفحہ ۸۱ پر بروزِ جمعہ فجر میں سورۃ سجدہ پڑھنا کے سوال کے جواب میں لکھا ہے: نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ، اور دوسری رکعت میں سورۃ دہر، پڑھنا فی نفسہ مستحب ہے لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے؛ تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں، آج کل ائمہ مساجد نے اس امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے، اور اس کی اصلاح لازم ہے: قال فی الدر: ویکرہ التعیین کالسجدۃ وھل اتی بفجر کل جمعۃ بل یندب قراء تھما احیانا. الخ

ان وجوہات کی بناء پر ہمارے یہاں اس کی اصلاح ضروری ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں امام ہر وقت بدلتے ہیں، قراءت نہیں بدلتی، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ نمازوں میں یہی سورتیں پڑھی جائیں گی جو ایک طرح کا متعین کرنا ہی ہوا۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نماز میں کسی سورت کو متعین کر لینا مکروہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اس سورت کو اس طرح یقینی واجب سمجھ لے کہ اس کے سوا اور سورت کو ناجائز یا مکروہ سمجھے، نیز معین کر لینے سے باقی قرآن کا چھوڑنا اور معینہ سورت کے افضل ہونے کا وہم لازم

آ تا ہے، لیکن اگر آسانی کے واسطے کوئی سورت مقرر کر لے یا جو سورت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوئی ہے اس کو تبرکا پڑھا کرے، مثلاً: جمعہ کے روز کی نماز فجر میں پہلی رکعت میں الم سجدہ، اور دوسری میں سورۃ دہر پڑھا کرے، تو اس میں کراہت نہیں؛ لیکن اس میں بھی شرط ہے کہ اس کے سوا کبھی کبھی اور سورت بھی پڑھا کرے؛ تا کہ کوئی ناواقف یہ نہ سمجھ لے کہ اس کے سوا اور کوئی سورت جائز نہیں۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۱۸)

علامہ شامیؒ نے ''درمختار'' کی اس عبارت کی شرح میں جو آپ نے احسن الفتاویٰ کے حوالہ سے نقل کی ہے تفصیلی بحث فرما کر یہی ثابت کیا ہے: وقيد الطحاوی والاسبيجابی الكراهة بما اذا رأى ذلك حتما لايجوز غيره، اما لو قرأه للتيسير عليه او تبركا بقراء ته عليه الصلوة والسلام فلا كراهة؛ لكن بشرط ان يقرأ غيرها احيانا لئلا يظن الجاهل ان غيرها لايجوز الخ. (شامی ۱/۴۰۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ علت کراہت دو امور میں سے ایک ہے۔ (۱): اس کو یقینی اور واجب سمجھ کر پڑھنا۔ (۲): کسی جاہل وناواقف کا یہ سمجھ لینے کا اندیشہ کہ اس کے علاوہ اور کوئی سورت جائز نہیں۔ (۱): واقول: حاصل معنى كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة فى المداومة وهو انه ان رأى ذلك حتما يكره من حيث تغيير المشروع والا يكره. (۲): من حيث ايهام الجاهل الخ. (شامی ۱/۴۰۲)

ہمارے یہاں امام بدلتا ہے، اور ہر امام اس بات سے واقف ہے کہ یہ قراءت مسنون وماثور ہے واجب نہیں ہے، اس لیے کراہت کی پہلی علت مفقود ہے؛ نیز چوں کہ امامت کا فریضہ انجام دینے والے وہ طلبہ ہیں جن کو فرائض امامت کی ادائیگی کے لیے تربیت دی جارہی ہے، اگر ابھی انھوں نے اس کا اہتمام نہ کیا تو آئندہ جہاں فریضہ امامت

انجام دیں گے سال میں ایک مرتبہ بھی وہ یہ قراءت نہیں کریں گے جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے، جیسا کہ علامہ ابن الہمامؒ (شارح ہدایہ) نے تحریر فرمایا ہے: وفی فتح القدیر لان مقتضی الدلیل عدم المداومة، لا المداومة علی العدم کما یفعله حنفیة العصر (شامی ۴۰۲/۱) (یعنی دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ نہ پڑھا جائے (بلکہ گاہے نہ پڑھے) نہ کہ ہمیشہ نہ پڑھا جائے، جیسا کہ دورِ حاضر کے احناف کررہے ہیں) کراہت کی دوسری علت ''ایہام جاہل'' بھی یہاں مفقود ہے، اس لیے کہ مقتدیان بحمداللہ تعالیٰ مسائل سے واقف ہیں۔

ہمارے اکابر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کے متعلق سنا کہ خود بھی اس سنت کا اہتمام فرماتے تھے، اور اگر کوئی امام نہ پڑھتا تو تنبیہ فرماتے تھے، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو احقر نے خود دیکھا کہ اس سنت کا اہتمام کراتے تھے، ویسے ہمارے یہاں بھی گاہے بعض امام دوسری قرأت کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ سے متعلق الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر کا اقتباس الگ سے نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا، فجر میں طوال مفصل، عشاء میں اوساط، مغرب میں قصار، بارہا ایسا ہوا کہ عشاء میں کسی جگہ امام نے اوساط کو ترک کرکے قصار میں سے یا کہیں اور سے قرأت کی نماز ختم ہوتے ہی فوراً تنبیہ فرماتے، اگر کہیں خلاف سنت قراءت ہوتی اس سے منقبض ہوا کرتے، کبھی کبھی اس ترک سنت پر اظہار ناراضگی بھی فرمایا کرتے، حضور ﷺ کی سنت یہی ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الم سجدہ، اور دوسری رکعت میں سورۃ دہر تلاوت فرمایا کرتے تھے، اسی طرح جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ، اور دوسری رکعت میں سورۃ غاشیہ کا معمول تھا، احقر راقم الحروف کو

زمانہ طالب علمی کے آٹھ سال اور رفاقت سفر کے ڈھائی سال، دس سال سے زیادہ کی مدت میں ایک مرتبہ بھی یاد نہیں پڑتا کہ بغیر کسی عذر قوی کے جمعہ کی فجر میں سورۃ سجدہ تلاوت نہ فرمائی ہو، اسی طرح جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ، اور دوسری میں غاشیہ ترک فرمائی ہو، سفر میں بھی اگر ممکن ہوتا تو اسی پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۱۵۳)

مسائل عیدین

عیدین میں دعاء نماز کے بعد کرے یا خطبہ کے بعد؟ حضرات اکابر کا معمول

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مندرجۂ ذیل مسائل میں کہ:

ہمارے یہاں عیدگاہ میں عید کی نماز کے لیے دو امام مقرر ہیں، ایک سال ایک امام عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، اور دوسرے سال دوسرے امام، ان دونوں اماموں میں ایک امام خطبہ کے بعد دعاء مانگتے ہیں، اور دوسرے نماز کے بعد متصلاً دعاء مانگتے ہیں، اس میں سے کونسا طریقہ مسنون اور درست ہے؟ نیز ہمارے یہاں ایک مرتبہ عید الفطر کے موقعہ پر امام صاحب نے عید کی نماز پڑھائی اور پھر خطبہ کے لیے کھڑے ہونے جارہے تھے (اور دعاء خطبہ کے بعد مانگنے والے تھے) کہ وہ دوسرے امام صاحب کھڑے ہوگئے، اور کہنے لگے کہ مولانا یہ طریقہ درست نہیں ہے، نماز کے بعد متصلاً دعاء ہونی چاہئے، یہی طریقہ مسنون ہے، خطبہ کے بعد دعاء صحیح نہیں ہے، تو اس امام صاحب نے کہا کہ یہ کہاں لکھا ہے؟ اتنا کہہ کر وہ خطبہ کے لیے منبر پر چلے گئے تو وہ دوسرے امام صاحب نے پھر مجمع میں اعلان کیا، کہ بھائی! اصل مسنون طریقہ نماز کے بعد متصلاً دعاء ہے؛ بہر حال خطبہ کے بعد دعاء ہوئی پھر اس کے بعد کچھ دنوں کے بعد اس امام صاحب نے جو نماز کے بعد دعاء کے قائل تھے، حوالہ پیش کیا وہ حوالہ ''فتاوی رحیمیہ ج/۳ ص/ ۷۵'' ''دعاء نماز کے بعد کرے خطبہ کے بعد ثابت نہیں'' الخ پر ہے۔ پھر اس کے بعد وہ دوسرے امام صاحب نے عید الاضحیٰ سے پہلے اپنی بات کا حوالہ تلاش کیا وہ حوالہ ''فتاوی رحیمیہ ج/ ۵ ص/ ۸۱'' ''عید کی نماز کے بعد دعاء کرنا'' الخ پر ہے۔ اس حوالہ کو عید الاضحیٰ کے موقعہ پر عیدگاہ میں

سنانا چاہا لیکن بعض حضرات نے روک دیا کہ عوام میں مسائل نہ چھیڑے جائیں، تو وہ امام صاحب رک گئے؛ بہر حال وہ دوسرے امام صاحب نے جو حوالہ پیش کیا اس میں ہے کہ خطبہ کے بعد دعاء مانگ سکتے ہیں اگر لازم نہ قرار دے۔ اور ہمارے یہاں دونوں طریقے اس سے پہلے ہو چکے اس میں کسی نے اعتراض نہیں، کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی دعاء کو نماز کے بعد ہی یا خطبہ کے بعد ہی لازم نہیں کہتا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ عید کی نماز کے بعد دعاء کسی سے بھی منقول نہیں ہے، اور پہلے امام صاحب نے جو حوالہ پیش کیا ہے اس کا جواب بھی فتاوی رحیمیہ ج/ ۵ ص/۸۳ پر ہے تو سوال یہ ہے کہ کونسا طریقہ مسنون ہے؟ نیز اس امام کا کھڑے ہو کر بھرے مجمع میں یہ احتجاج کرنا کیسا ہے؟ نیز قول فیصل اور مفتی بہ قول سے مطلع فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں؛ نیز فتاوی رحیمیہ کی دونوں عبارتوں پر نظر فرما کر کس طریقہ پر عمل کیا جائے اور کس طرح دعاء مانگی جائے، یہ وضاحت سے بتلا کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔ فقط والسلام.

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

عیدین میں دعاء کی دو صورتوں (نماز کے بعد متصلاً دعاء، اور خطبہ کے بعد دعاء) کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ اس میں سے کونسا طریقہ مسنون اور درست ہے؟ سب سے پہلے ضروری ہے کہ لفظ مسنون کی مراد متعین کر لی جائے۔ لفظ مسنون بول کر کبھی تو مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ کام نبی کریم ﷺ نے کیا ہے، یا صریح الفاظ میں آپ نے اس کو کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عیدین میں دعاء نماز کے بعد متصلاً یا خطبہ کے بعد ثابت نہیں۔ یعنی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ یہ نہیں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز کے بعد دعاء مانگی یا خطبہ سے فراغت کے بعد دعاء مانگی، اسی

طرح روایت قولیہ میں بھی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ نماز عید کے بعد متصلاً یا خطبۂ عید کے بعد دعاء کا تذکرہ نہیں۔ چنانچہ ہمارے اکابر کے فتاوی میں جہاں یہ لکھا ہے کہ عید کی نماز کے بعد متصلاً یا خطبۂ عید کے بعد دعاء مسنون اور ثابت نہیں، وہاں پر یہی مراد ہے۔ دیکھئے: کفایت المفتی ۳/ ۳۰۶، ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۴۔ امداد الاحکام ۱/ ۶۴۹۔ فتاوی محمودیہ ۲/ ۲۹۵، ۳۶۱، ۱۶/ ۵۴۰۔ خیر الفتاوی ۳/ ۱۲۸۔ آپکے مسائل اورانکا حل ۲/ ۴۱۷۔ امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷۔ فتاوی سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ فتاوی رحیمیہ ۸/ ۱۰۵۔ احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۵۔

اور لفظ مسنون بول کر کبھی تو یہ مراد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احکام شرع کے سلسلہ میں اصولی ارشادات اور ہدایات دی ہیں جن سے ایک عام قاعدہ کی شکل میں کوئی حکم ثابت ہوتا ہے، جس کے ماتحت بہت ساری جزئیات داخل ہوتی ہیں۔ (اگرچہ ان جزئیات کی تصریح روایت میں موجود نہیں) ان تمام جزئیات پر ثابت ہونے والے حکم کو بھی مسنون سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عیدین میں نماز عید کے بعد کی جانے والی دعاء کو اکثر اکابر نے اپنے فتاوی میں مسنون اور ثابت کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ دیکھئے: کفایت المفتی ۳/ ۳۰۶، ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۴۔ امداد الاحکام ۱/ ۶۵۱، ۶۵۴۔ فتاوی دار العلوم ۵/ ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱۔ فتاوی محمودیہ ۷/ ۲۱۸، ۲/ ۲۶۱، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۱، ۱۶/ ۵۴۰۔ خیر الفتاوی ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸۔ آپ کے مسائل اورانکا حل ۲/ ۴۱۷۔ امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷۔ احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۵۔ فتاوی سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ امداد المفتیین ص ۴۰۸۔ عزیز الفتاوی ص ۳۰۱، ۳۰۷۔ فتاوی رحیمیہ ۳/ ۷۵، ۸/ ۱۰۵۔

اور اسی اعتبار سے بعض اکابر نے جن کی تعداد بہت کم ہے، خطبہ کے بعد کی جانے والی دعاء کو بھی مسنون اور ثابت لکھا ہے۔ دیکھیے: کفایت المفتی ۳/ ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۶۔ آپ کے مسائل اورانکا حل ۲/ ۴۱۷۔ احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۵۔ (طبع دوم)۔

اس لیے آپ کے یہاں عید کے موقع پر جو واقعہ پیش آیا، جس میں ایک امام صاحب نے (جو نماز عید کے بعد متصلاً دعاء پر عامل ہیں) دوسرے امام صاحب پر (جو خطبۂ عید کے بعد دعاء پر عامل ہیں) لوگوں کے بھرے مجمع میں نکیر کی، ان کا یہ اقدام ہرگز مناسب نہیں تھا، چنانچہ ہو بہو اسی طرح کا واقعہ کسی جگہ پیش آنے پر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ سے سوال کیا گیا۔ حضرت نے جس کا تفصیلی جواب عنایت فرمایا جو فتاوی رحیمیہ ۵/۸۱ تا ۸۴ میں دیکھا جا سکتا ہے، اس میں حضرتؒ نے ہمارے اکابر کے دونوں قسم کے فتاویٰ نقل کرنے کے بعد اپنا رجحان تو یہی بتلایا کہ دعاء نماز عید کے بعد متصلاً ہی مناسب ہے، اس کے باوجود مجمع عام میں نکیر کرنے والے صاحب کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''مجمع عام میں جو کچھ ہوا غلط ہوا، جنہوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے اس کے ذمہ اس کی تلافی لازم ہے'' اس لیے آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ ''اس امام کا بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر یہ احتجاج کرنا کیسا ہے'' ہم بھی وہی بات پیش کرتے ہیں جو حضرت اقدس مفتی صاحبؒ نے تحریر فرمائی ہے، ان امام صاحب کو چاہئے کہ وہ اپنی اس نازیبا حرکت کی تلافی کریں، اور دوسرے امام صاحب نے جو فتاوی رحیمیہ میں مذکورۂ بالا تفصیلی فتویٰ دیکھنے کے بعد مجمع عام میں جب اس کو پیش کرنے کا ارادہ کیا لیکن بعض حضرات کے یہ مشورہ دینے پر کہ عوام میں اس طرح کے مسائل نہ چھیڑے جائیں، وہ اپنے اس ارادہ سے باز رہے، ان کے اس اقدام کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عالمانہ وقار کی لاج رکھ لی۔ فجزاھم اللہ تعالی خیر الجزاء.

آپ نے آخر میں قول فیصل بھی دریافت کیا، بھلا ہماری کیا مجال ہے کہ ان اکابر کی باتوں پر محاکمہ کر کے قول فیصل کے نام سے کوئی بات پیش کریں؛ البتہ ایسے موقع پر ہمارے

اکابر کا جو عمل ہوا کرتا ہے اسی کو اپنانے کے لیے طبیعت مائل ہوتی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت اقدس ومولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ (دار العلوم دیوبند کے اولین صدر مفتی) تحریر فرماتے ہیں ''ہمارے اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ، اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ (صدر مدرس سابق مدرسہ ھذا) اور حضرت (شیخ الھند) مولانا محمود حسن صاحبؒ (صدر مدرس مدرسہ ھذا) وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے تھے۔ (فتاوی دار العلوم عزیز الفتاوی دار الاشاعت کراچی ۳۰۷)

احقر کو بھی اپنے جن اکابر کو عید پڑھتے ہوئے دیکھنے کا موقع ملا ہے، ان تمام کو نماز عید کے بعد ہی دعاء کرتے ہوئے دیکھا، خطبہ کے بعد نہیں، اس لیے مناسب یہی ہے کہ نماز عید کے بعد ہی دعاء کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً جب کہ خطبہ کے بعد کی جانے والی دعاء کو بعض اکابر نے بدعت بھی لکھا ہے۔ دیکھیے: فتاوی دار العلوم ۵/۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱۔ فتاوی محمودیہ ۷/۲۱۸، ۲/۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۱۔ خیر الفتاوی ۳/ ۱۲۸۔ امداد الفتاوی ۱/۶۰۲، ۶۰۶۔ فتاوی سنگرہ (گجراتی) ۳/۴/ ۱۰۔ عزیز الفتاوی ص ۳۰۱۔ فتاوی رحیمیہ ۳/ ۷۵، ۸/ ۱۰۵۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا جواز

سوال: ہمارے یہاں برطانیہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر بڑا مجمع ہونے کی بناء پر ایک ہی جگہ پر دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنا پڑتا ہے، یہاں کا موسم خصوصاً ایام سردی میں ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں باہر کھلی جگہ میں نماز کا بندوبست

کیا جائے، نیز عام طور پر مسجد کے متصلاً ایسی جگہیں نہیں ہوتیں کہ مسجد کی نماز کے ساتھ ہی باہر انتظام کیا جا سکے، بعض بعض جگہوں پر بعض موسموں میں باہر بھی نماز کا انتظام ہوتا ہے لیکن بہت سی جگہوں پر جگہ کی تنگی اور مجمع کی کثرت کے پیشِ نظر ایک ہی جگہ پر متعدد مرتبہ نماز کا انتظام کرنا پڑتا ہے، تو شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جنابِ والا کی جان کاری کے لیے یہ بھی لکھنا مناسب ہے کہ یہاں جن جگہوں پر نمازِ عید ہوتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱): مسجد جو عرفاً و شرعاً مسجد ہے، اور انتظامیہ کمیٹی نے جس کے مسجد شرعی ہونے کی نیتیں کر رکھی ہیں، چاہے وہ مستقلاً مسجد تعمیر کی گئی یا کوئی دوسرا مکان خرید کر اس میں مسجد شرعی کی نیت کر لی گئی۔

(۲): عبادت گاہ، مصلیٰ PRAYERHALL کوئی عمارت تعمیر کی گئی یا خریدی گئی، جس میں پنج گانہ نماز اور جمعہ بھی ادا ہوتا ہے لیکن انتظامیہ کمیٹی نے ابھی اس کی باقاعدہ مسجدِ شرعی ہونے کی نیت نہیں کی ہے لیکن روزانہ کی نماز اور نماز جمعہ برابر ادا ہو رہی ہے، اگرچہ بہت سی جگہوں پر ایسی عمارت کو بھی لوگ اپنے عرف اور بول چال میں مسجد کا نام دیتے ہیں لیکن حقیقت میں ابھی تک وہ مسجدِ شرعی نہیں ہے۔

(۳): محض عیدین کے خاطر بڑے ہال یا کمرے عید کے دن کے لیے اجرتاً یا عاریتاً لے لئے جاتے ہیں، اور کبھی موسم سازگار ہو تو کھلی جگہ میں بھی عید کی نماز کا انتظام ہوتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں دو یا تین یا متعدد مرتبہ ایک ہی جگہ پر عید کی نماز قائم کرنے کا حکم تفصیل سے مرحمت فرمائیں۔

(نوٹ): ہر جماعت میں الگ امام کا انتظام کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ویکره تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة، لا فی مسجد طریق او مسجد لاامام له ولامؤذن. (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۱/۴۰۸، ۴۰۹)

قال الشامی: (قوله: ویکره) ای تحریما لقول الكافي لايجوز والمجمع لايباح، وشرح الجامع الصغير انه بدعة كما فی رسالة السندی، (قوله باذان واقامة الخ) عبارته فی الخزائن: اجمع مما هنا ونصبها يكره تكرار الجماعة فی مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلی بهما فيه اوّلًا غير اهله او اهله لكن بمخافتة الا ذان ولو كرر اهله بدونهما او كان مسجد طريق جاز اجماعا كمافی مسجد ليس له امام ولا مؤذن ويصلی الناس فيه فوجا فوجا، فان الافضل ان يصلی كل فريق باذان واقامة علی حدة كما فی أمالی قاضيخان. اه. ونحوه فی الدرر والمراد بمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون كما فی الدرر وغيرها، قال فی المنبع: والتقييد بالمسجد المختص بالمحلة، احتراز من الشارع، وبالاذان الثانی، احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلة جماعة بغير اذان حيث يباح اجماعا. اه. ثم قال فی الاستدلال علی الامام الشافعیؒ النافی للكراهة ما نصه ولنا انه عليه الصلوٰة والسلام كان خرج ليصلح بين قوم فعاد الی المسجد وقد صلی اهل المسجد فرجع الی منزله فجمع اهله وصلی ولو جاز ذلك لما اختار الصلوة فی بيته علی الجماعة فی المسجد، ولان فی الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معنی فانهم لا يجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم واما مسجد الشارع فالناس فيه سواء لا اختصاص له

بفریق دون فریق. اه. ...... وقدمنا فی باب الاذان عن آخر شرح المنیة عن ابی یوسفؒ انه اذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الاولیٰ لا تکره والا تکره وهو الصحیح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة كذا فی البزازیة. انتهی.. وفی التاتارخانیة: عن الوالوالجیة وبه ناخذ. (شامی ۱/۴۰۸، ۴۰۹)

بل یکره فعلهما، وتکرار الجماعة الا فی مسجد علی طریق، فلا بأس بذلك. جوهرة. (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۱/۲۹۱) قال الشامی: (قوله وتکرار الجماعة) لماروی عبد الرحمن بن ابی بکرعن ابیهؓ ان رسول اللّٰہﷺ خرج من بیته لیصلح بین الانصار، فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعة، فدخل رسول اللّٰہ ﷺ فی منزل بعض اهله، فجمع اهله فصلی بهم جماعة، ولو لم یکره تکرار الجماعة فی المسجد لصلی فیه، وروی عن انس ان اصحاب رسول اللّٰہﷺ کانو ا اذا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی، ولان التکرار یؤدی الی تقلیل الجماعة، لان الناس اذا علموا انهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر وا لا تأخروا. اه. بدائع. وحینئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی اهله فیه فانهم یصلون وحدانا وهو ظاهر الروایة. ظهیریة. وفی آخر شرح المنیة: وعن ابی حنیفةؒ لو کانت الجماعة اکثر من ثلاثة یکره التکرار، والا فلا، وعن ابی یوسفؒ اذا لم تکن علی الهیئة الاولیٰ لاتکره والا تکره، وهو الصحیح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة كذا فی البزازیة. اه. وفی التاتارخانیة عن الولوالجیة وبه نأخذ وسیأتی فی باب الامامة ان شاء اللّٰہ تعالیٰ لهذه المسئلة زیادة کلام. (شامی ۱/۲۹۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے: محلّہ کی مسجد میں دوسری جماعت مکروہ تحریمی ہے، یعنی اگر محلّہ کی مسجد جس میں امام اور جماعت کے وہ لوگ جو ہمیشہ آنے والے اور مقرر ہیں، بلند آواز سے اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھ چکے ہوں، تو اب وہاں اذان و اقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر بغیر اذان و اقامت کے ہو اور ہیئت بدل دی جائے تو مکروہ نہیں، اور محراب کے بدلنے سے یعنی جس جگہ پہلے امام نے نماز پڑھی ہے دوسرے امام کے اس جگہ سے ہٹ کر کھڑا ہوجانے سے ہیئت بدل جاتی ہے، اور اسی قول پر فتویٰ ہے، (پس اگر کبھی کبھی ایسا موقع پیش آئے تو اس پر عمل کرلیا جائے، اور التزام کے ساتھ دوسری جماعت نہ کی جائے؛ تاکہ پہلی جماعت میں کمی و سستی واقع نہ ہوجائے، ورنہ ہیئت بدلنے پر بھی مکروہ تحریمی ہی ہونی چاہیے، پہلی جماعت کا ثواب ہر حال میں زیادہ ہے، اور دوسری جماعت میں اختلاف بھی ہے، اس لیے اس کا اہتمام نہایت ضروری ہے، اور ہیئت بدل کر دوسری جماعت کر لینے کی اجازت ضرورۃً کبھی کبھار کے لیے ہے۔ واللہ اعلم مؤلف) اگر محلّہ کی مسجد میں پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی یا آہستہ اذان ہوئی یا اس مسجد کے مقررہ امام اور نمازیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی، تو ان صورتوں میں دوبارہ جماعت کی جائے، اور یہ جماعت پہلی جماعت کہلائے گی، جماعتِ ثانیہ نہیں کہلائے گی، جس مسجد کا امام اور مؤذن اور جماعت مقرر نہیں ہے، جیسے: عام راستے کی مسجد یا اسٹیشن یا سرائے کی مسجد، پس اس میں اذان اور جماعت کا تکرار بلا کراہت جائز ہے؛ بلکہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ اذان و اقامت سے نماز پڑھے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۸۱)

کتب فقہ کی ان عبارتوں سے جو پیش کی گئیں چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

(۱): جماعت ثانیہ کی کراہت مسجد محلّہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے وہ جگہ جہاں جماعت ثانیہ کی جارہی ہے مسجد شرعی ہی نہیں تو تکرار جماعت مکروہ نہیں۔

(۲): نیز اگر وہ مسجدِ شرعی تو ہے لیکن مسجد محلّہ نہیں ہے، تو اس صورت میں جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں۔ مسجد محلّہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس میں امام اور جماعت کے لوگ ہمیشہ کے آنے والے اور مقرر ہوں، اس لیے اگر وہاں کا کوئی امام مقرر نہیں، اور وہاں کے نماز پڑھنے والے بھی متعین نہیں، جیسے: عام راستہ کی مسجد یا اسٹیشن یا سرائے کی مسجد جس میں غیر متعینہ اشخاص نماز پڑھتے ہیں، اس میں جماعت کا تکرار بالاتفاق مکروہ نہیں؛ بلکہ وہاں تو نماز کے لیے آنے والا ہر گروہ جداگانہ اذان واقامت سے نماز پڑھے، اس کو افضل قرار دیا گیا۔

(۳): مسجد محلّہ میں بھی بعض صورتیں مکروہ نہیں، مثلاً: محلّہ کی مسجد میں پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی یا اس مسجد کے مقرر امام اور نمازیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی، تو ان صورتوں میں دوبارہ جماعت کرنے کا حکم ہے، اور یہ دوبارہ کی جانے والی جماعت ہی پہلی جماعت کہلائے گی، اس کو جماعت ثانیہ کہہ کر اس پر کراہت کا حکم نہیں لگے گا۔

(۴): نیز دوسری جماعت کی کراہت کی علت یہ بتلائی گئی ہے کہ اگر دوسری جماعت کی بلا کراہت اجازت دے دی گئی، تو یہ چیز پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں پہلی جماعت کے لیے حاضری کا اہتمام لوگ اس لیے نہیں کریں گے کہ ان کو اطمینان ہے کہ ہم جب بھی جائیں اپنی جماعت کر کے نماز پڑھ لیں گے، اس طرح ان کو جماعت کے فوت ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا، اور یہ چیز ان کے لیے پہلی جماعت میں حاضری سے سستی اور کاہلی کا سبب بنے گی، اس کے برخلاف جب ان کو یہ معلوم ہوگا کہ دوسری جماعت مکروہ ہے تو وہ لوگ اہتمام اور تاکید کے ساتھ پہلی

جماعت میں حاضری کی کوشش کریں گے۔

مذکورہ علتِ کراہت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں یہ علت موجود نہ ہو کراہت کا حکم جاری نہیں ہوگا، چنانچہ مسجد سوق میں تعدد جماعت کی اجازت؛ بلکہ افضلیت اسی لیے ہے کہ وہاں یہ علت موجود نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر آپ کے سوال کا حل پیش کیا جارہا ہے۔

آپ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ پر دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنے کے سلسلہ میں حکم شرعی دریافت کیا ہے، اولاً تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ جماعت ثانیہ کی کراہت والا حکم حضرات فقہاء نے جہاں بھی بیان کیا ہے وہاں فرائض پنج گانہ ہی کو پیش نظر رکھ کر ذکر کیا ہے، جس کا بڑا قرینہ یہ ہے کہ باب الامامت میں اس مسئلہ کو پیش کرنے سے پہلے باب الاذان میں بھی اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، گویا یہ ایسی نماز کا حکم ہے جس کے لیے اذان واقامت مشروع ہو، اور یہ نماز پنج گانہ کی خصوصیت ہے ان کے علاوہ بعض نمازیں اور بھی ایسی ہیں جو جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں؛ لیکن ان کے لیے اذان واقامت مشروع نہیں، (جیسے: نماز عید، نماز تراویح، نماز کسوف) ان کے لیے یہ حکم ہونا نہیں چاہیے؛ اگرچہ کسی کتاب فقہ میں اس کی صراحت نہیں ملی، حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ''امداد الفتاوی ۱/ ۴۶۹'' پر تراویح کی دو جماعتوں کی اجازت دی ہے؛ اگرچہ حضرت نے اس کی وجہ دوسری تحریر فرمائی ہے لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ کراہت جماعت ثانیہ والا حکم حضرت نے تراویح میں نہیں لگایا؛ نیز وہ نماز اگر ایسی ہے کہ اس کی ادائیگی مصلی پر فرض یا واجب ہے، اور وہ تنہا اس کو ادا نہیں کرسکتا؛ بلکہ صحت ادا کے لیے جماعت شرط ہے، اور مسجد محلّہ میں اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا

کرلیا گیا، اور کچھ لوگ وقت پر نہ پہونچ سکنے کی وجہ سے شریک ہونے سے رہ گے، تو کیا ان کے لیے دوبارہ جماعت کرنا درست ہے؟ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ سے نماز جمعہ کے بارے میں اسی نوع کا سوال کیا گیا؛ حالاں کہ نماز جمعہ فرائض پنج گانہ میں سے ظہر کی جگہ پر پڑھی جاتی ہے، اور اس کے لیے اذان و اقامت بھی کہی جاتی ہے، پھر بھی حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

سوال: جمعہ کی جماعت ہو جانے کے بعد دس پندرہ آدمی آ گئے، یہ لوگ اسی مسجد میں جمعہ مع خطبہ جماعت سے پڑھیں یا بجماعت ظہر ادا کریں؟

جواب: چونکہ تعدد جماعت جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے، اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں، اس لیے ان لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ بجماعت مع خطبہ ادا کریں، اگر اسی مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اولی یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو۔ (مجموعہ الفتاوی لمولانا عبدالحی ۱/۲۹۲، ۲۹۳)

''خیر الفتاوی ۳/ ۹۵'' پر بھی مذکورہ صورت میں فتاوی عبدالحی ہی کے حوالہ سے جمعہ کی دوسری جماعت کی اجازت دی گئی ہے۔

''امداد الاحکام ۱/ ۶۹۱ تا ۶۹۳'' میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کا رجحان بھی مسئلۂ مذکورہ میں جواز کا ہے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی وجہ سے تمام لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے، تو کیا بقیہ لوگ دوسری مرتبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ: یہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعت ثانیہ نہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت ۷/ ۳۸)

مندرجۂ بالا پہلے تین جوابات (مجموعہ فتاوی عبدالحی، خیر الفتاوی، امداد الاحکام) میں تو اس صورت میں جب کہ وہ دس پندرہ آدمی جمعہ کی جماعت میں بروقت پہونچ نہ سکنے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، ان کو دوسری جماعت کی اجازت دی گئی حالانکہ صورت مسئولہ میں فی الجملہ ان کا قصور بھی ہے کہ وہ بروقت حاضر نہ ہوئے، اور آنے میں تاخیر کے مرتکب ہوئے، چاہیے تھا کہ ان کو جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی جاتی اور تنہا ظہر پڑھنے کا حکم دیا جاتا لیکن صرف اس بنیاد پر کہ ان پر جمعہ فرض ہے اس لیے ان کا ظہر پڑھنا درست نہیں ان کو اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت کرنے کی اجازت دی جارہی ہے، آپ نے اپنے سوال میں جس نماز کے لیے دریافت کیا ہے وہ عید کی نماز ہے جو بقول راجح واجب ہونے کے ساتھ ساتھ اگر چھوٹ جائے تو اس کا کوئی بدل بھی نہیں، نیز آپ کے یہاں جو لوگ پہلی جماعت میں شریک نہیں ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی طرف سے کوئی کوتاہی یا کاہلی پائی گئی جس کے نتیجہ میں ان کو پہلی جماعت میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا بلکہ وہ حضرات بھی وہاں مجمع میں شروع سے موجود ہیں، لیکن جس جگہ پر عید کی نماز با جماعت ادا کی جارہی ہے وہ جگہ محدود ہونے کی وجہ سے تمام حضرات جو موجود ہیں جماعت میں شرکت نہیں کر سکتے گویا جماعت میں عدم شرکت ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں، نیز یہاں پر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت کی تقلیل لازم آئے گی، اس لیے کہ عید کی نماز کے سلسلہ میں لوگوں کا جو عام مزاج ہے وہ تو یہ ہے کہ جلد از جلد اس سے فارغ ہو جائیں اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن شہروں میں متعدد جگہوں پر عید کی نماز ادا کی جاتی ہے اور بذریعہ اشتہار تمام جگہوں کے اوقات جماعت سے بھی شہر والوں کو آگاہ کر دیا جاتا ہے وہاں پر لوگ جس جگہ جلدی نماز ہو رہی ہو

وہاں پہنچ کر نماز عید سے جلد فارغ ہونے کا اہتمام کرتے ہیں، مطلب کہ صورتِ مسئولہ میں دوسری جماعت کی اجازت کسی حال میں پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث نہیں بلکہ دوسری جماعت کو جماعت ثانیہ کا نام دینا یہ بھی محل تأمل ہے، اسی لیے غالبا حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے (جیسا کہ اوپر نقل کیا جا چکا) اپنے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعت ثانیہ نہیں یعنی یہ وہ جماعت ثانیہ نہیں جس پر کراہت کا حکم جاری ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں اس کے شرائط موجود نہیں جیسے مسجد سوق میں ہونے والی متعدد جماعت کو جماعت ثانیہ نہیں کہا گیا، اس لیے آپ کے یہاں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنا پڑتا ہے اگر یہ نظم کسی بڑے ہال یا میدان میں ہو یا کسی عبادت گاہ (جس کو شرعی مسجد قرار نہیں دیا گیا ہے اس) میں ہو تب تو اس میں کوئی کراہت ہے ہی نہیں لیکن اگر سوال میں مذکور ضرورت کے پیش نظر مسجد شرعی میں بھی ایسا کرنا پڑے تو اس کو مکروہ قرار نہیں دیں گے۔ یہ احقر کا رجحان ہے، اس سلسلہ میں دیگر اہل علم سے بھی دریافت کرلیا جائے اگر وہ اس سے اتفاق کریں تو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں:

اکثر کتبِ فتاویٰ میں عید گاہ کو صحراء (الجبانۃ) قرار دیا گیا ہے۔

البتہ زمانۂ حاضرہ میں بوجہ آبادی کے بڑھ جانے سے صحراء خالصہ میں عیدگاہ قائم کرنے میں مندرجۂ ذیل مشکلات کا مشاہدہ اور سامنا تقریباً ہر بڑے شہر کے رہنے والے مسلمانوں کو ہوتا ہے:

اولاً: اکثر بڑے شہروں میں صحراءِ خالصہ حدودِ شہر سے کافی دوری پر واقع ہے (بعض شہروں میں تو مسافتِ قصر سے زیادہ دوری پر واقع ہے) اس بناء پر بہت سے لوگوں کو وہاں تک پہنچنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔

ثانیاً: وہ زمین عموماً غیروں کی ہوتی ہے جس کو خریدنے میں زرِکثیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

ثالثاً: بوجۂ دوری ہونے کے اور سال بھر میں صرف دو بار استعمال کرنے کے اس زمین کی دیکھ بھال مشکل ہوتی ہے۔

رابعاً: آبادی کے ہر وقت بڑھنے سے اس زمینِ مخصوص کی صحرائیت کے ختم ہونے کا امکان ہر وقت ہے۔

خامساً: عیدین سے قبل زمین کو تیار کرنے کے لیے، نیز دیگر انتظامات کے لیے خصوصاً نمازِ عید کے بعد صفائی وغیرہ کے لیے لوگوں میں عموماً سستی پائی جاتی ہے کوئی اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ (ہمارے یہاں اس کا کافی مشاہدہ ہے)

سادساً: سال بھر میں صرف دو دفعہ استعمال میں آنے کی بناء پر استنجاء وضو وغیرہ کے انتظامات نہیں ہوتے ہیں جس کی بناء پر لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر استفسار یہ ہے کہ جن جگہوں میں یہ مشکلات پائی جاتی ہوں ایسی جگہوں میں:

(۱): صحراء کے علاوہ اگر شہر کے حدود کے اندر کوئی صاف خالی میدان ہو مثلاً

پارک (Park)، کالجوں و اسکولوں کے میدانات و کھیل کے میدانات وغیرہ تو آیا ان جگہوں میں عید کی نماز ادا کرنے سے عیدگاہ کی فضیلت اور سنیت حاصل ہوگی یا نہیں؟

(۲): آیا یہ جگہ عیدگاہ کے قائم مقام ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳): نیز ایسی جگہوں میں نمازِ عید ادا کرنا، مساجدِ مختلفہ میں ادا کرنے سے افضل واولیٰ اور زیادتِ ثواب کا مستحق ہے یا نہیں؟

مندرجۂ ذیل وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب شافی مدلل ومبرہن عنایت فرمائیں۔ فجزاکم اللّٰہ خیر الجزاء.

(۱): صورتِ بالا میں مشکلاتِ مذکورہ مرتفع ہوجاتی ہیں جس سے مسلمانوں کو سہولت حاصل ہوگی۔

(۲) حکمتِ عیدگاہ یعنی اظہارِ شوکت وجمعیت المسلمین حاصل ہوتی ہے جو کہ مساجدِ مختلفہ میں مشکل ہے۔

(۳): تکثیرِ جماعت ووحدۃ جماعت مسلمین حاصل ہوگی جو کہ مساجدِ متفرقہ کی صورت میں ناممکن ہے۔ فقط والسلام۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

عید کی نماز حضور اکرم ﷺ ہمیشہ عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے۔ لما ثبت انه عليه الصلوٰة والسلام كان يخرج يوم الفطر ويوم الاضحى الى المصلى. (کبیری ۵۷۲) ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے عیدگاہ میں نماز ممکن نہ تھی تو آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں عید کی نماز ادا فرمائی۔ عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه انه اصابهم مطرفى يوم عيد فصلى بهم النبى ﷺ صلوٰة العيد فى المسجد. (سنن ابوداؤد شریف، باب یصلی بالناس

فی المسجد اذا کان یوم مطر، ١٦٤)

بنا بریں حضراتِ فقہائے احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ عید کی نماز کا عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے۔ والخروج الیھا ای الجبانة لصلوٰة العیدسنةوان وسعھم المسجد الجامع. (درمختار علی ھامش الشامی ٦١٢/١) الخروج الی المصلی وھی الجبانة سنة وان کان یسعھم الجامع. (کبیری ٥٧٢)

عید گاہ (المصلی) کا مصداق تمام فقہاء اس میدان کو قرار دیتے ہیں جو آبادی سے باہر ہو۔ چناں چہ درمختار کی عبارت ثم خروجه ماشیا الی الجبانة وھی المصلی العام کی شرح میں علامہ شامیؒ بحر الرائق کے حوالہ سے فرماتے ہیں: (قوله المصلی العام) ای فی الصحراء. بحر عن المغرب. (شامی ٦١٢/١)

علامہ ابن نجیمؒ نے اس کو مغرب کے حوالہ سے لکھا ہے: وفی المغرب: الجبانة المصلی العام فی الصحراء. (بحر الرائق ١٧١/٢) بلکہ بعض فقہاء نے تو خارج مصر کی تصریح فرمائی ہے، حضرت مولانا عبد العلی بحر العلومؒ نے لکھا ہے: ثم الافضل الصلوٰة فی المصلیٰ خارج المصر للتوارث. (رسائل الارکان ١٢٢) اور یہ سنیت تمام شہروں کے لیے یکساں ہے، ملا علی قاریؒ ابو داؤد کی مندرجۂ بالا روایت کی شرح میں فرماتے ہیں: (اصابھم) ای الصحابة (مطر فی یوم عید فصلی بھم النبی ﷺ صلوٰة العید فی المسجد) ای مسجد المدینة. قال ابن الملك: یعنی کان ﷺ یصلی صلوٰة العید فی الصحراء الااذا اصابھم مطر فیصلی فی المسجد، فالافضل اداء ھا فی الصحراء فی سائر البلدان وفی مکة خلاف. اه (مرقات شرح مشکوٰة ٢٩٨/٢)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بذل المجھود ٢٠٤/٦ میں بھی اس عبارت کو نقل

فرمایا ہے۔ بڑے شہروں کی آبادی کا پھیلاؤ صرف دور حاضر کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ آپ اگر تاریخ اسلام اور معاجم البلدان کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آبادیوں کا اس نوع کا پھیلاؤ اس زمانہ میں بھی تھا، اس کے باوجود اس زمانہ میں کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا۔ حالاں کہ آج کل جو تیز رفتار سواریاں ایجاد ہوئی ہیں وہ اس زمانہ میں نہیں تھیں، ان سواریوں کے ذریعہ جتنی تیزی سے عید گاہ جانا ممکن ہے اس وقت نہیں تھا اگر چہ پیدل جانے میں فضیلت زیادہ ہے، مفتیٔ اعظم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا ایک تفصیلی فتویٰ اس موقعہ پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے: عیدین کی نماز ادا کرنے کا طریقۂ مسنونہ ومتوارثہ سلفاً وخلفاً یہی ہے کہ شہر کے باہر میدان میں ادا کی جائے اور تمام شہر کے لوگ جن کو کوئی عذر نہ ہو باہر جا کر ہی نماز ادا کریں، آنحضرت ﷺ نے بجز ایک مرتبہ کے ہمیشہ شہر کے باہر جبانہ میں ہی نماز عید ادا فرمائی ہے اور حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے فعل سے بھی یہی ثابت ہے اور ایک مرتبہ جو شہر میں حضور ﷺ نے نماز عید پڑھی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ بارش کی وجہ سے باہر جانا دشوار تھا، ہمیشہ شہر سے باہر عید کے لیے تشریف لے جانا ظاہر ہے کہ کوئی عادی فعل نہیں تھا بلکہ نماز کی باہر افضلیت کی بناء پر تھا، اس بناء پر محققینِ احناف بلا عذر شہر میں نمازِ عید ادا کرنے کو خلافِ سنت اور مکروہ کہتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ شہر کے تمام لوگ باہر جانے کے لائق نہیں ہوتے، کیوں کہ آبادی میں بوڑھے، اور کمزور اور مریض وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لیے یہ بھی سنت ہے کہ امام شہر کی جامع مسجد میں اپنے نائب کو نمازِ عید پڑھانے کے لیے چھوڑ جائے تا کہ معذورین کی نماز بھی آسانی سے ہو جائے اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بُعدِ اطرافِ شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نمازِ عید ہو

سکتی ہے، میدان میں نماز پڑھنے سے یہی مراد ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر جا کر میدان میں پڑھی جائے، بعض عبارات میں لفظ صحراء واقع ہے جو آبادی سے باہر کے میدان پر بھی صادق آتا ہے۔ الخ (کفایت المفتی ۳/۲۷۱)

آپ نے جن مشکلات کا تذکرہ اپنے استفتاء میں فرمایا ہے اس کا بھی تجزیہ ضروری ہے۔

پہلی وجہ جو آپ نے تحریر فرمائی ہے وہ اسی زمانہ کی پیداوار نہیں ہے، پہلے بھی بڑے شہروں میں یہ دشواری موجود تھی اس کے باوجود حضراتِ فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ نیز جو حضرات ایسے ہیں کہ ان کے لیے وہاں پہنچنا دشوار ہے تو وہ معذورین میں شمار ہو کر ان کے لیے شہر ہی میں عید کی نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہوگا، ایک بات یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ میدان حدودِ میونسپلٹی سے باہر ہو بلکہ مکاناتِ آبادی سے باہر ہونا کافی ہے۔ (کما صرح الشیخ العلامة ظفر احمد التھانوی فی امداد الاحکام ۱/۶۷۸)

دوسری وجہ بھی کوئی قوی نہیں ہے خریدنے کی ضرورت بار بار نہیں پڑتی، ایک مرتبہ خریدنے کے بعد آئندہ وہ کام دیتی رہے گی، نیز جب تک خریدنے کی استطاعت حاصل نہ ہو وہاں تک مالک کی اجازت سے یا کرایہ پر لے کر کام چلا سکتے ہیں۔

تیسری، چوتھی، پانچویں وجہ بھی ایسی نہیں جس کو نئی وجہ کہا جا سکے، یہ دشواریاں تو پہلے بھی تھیں، اس کے باوجود فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں فرمایا۔

چھٹی وجہ جو آپ نے تحریر فرمائی ہے اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ کیا عیدگاہ میں استنجاء و وضوء کا نظم کرنا ضروری ہے یا مستحب ہے؟ مساجد کے متعلق تو بعض روایاتِ حدیث، نیز تعاملِ سلف سے اس کا ثبوت ہے لیکن عیدگاہ کے متعلق دونوں میں سے کسی سے ثبوت نہیں ہے۔

اس لیے حق تو یہ ہے کہ آپ نے جن مشکلات کا سماں باندھا ہے فقہاء کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیش ہیں:

(۱): حدودِ شہر میں کسی میدان وغیرہ میں نمازِ عید ادا کرنے سے نمازِ عید تو صحیح ہو جائے گی مگر سنت ادا نہ ہوگی، سنت یہی ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر عید گاہ ہو۔ (امداد الاحکام ۱/ ۶۷۹)

(۲): نہیں۔

(۳): اگر شہر میں جامع مسجد یا اور کوئی مسجد اتنی بڑی ہے جو شہر کے تمام لوگوں کے لیے کافی ہو تو جب تک عید گاہ کا بندوبست نہ ہو جائے اس ایک مسجد میں تمام لوگ نماز عید ادا کریں، اور اگر شہر میں ایسی بڑی کوئی مسجد نہیں ہے تو مختلف مقامات پر مختلف جماعتوں میں نمازِ عید پڑھنے کے بجائے ایک جگہ تمام مسلمانوں کا مل کر پڑھنا اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دس افراد کا عید کی نماز الگ پڑھنا مکروہ ہے

سوال: ہماری بستی میں عید گاہ بہت پرانی ہے اور کئی سالوں سے اس میں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے حسب معمول امسال بھی نماز عید الفطر ادا کی گئی لیکن قریباً دس افراد نے عید گاہ سے ایک کلومیٹر دور کے فاصلہ پر پڑھی تو ان دس افراد کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

عید کی نماز شہر سے باہر جا کر عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔ الخروج الیھا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ. (درمختار علی ھامش الشامی ۱/۶۱۲) **ضرورت سے زیادہ تعدد خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔** (کفایت المفتی ۳/۲۷۱) **اس لئے جن لوگوں نے الگ پڑھی ان کی نماز تو ہوگئی** بناء علی ان صلوٰۃ العیدین فی موضعین جائز. (شامی ۱/۶۱۳) **البتہ ان کا یہ فعل بلاضرورت ہونے کی وجہ سے مکروہ اور خلافِ سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسائلِ جنائز

میت کو غسل دینے سے پہلے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟

سوال: کسی کے انتقال کے فوراً بعد غسل دیئے بغیر ایصال ثواب کے لیے قرآن پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی دور جگہ سے انتقال کی خبر بذریعہ ٹیلیفون پہنچی اور یہ یقین ہو کہ اتنی دیر میں میت کو غسل نہیں دیا گیا ہوگا پھر بھی قرآن پڑھوانا کیسا ہے؟ سوال کا خلاصہ یہ کہ قرآن پڑھوانے کے لئے غسل کی شرط صرف اسی وقت ہے جب کہ جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے ہو یا ہر وقت، چاہے جنازہ پاس ہو یا دور ہو غسل کے بغیر قرآن نہیں پڑھ سکتے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر میت قرآن پڑھنے والوں کے سامنے موجود نہیں ہے اس صورت میں تو بغیر غسل دیئے بھی بلا کراہت درست ہے، اسی طرح اگر میت سامنے موجود ہے لیکن اس پر اس طرح کپڑا ڈال دیا گیا کہ پوری میت مستور ہے، کوئی عضو کھلا ہوا نہیں ہے تو اس صورت میں بھی کراہت نہیں ہے اور اگر وہ پورے طور پر مستور نہیں ہے لیکن تلاوت سراً کی جارہی ہے تب بھی کراہت نہیں ہے، البتہ اس آخری صورت میں جہراً تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ (شامی ۱/۶۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کیا جلی ہوئی میت کو غسل دیا جائیگا؟

سوال: اگر کسی کی میت جل گئی ہو اور اس کے اعضاء بھی کٹ گئے ہوں، تو کیا ایسی میت کو بھی غسل دینا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر میت کے بدن کا اکثر حصہ موجود ہو یا نصف حصہ سر کے ساتھ موجود ہو تو اس کو غسل دے کر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے۔ فأما اذا وجد اکثر البدن أو النصف و معه الرأس یصلّی علیه الخ. (المبسوط للسرخسی ۲/۵٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

''پوسٹ مارٹم کئے ہوئے شخص کی تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ''

سوال: ایک انسان ایکسیڈنٹ کی وجہ سے فوت ہو گیا، اور اس انسان کا پوسٹ مارٹم کرلیا گیا اور اس انسان کی نعش پوسٹ مارٹم کے تین دن بعد اس کے گھر پہنچائی گئی، کیوں کہ گھر اس کا دور تھا اور تاخیر کی وجہ سے نعش میں بدبو پیدا ہو گئی، اس انسان کو بغیر غسل اور بغیر کفن کے صلوٰۃ جنازہ کے بعد دفن کر دیا گیا تو آیا اس کی صلوٰۃ جنازہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور پوسٹ مارٹم کی صورت میں غسل کی کیا شکل ہو سکتی ہے جبکہ اس کے اعضاء الگ الگ ہو چکے ہوتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے شرائط میں سے میت کا پاک ہونا بھی ہے، اس لئے جس کو غسل نہیں دیا گیا اس پر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے، (و شرائطها) ستة ...... (و الثانی (الطهارة) عن نجاسة حکمیة و حقیقیة فی البدن فلا تصح علی من لم یغسل (طحطاوی علی مراقی الفلاح) اب اگر کسی میت کو غسل دیئے بغیر اس پر بھول یا جہالت کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ کا اعادہ کرلیا جائے بشرطیکہ دفن کو اتنا وقت نہ گزرا ہو کہ جس میں نعش پھول پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے، ولو صلی علیه بلا غسل جهلا او نسیانا ثم دفن و لا یخرج الا بالنبش اعیدت علی قبره استحسانا لفساد الاولی. (ایضاً ۳۱۸) (وان دفن) واهیل علیه التراب

(بلاصلوٰۃ) ...... (صلی علی قبرہ وان لم یغسل) لسقوط شرط طھارتہ لحرمۃ نبشہ ...... (مالم یتفسخ) (ایضاً ۳۲٤) پوسٹ مارٹم میں اعضاء الگ الگ نہیں کئے جاتے بلکہ صرف بدن چیر پھاڑ کر اس میں سے کچھ اجزاء نکال لیتے ہیں اور پھر سی لیتے ہیں، غسل کے لئے پورے جسم پر پانی بہادینا کافی ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا

سوال: صلوۃ جنازہ میں تکبیر اول میں ہمارے نزدیک تو صرف ثناء ہے، مگر وہ حضرات (غیر مقلدین) سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، تو کیا ثناء اور سورۂ فاتحہ کو جمع کر لیا جائے تو عندالاحناف اس کی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جنازہ میں اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، حضور اکرم ﷺ پر درود اور میت کیلئے دعا ہے، اس لیے اگر سورۂ فاتحہ بنیتِ حمد وثناء ودعا پڑھی جائے تو درست ہے، بنیتِ تلاوت نہ پڑھی جائے۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۲۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بے نمازی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی تجویز درست نہیں

سوال: گاؤں والے مل کر یہ طے کریں کہ اپنے گاؤں میں بے نمازی زیادہ ہیں، تو ایک ایسی بات طے ہوجائے کہ جس سے تمام کو نماز پڑھنی پڑے؛ لہٰذا یہ بات طے ہوئی کہ جو پنج وقتہ نماز نہ پڑھے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، اور کفن دفن میں شریک نہ ہونا چاہیئے، اور اس بات پر تمام کا اتفاق ہے، اور اس گاؤں میں فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہے امید ہے کہ سب مسجد میں آنے والے ہوجائیں گے تو کیا یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ہر وہ آدمی جو مسلمان ہو کر مرا اس کی نمازِ جنازہ مسلمانوں پر فرض ہے؛ البتہ اس سے چار قسم کے آدمیوں کو فقہاء نے مستثنیٰ کیا ہے، ان چار میں بے نمازی نہیں ہے۔ (درمختار ۱/۶۴۲) اس لیے کوئی ایسی تجویز طے نہ کی جائے اور اگر طے کر لی ہے تو اس پر عمل نہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

فاسق وگنہ گار مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: فاسق وگنہ گار مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مسلمان اگر چہ فاسق اور گنہگار ہو اس کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر بعض لوگ اس کو ادا کرلیں تو باقی لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے، اور اگر کسی نے نہ پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مرنے والا مسلمان فاسق وفاجر اور گنہگار ہو تب بھی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ باغیوں، لٹیروں کی نماز جنازہ اگر وہ اسی حالت میں مارے گئے ہوں تو نہ پڑھی جائے، بدائع الصنائع میں ہے "وأما بيان من يصلى عليه فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيرا كان او كبيرا ذكرا كان او انثى حرا كان او عبدا الاالبغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم لقول النبى ﷺ صلو على بروفاجر وقوله للمسلم على المسلم ست حقوق وذكر من جمتلهاان يصلى على جنازته من غير فصل الا ماخص بدليل والبغاة ومن بمثل حالهم مخصوصون بماذكرنا. (بدائع الصنائع: ۱/۳۱۱)

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ ہر نیک وبد کی نماز جنازہ (بشرطیکہ

ظاہری اعتبار سے اس کی موت ایمان پر واقع ہوئی ہو) پڑھی جائے۔شرح عقائد کی شرح ''النبراس'' میں ہے: ویصلی (بلفظ المجهول) ای صلاة الجنازة علی كل بر و فاجر اذامات الفاجر علی الايمان بحسب الظاهر للاجماع فان السلف لم يزالوا يصلون علی الفساق ولقوله عليه الصلوٰة والسلام لاتدعوا الصلوٰة ای لاتتركوا من الودع وهو الترك وزعم النحاة ان ماضی هذاالباب لايستعمله العرب علی من مات من اهل القبلة لم يجد القاری الهروی هذا الحديث تخريجا من لفظه، وعن ابن عمرؓ عن النبیﷺقال: صلوا علی من قال لااله الااللّٰه. رواه الطبرانی بسند ضعيف جدا وقد تقدم حديث ابوهريرة يرفعه صلوا علی كل بر وفاجر. رواه البيهقی وانت تعرف ضعف الحديث فمدارا المسئلة علی الاجماع. (النبراس ۵۴۵)

اس لئے منسلکہ مضمون جو آپ نے ارسال فرمایا ہے اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے، صاحب مضمون دینی مدرسہ کے فاضل ہونے کے باوجود ایک ایسے مسئلہ سے جو مدارس کے نصاب میں پڑھائی جانے والی کتاب ''شرح عقائد'' میں صراحۃً موجود ہے، بے خبر ہیں،فیا للعجب! اور بایں ہمہ دانی تمام علماء کو چیلنج فرما رہے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ۷ ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دفن کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا، اکابر دیوبند کا معمول

السلام عليكم ورحمة اللّٰه و بركاته

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام وعلمائے عظام مسئلۂ ذیل میں:۔

متبعین اہل سنت والجماعت بوقتِ دفن ویسے ہی دعاء کیا کرتے تھے میت کے لیے یعنی بغیر ہاتھ اٹھا کر اور بہت عرصے سے یہی طریق ان کا رہا اور اسے علمائے دیوبند و اکابر امت کا معمول بہ سمجھ کر کرتے تھے اور ویسے تو اکابر امت حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب کا عمل یہ دیکھا گیا کہ قبر کے پاس بغیر ہاتھ اٹھا کر میت کیلئے دعاء فرماتے تھے۔

اب کچھ دنوں سے جنوبی افریقہ کے بعض علاقے میں علمائے دیوبند کی طرف منسوب بعض علماء وشیوخ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے سلسلہ میں یہ عمل رائج کرنے لگے کہ سب حاضرین قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کریں، اور استدلال میں صحیح ابی عوانہ اور تخریج حافظ فی الفتح کی حدیث پیش کرنے لگے؛ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ان حضرات کی طرف سے ایک کتاب چھپ چکی ہے کہ جس میں اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہے سنت ہے اور حدیثِ پاک سے مؤید ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بزرگان دین متین اور علمائے اکابر نے اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا آیا وہ اس حدیث سے نا آشنا تھے (العیاذ باللہ) یا یہ کہ کوئی وجہ تھی جسکی بنا پر انھوں نے رفع یدین عند القبر اگر چہ استقبالاً للقبلہ ہو ترک فرمادیا ہے؟ کیا یہ نو پید علماء وشیوخ حدیث کا عمل ومستدل اصح اور قابل اتباع ہے یا ماضی کے علمائے اعیان ومشائخِ عظام کا تعامل وطریق زیادہ قابل اتباع اور لائق عمل ہے؟

افتونا ماجورین و ادخلوا الجنة مسرورین

احقر شعیب راوت ساکن ڈڈیر، جنوبی افریقہ ۹/صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

عام زیارت قبور کے موقعہ پر میں نے بھی اپنے اکابر کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے نہیں دیکھا، رہا دفن میت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اس سلسلہ میں احقر نے راندیر کے اکابر کا عمل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا دیکھا ہے، آپ نے اپنے سوال میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ اور مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحبؒ کا جو عمل بغیر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا لکھا ہے وہ اگر زیارت قبور کے موقعہ کا ہے تو تسلیم ہے، اور اگر دفن کے بعد کا ہے تو کیا یہ عمل آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ یا کسی ثقہ راوی سے سنا؟ سوال میں اس کی کوئی تصریح نہیں، رہا نفس مسئلہ، تو جب ایک صحیح روایت سے اس کا ثبوت موجود ہے تو اب اس کا انکار سمجھ میں نہیں آتا۔

احسن الفتاوی جلد چہارم ص ۲۲۴ کا مضمون آپ کی نگاہوں سے ضرور گزرا ہوگا، جس میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ ''مگر اکابر کے تعامل عدم رفع کے پیش نظر رفع یدین کے قول و عمل کی ہمت نہ ہوتی تھی الخ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ بھی آپ کی طرح اکابر کے عمل کی وجہ سے قائل نہیں تھے بلکہ زمانۂ سابق میں رفع یدین کے بدعت ہونے کا فتوی بھی دے چکے تھے لیکن جب ان کے سامنے روایت پیش کی گئی، تو بایں ہمہ وجوہ اس کے قائل ہو کر اپنے سابقہ فتوی سے رجوع کرلیا، باقی آپ نے سوال کے آخر میں جو یہ جملہ لکھا ہے کہ ''بزرگان دین متین اور علمائے اکابر نے اس حدیث پر کیوں عمل نہیں کیا، آیا وہ اس حدیث سے نا آشنا تھے العیاذ باللہ الخ''

ہمارے ان اکابر کا اپنے وفور علم کے باوجود کسی حدیث سے نا آشنا ہونا ان کی شان کے خلاف نہیں، اور آپ کا محض اسی بنیاد پر حدیث کا ثبوت ہونے کے باوجود اس پر

عمل کو قابل تعجب قرار دینا خود قابل تعجب ہے۔

بخاری شریف تو آپ نے پڑھی ہی ہوگی، جہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت کا استیذان کے لیے تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپس جانے والی روایت سے ناواقف ہونا مستقل باب قائم کرکے یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ کسی بڑے سے بڑی شخصیت کا بھی تمام احادیث اور نصوص سے واقف ہونا نہ تو ضروری ہے، نہ ہی ناواقفیت ان کی شان کے خلاف۔

اب اخیر میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا ایک فتوی پڑھ لیجیے تحریر فرماتے ہیں: ''دفن کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کرنی جائز ہے مگر ہاتھ اٹھا کر کرنی لازم نہیں، خواہ ہاتھ اٹھائے یا نہ اٹھائے، دونوں جائز ہیں۔ (کفایت المفتی ۴/۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۸/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دفن کے بعد مستحب اعمال

مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے رشتے میں ایک نوجوان شادی شدہ مرد کا انتقال ہوا، اسکو دفن کیا گیا مگر اکثر لوگوں کو دفن کرنے کے بعد قبر پر دعاء کرنے کا طریقہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہیں پاتے۔ آپ سے گذارش ہے کہ دفن کے بعد سے لیکر چالیس قدم آنے تک اور اسکے بعد میت کے گھر پر جا کر کیا کرنا چاہئے۔ اس کا شریعت میں کیا طریقہ ہے قرآن اور سنت کی روشنی میں تفصیل سے لکھ دیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً:

دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات یعنی آلم سے لے کر ھم المفلحون تک، اور پائنتی کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات آمن الرسول سے ختم سورۃ تک پڑھنا مستحب ہے۔(بیهقی شعب الایمان، معارف الحدیث۳/۴۸۵)

دفن کے بعد تھوڑی دیر قبر پر ٹھہرنا، اور میت کیلئے دعائے مغفرت کرنا، یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا مستحب ہے۔(شامی و بہشتی گوہر)

دفن کے بعد یہ دعاء بھی پڑھے تو بہتر ہے۔ اللهم اغفرله وارحمه وعافه و اعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله و اغسله بالماء و الثلج و البرد و نقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس، وأبدله داراً خيرا من داره و اهلا خيرا من اهله و زوجا خيرا من زوجه و أدخله الجنة و أعذه من عذاب القبر و عذاب النار. اللهم انت ربها وانت خلقتها وانت هديتها للاسلام وانت قبضت روحها و انت اعلم بسرها وعلانيتها جئنا شفعاء فاغفر لها. (معارف الحدیث)(مأخوذ از احکام میت ص۸۸تاص۹۰) چالیس قدم آنے کے بعد کچھ پڑھنے کا حکم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳/ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عورت اگر نماز جنازہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

سوال: ایام حج میں جب کوئی میت ہوتی ہے تو عورتیں بھی جنازہ پڑھتی ہیں تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلياً و مسلماً:

عورت اگر نمازِ جنازہ پڑھے تو وہ درست ہے۔ الصلوٰة على الجنازة فرض

كفاية إذا قام به البعض واحداً كان أو جماعة ذكرا كان أو أنثى سقط عن الباقين. (فتاوی عالمگیری ۱۶۲/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

موقوفہ قبرستان میں تدفین کے لئے ڈونیشن لینا جائز نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مندرجۂ ذیل مسئلہ میں کہ شہر وشارم میں الحمدللہ ایک ہی جماعت اور ایک ہی قبرستان ہے۔

قبرستان کی زمین کو ایک نیک پارسا خاتون مرحومہ نے وقف کیا ہے، تقریباً یہاں ہر میت کے ذمہ داروں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ قبرستان کے اول حصہ میں ہی یا اس سے پہلے دفن شدہ والد، والدہ، خاوند وغیرہ کی قبر کے پاس میں ہی میت کو دفن کی جائے۔

جس کی وجہ سے انتظام میں الجھن اور کبھی کبھی نزع اور جھگڑے کی صورت بھی پیش آجاتی ہے۔

اس الجھن و جھگڑے سے چھٹکارہ پانے کے لئے قبرستان میں تین ترتیب قائم کر کے تدفین کے لئے بلڈنگ ڈونیشن کے نام سے رقم حاصل کی گئی، اور چوتھی ترتیب بلا ڈونیشن لیے بھی تدفین کی جاتی ہے، کبھی بھی کسی کو کسی ترتیب میں دفن کرنے پر زبردستی نہیں کی گئی۔

یہ صورت جماعت کے انتظامی اقدامات میں سے ایک کارروائی تھی، نہ کہ میت کے گھر سے میت کے دن رقم اینٹھنے کا حربہ، اس طرح سے انتظام کرنے پر ساری الجھنیں دفع اور ختم ہوگئی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح سے قبرستان میں جھگڑے سے بچاؤ اور احتراز کی خاطر بلڈنگ ڈونیشن اور بلا بلڈنگ ڈونیشن ترتیب قائم کرسکتے ہیں؟

اور اگر قائم کرسکتے ہیں تو اس وصول شدہ رقم کو بلڈنگ میں (جماعت کی رہائشی

مکانات ودکانات) میں صرف کر سکتے ہیں؟ اس رقم کا مصرف کیا ہے؟

ازراہِ کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب بالصواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جو زمین تدفین کے واسطہ وقف کی گئی، اس میں مردوں کو دفن کرنے کے لئے جو شرائط واقف نے تجویز فرمائی ہیں، یعنی کسی خاص جماعت یا قوم کے لئے ان کی رعایت کرتے ہوئے ان مردوں کو دفن کرنے کے واسطے، ان سے کسی قسم کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں، آپ نے انتظام میں پیش آمدہ الجھن کو دور کرنے کے لئے ڈونیشن کی جو شکل تجویز فرمائی ہے، وہ درست نہیں، اس قبرستان کے نظم وانتظام کو برقرار رکھنے کے لئے واقف نے جن حضرات کو متولی مقرر کیا ہے، ان کے نظم وانتظام سے متعلق ہدایت پر عمل کرنا مردوں کے اولیاء کے لئے ضروری ہے، اس لئے آپ اپنے تولیت والے اختیارات کی بنیاد پر جو طریقہ نظم وانتظام کو برقرار رکھنے کے لئے اختیار کرنا چاہیں، اس کو آپسی مشورہ سے طے کر کے منظور فرمالیں، اور لوگوں کو بھی چاہیئے کہ ان ہدایات کا لحاظ کریں، باقی رہا اس کے لئے ڈونیشن والا طریقہ، تو شرعاً اس کی اجازت نہیں، یہ ایک نوع کی رشوت ہے، جب یہ درست ہی نہیں، تو اب مصرف کا سوال فضول ہے، اس نوع کی رقمیں جن سے وصول کی گئی ہیں ان کو واپس کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احمد خانپوری، ۱۵/ شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

بفضلہٖ تعالیٰ محمود الفتاویٰ کی پہلی جلد پوری ہوئی، دوسری جلد شروع کتاب الزکوٰۃ سے